

مَقَالَاتُ مَحَبَّةِ الْإِسْلَامِ

مجموعه تالیفات

سید الامام البکیر حضرت مولانا محمد قاسم النانوتوی قدس سرہ



ادارۃ تالیفات اشرفیہ

چوک فوارہ ملت ان پکشتان

(0322-6180738, 061-4519240)

بِسلسلہ

مَقَالَاتُ حُجَّتِ الْإِسْلَامِ

جلد 4 (حصہ اول)

دینی احکام و مسائل کے متعلق مقالات

تحفہ لمحیہ.... مع عکس.... مصابیح التراویح.... مع عکس
الحق الصریح فی اثبات التراویح.... مع عکس
توثیق الکلام فی الانصات خلف الامام.... مع عکس

مجموعہ تالیفات

سَيِّدُ الْاِمَامَةِ الْكَبِيرِ اَبِي عَبْدِ اللَّهِ مُحَمَّدٍ طَاهِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ
حُجَّتِ الْإِسْلَامِ حُضُرِ مَوْلَانَا مُحَمَّدِ بْنِ تَائُوْبِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ

۱۲۳۸ھ تا ۱۲۹۷ھ

ہانی دارالعلوم دیوبند

ترتیب

قاری مُحَمَّدُ اسْحَاق

(دربارہائے "ماسن اسلام" ملتان)

اِدَارَةُ تَالِيفَاتِ اَشْرَفِيَا

چوک نوارہ ملتان 0322-6180738

مَقَالَاتُ حُجَّتِ الْإِسْلَامِ ﷺ

تاریخ اشاعت..... ذوالقعدہ ۱۴۴۱ھ
 ناشر..... ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
 طباعت..... سادق محمد بنجاب پرنٹنگ پریس، ملتان
 بایسٹنگ..... ابو ذر بک بایسٹنگ..... ملتان

انتباہ

اس کتاب کی کاپی رائٹ کے جملہ حقوق محفوظ ہیں

قارئین سے گزارش

یاد رکھیں کہ اس کتاب کی اشاعت ہوتی ہے کہ پروفیسر ڈیگ معیاری ہو۔
 الحمد للہ اس کا کیلئے ادارہ میں طلبہ کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔
 پھر بھی کوئی قطعی نظر آئے تو برائے سہرا بیانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں
 تاکہ اس کتاب کی اشاعت میں عداوت ہو سکے۔ جزاکم اللہ

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

ادارہ اسلامیات..... ناگل..... لاہور	ادارہ اسلامیات..... سید ابراہیم..... کراچی
کتبہ سید احمد شہید..... سید ابراہیم..... لاہور	قرآن مجید..... کتبہ کبھی چوک..... سید ابراہیم..... لاہور
کتبہ رحمانیہ..... سید ابراہیم..... لاہور	کتبہ رحمانیہ..... سید ابراہیم..... لاہور
اسلامی کتاب گھر..... خیابان سرسید..... سید ابراہیم..... لاہور	اسلامی کتاب گھر..... خیابان سرسید..... سید ابراہیم..... لاہور
اسلامک بک کلب..... امین پور..... لاہور	اسلامک بک کلب..... امین پور..... لاہور
مکتبہ رشیدیہ..... سرکی روڈ..... کوئٹہ	مکتبہ رشیدیہ..... سرکی روڈ..... کوئٹہ
مکتبہ الشیخ..... بہادر آباد..... کراچی	مکتبہ الشیخ..... بہادر آباد..... کراچی
وال کتاب گھر..... گزرا نوالہ..... کتبہ طبع..... لاہور	وال کتاب گھر..... گزرا نوالہ..... کتبہ طبع..... لاہور
الامام محمد قاسم النانوتوی ریسرچ لائبریری مردان: 0341-9164891	الامام محمد قاسم النانوتوی ریسرچ لائبریری مردان: 0341-9164891

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K 119-121- HALLIWELL ROAD
 (ISLAMIC BOOKS CENTRE) BOLTON BL1 3NE (U.K.)

مَقَالَاتُ حُجَّةِ الْإِسْلَامِ

جلد... 4

دینی احکام و مسائل کے متعلق مقالات
(حصہ اول)

إجمالاً فهرست

10	تحفه لحمیه	1
18	تحفه لحمیه ... عکس قدیم	2
27	تحفه لحمیه ... عکس جدید	3
47	مصابیح التراویح	4
207	مصابیح التراویح ... عکس	5
320	الحق الصریح فی اثبات التراویح	6
344	الحق الصریح ... عکس	7
358	توثیق الکلام فی الانصت خلف الامام	8
378	توثیق الکلام ... عکس	9

تحفہ لحمیہ

(اُردو)

گوشت خوری جائز یا ناجائز؟

مع مقدمہ

از حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ

حضرت مولانا عبدالحمید سواتی صاحب رحمہ اللہ ”اجوبہ اربعین“ کے مقدمہ میں اس کتاب کے تعارف میں لکھتے ہیں: یہ ایک مختصر سا رسالہ ہے جس میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے ہنود کے اس وہم باطل کا رد لکھا ہے کہ جانوروں کا ذبح کرنا ظلم ہے اور ان کا گوشت کھانا تعدی ہے۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ثابت کیا ہے کہ حلال جانوروں کا گوشت کھانا اور ان کا ذبح کرنا بالکل فطرت کے مطابق ہے عقل سلیم بھی اس کو تسلیم کرتی ہے۔ عقلی دلائل سے اس مسئلہ کو حضرت نے بین طور پر ثابت کر دیا ہے۔ اگر ان کا گوشت کھانا ظلم ہے تو ان کی کھال کا جوتا پہننا اور ان کی ہڈیاں اور دیگر اجزاء کا استعمال کرنا اور ان سے سواری وغیرہ کی خدمت لینا کون سا انصاف ہے۔



مقدمہ بعنوان تبشیر

نہایت ہی ذوق و رغبت کے ساتھ بار بار یہ خیال اکابر و اصاغر کی زبانوں پر آتا رہا ہے کہ حضرت قطب وقت آیۃ من آیات اللہ مولانا محمد قاسم الخیرات قدس سرہ کی تصانیف جلیلہ جس طرح اپنے معنوی حسن و خوبی کے سبب بے نظیر ہیں۔ کاش اسی طرح وہ ظاہری زیب و زینت، حسن طبع، خوبی کاغذ اور نزاکت قلم میں بھی اپنی نظیر خود ہو جائیں۔ اس خیالی حرکت نے اپنے انتہائی مراحل طے کر لئے اور وہ بجائے خیالی کے ایک وجودی چیز بن گئی۔

مؤتمر الانصار کی جمعیت نے حضرت مرشدی و استاذی شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہ کی سرپرستی میں ”حجۃ الاسلام“ سے اس پاکیزہ سلسلہ کا آغاز کیا، جس سے کفش برادران قاسمی و ولد ادگان اسرار علمی کی اشک شوقی ہو گئی لیکن زمانہ کی نامساعدت نے اس مبارک سلسلہ میں ایک طویل و عریض فترت حائل کر دی اور بجائے واقعہ کہ پھر یہ سلسلہ خیالی رہ گیا۔

مگر کچھ عرصہ بعد قدیم عزائم و آراء شوق و رغبت کی مدد سے پھر ابھرنے

لگا اور تمناؤں کا اظہار شروع ہوا۔ اس احقر نے بحول اللہ وقوتہ اس مبارک سلسلہ کی تکمیل کا ایسی انداز پر ارادہ کیا ہے جس طرح وہ حضرت استاذی و مرشدی قدس سرہ کے عہد حیات میں شروع ہوا تھا۔

صد شکر جس مبارک سلسلہ کا پہلا نمبر قبل ازیں ”حجۃ الاسلام“ کی صورت میں نور افزائے نظر ہوا تھا، اُسی سلسلہ کا دوسرا نمبر ”تحفہ نجمیہ“ کے لباس میں آج آپ کے سامنے آرہا ہے۔ صحیح، حسن طبع اور موزونیت تقطیع کا کامل لحاظ کیا گیا ہے۔ بسیط مضامین کے سہل الوصول بنانے اور بآسانی متفرق مضامین کو تلاش کرنے کے لئے عنوانی نشانات اضافہ کر دیئے گئے ہیں اور یہی وہ طرز ہے کہ جس پر کل تصانیف (ان شاء اللہ) آپ کے سامنے آئیں گی۔

یہ صحیح کہ اتادقت خیز اور مشکل سلسلہ کسی وقیع، شاندار اور مشہور قلم سے حد تکمیل کو نہیں پہنچ رہا تاہم اگر ایک غیر مشہور اور کم مایہ ہاتھ سے ایک چیز پردہ عدم سے چہرہ نکال سکتی ہے اور کم از کم خیالی وجود سے واقعی وجود کا لباس پہن سکتی ہے تو ایسے دست و قلم کی یہ حرکت یقیناً اس کی کم مائیگی اور بے بضاعتی کے لئے کافی تدارک ہے۔

وما تولیقی الا باللہ

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب عفا اللہ عنہ
(سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند)



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

گوشت خوری کی ممانعت پر بڑی سے بڑی دلیل

جو لوگ گوشت کھانے کو بہت بُرا جانتے ہیں اُن کے پاس بجز اس کے کوئی دلیل نہیں ہے کہ ظاہر میں ذبح کرنا جانوروں کا، ظلم معلوم ہوتا ہے اور ظلم ہر مذہب و ملت میں بلکہ ہر کس و ناکس کے نزدیک بُرا ہے۔ پس باوجود اس کے نہیں معلوم کہ کھانے والے کیوں ہزاروں جانوں کو تلف کر کے ایک اپنا دل خوش کرتے ہیں اور خدا سے نہیں ڈرتے کہ ایک مخلوق کی مخلوق پر اس قدر جفا کہ اُس سے زیادہ کیا ہوگا، کرتے ہیں۔

جوابی مضمون کی تمہید

واقعی یہ دھوکا ایسا ہے کہ ایک دفعہ تو اچھے عقل مندوں کو بھی ہچکلا دیتا ہے۔ پس ان حضرات کو اگر خدائے تعالیٰ عقل سلیم اور نظر انصاف عنایت فرمائے تو صاف معلوم ہو جائے کہ اس کو ظلم سمجھنا ایسا ہے جیسے کوئی شخص جس کو سونے اور پیتل، اور بلور اور پھٹک، اور زمرہ اور سبز کانچ کی تمیز نہ ہو اور سونے اور بلور زمرہ کی دکان پر جائے اور دیکھے کہ ہزار ہائے تار اور جوہری گودیں بھر بھر لئے جاتے ہیں پُر اپنی بے تمیزی سے سونے کو پیتل، اور بلور کو پھٹک، اور زمرہ کو سبز کانچ سمجھ کر چھوڑ دے، اور اُٹھانے والوں پر اعتراض کرے۔ سو ایسوں ہی کے حق میں کہا ہے:

مرا بخیر تو اُمید نیست بدِ مرسان

مناسب تو یوں تھا کہ یہ بھی اُن کا اتباع کرتا اور جانکاروں کو طلب گار دیکھ کر

اپنی سمجھ کو غلط سمجھتا تو محروم نہ رہتا۔

عالم کی کثرت گوشت خوری کی طرف ہے

اور بہت سی اقوام ہنود بھی گوشت خور ہیں

دستورِ عام ہے کہ جس طرف زیادہ عاقل ہوتے ہیں اسی طرف عقل کی بات ہوتی ہے۔ پھر تماشا ہے کہ سارا جہان تو ایک طرف ہو یہاں تک کہ ہندوؤں میں سے بھی بہت سی قومیں۔ پھر بھی اہل ہنود گوشت کھانے کو ظلم اور کھانے والوں کو ظالم سمجھیں، اور اپنی وہی مرنے کی ایک ٹانگ کہے جاویں۔ اس سے زیادہ اور کیا ناحق شناسی ہوگی؟ منصف کے نزدیک تو یہی بات بہت ہے۔ مزید توضیح کے لئے اتنا اور بیان کیا جاتا ہے۔

ظلم کی حقیقت

کہ ظلم کے معنی نہ فقط ایذا رسانی ہے ورنہ سانپ، اور بچھو، اور شیر کا مارنا بھی جو سب کے نزدیک بالاتفاق ہندو ہوں یا مسلمان جائز ہے بلکہ بعض موقع پر واجب، یقیناً حرام ہو جاتا ہے۔ بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ کسی غیر کی چیز کو، گو کسی کام کی نہ ہو اُس کی بے اجازت اپنے تصرف میں نہ لاؤ۔

اپنی ملک میں تصرف کرنا ظلم نہیں

اپنی چیز کا اختیار ہے۔ جلاؤ یا پھونکو، توڑو یا موڑو۔ اسی لئے اگر کوئی کسی کے پھٹے پرانے کپڑے کو پھاڑ دے تو ہر کوئی ظلم کہہ کہہ کے جینے سے تنگ کر دیتا ہے اور اگر وقت ضرورت کے کوئی شخص اپنے کشمیری دو شالہ کو بھی جلا کے کھانا پکالے یا دوسرے کو پکانے کو دے دے بلکہ بے ضرورت بھی اگر ضائع کر دے یا کر دے تو کوئی ظلم نہیں کہتا، خود کرے یا دوسرے سے کرنے کو کہے۔ سو جیسے ہم بیع و شراء، واجارہ و وصیت، اور وراثت کے سبب ان اشیاء کو اپنا خیال کرتے ہوں اور ان خیالی باتوں پر آپس میں کیا کیا جھگڑتیں ہوں کہ الہی پناہ! باوجود یہ کہ عقلاً سب انسان سب چیزوں میں برابر نظر آتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کو بوجہ مالکیت کاملہ تمام کائنات پر ہر قسم کے تصرف کا حق حاصل ہے

اس صورت میں اگر خداوند کریم بھی جس نے ہمیں اور سب چیزوں کو بنایا ہے، جہان کو اپنا کہے اور گائے بھینس بکری وغیرہ کو اپنا کر کے اپنی اشرف المخلوقات کو اجازت دے کہ ان کا گوشت تمہارے کارآمد ہے، کھاؤ اور حرے اڑاؤ۔ پر حد سے باہر نہ جاؤ۔ تو فرمائیے کیا گناہ ہے اور کون سی تقصیر؟

گر طمع خواہد زمن سلطان دین خاک برفرق قناعت بعد ازین

گوشت خوری ظلم نہیں بلکہ موجب زیادۃ اطاعت ہے

بلکہ دیکھئے تو یہ احسان باعث زیادتی اطاعت اور موجب ترقی محبت الہی ہوگا۔ جب یہ نعمت ملے گی تو شکر الہی زبان پر جاری ہوگا اور یاد آئے گا کہ ہم اور یہ سب برابر تھے فقط عنایت الہی نے ہمیں اشرف اور انہیں کمتر کر کے ان کو ہمارے کھانے، اور پینے، اور سواری، اور بوجھ اٹھانے کے لئے ہمارا مسخر بنا دیا۔ اگر اُلٹا کر دیتا تو کون اُس کا مانع تھا۔ باقی انسان کا اشرف ہونا ایسا نہیں جو کوئی نہ جانتا ہو۔ ہاں اگر کوئی ہماری بد فطرتی کے لئے اپنی ناک کٹائے اور گنو، بھینس، بکری کو انسان سے افضل کہے۔ تو انسان سے تو کیوں افضل ہوں گے البتہ ایسے جاہل سے گائے بکری چھوڑ گدھا بھی بھی افضل ہے، سو اسیوں سے ہمارا کلام نہیں۔ بندہ انصاف والوں سے کام رکھتا ہے۔

گوشت خوری از روئے طب بھی کثیر المنافع ہے

الحاصل! جب انسان افضل ٹھہرا اور بہ ملاحظہ منافع کثیرہ جو باتفاق اطباء عالم گوشت میں موجود ہیں، گوشت انسان کے بہت کارآمد نکلا۔ اگر خداوند کریم اُس کے کھانے کی اجازت نہ دے تو اُس کو حکیم کون کہے۔

مانع گوشت کی مثال

بلکہ اُس میں اور اُس شخص میں کیا فرق ہو جس کے گھر میں بچے بھوکے مرتے ہوں مگر بایں خیال کہ اگر ان کے ہاتھ میں روٹی دوں گا تو یہ روٹیوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے، کھا کر کھانے کا پاخانہ بنادیں گے، اس ظلم کے خیال میں اُس ظلم کو گوارا رکھے اور بچوں کو روٹی دھری دھرائی سے ترسائے۔ الغرض بہ نظر شفقت اور مالکیت الہی اور افضلیت انسانی کیا بعید ہے کہ گوشت حلال ہو۔

گوشت ہر مذہب میں جائز ہے

اور ظاہر یہی وجہ ہے کہ ہر مذہب و مشرب میں اس کا رواج ہے۔ ہنود میں بھی بہت سی قومیں اوروں کی شریک ہیں بلکہ خود تو خود اپنے معبودوں کے لئے بھی مثل دہی وغیرہ بکروں کا جھٹکا کر کے نذر کرتے ہیں۔ شاید بہت ہی عمدہ سمجھتے ہوں گے جو معبودوں کے لئے تجویز کیا۔

مذہب عالم اور علمہ اقوام ہنود میں بڑی نذر اور بڑا شکر خون ہے اور جو ”شاستر“ کو جانتے ہیں اور ”ہندو پن“ کو جانتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ جس وقت کہ برہمن زادہ تحصیل علم کر کے گھر آتا تھا، گائے قربانی کر کے کچھ کیا کرتے تھے۔ سوا اگر اس بات کو ظلم یا حرام جانتے تو ایسے وقت شکر میں جو اچھے کاموں اور عبادتوں کا وقت ہے ہرگز نہ کرتے بلکہ نام سے بھی بُرا مانتے۔

ہنود پر ایک زبردست الزام

اور اگر بالفرض یہ نقل غلط ہو تو اس سے زیادہ اب ہم آنکھوں سے دیکھتے ہیں ایسے بہت کم ہوں گے کہ چمڑے کی جوتیاں نہیں پہنتے۔ گوشت کھانے میں تو تعظیم بھی تھی، فقط ایک ایذا کے خیال سے جی کھٹکتا تھا۔ جوتیاں بنانے میں فرما پئے کون سی تعظیم ہے؟۔ یہ وہی مثل ہے کہ گائے کو کھائیں مگر گلکلوں سے پرہیز۔ کوئی بہت کہے تو یہ

کہے کہ یہ ہمارے دین کی بات نہیں یونہی ایک رسم پڑ گئی۔
 سو یہ وہ بات ہے کہ عذر گناہ بدتر از گناہ۔ کیونکہ مسلمان اگر ایسے کام کرتے ہیں
 تو بزعم خود خدا کا کہا کرتے ہیں، ہندوؤں کو کس بلانے گھیرا کہ بے وجہ بے سہارے
 اس قدر گنہگار کی اہانت کر کے مسلمانوں کے منہ دکھلانے کے لائق نہیں رہتے۔ سو خیر یہ
 کہانی کہاں تک کہئے۔ اصل مطلب کو کان دھر کر سنئے!

خدا تعالیٰ کی شفقت اور انسان کی افضلیت

حلیت گوشت کی دلیل ہے

جب خدا حکیم شفیق اور انسان افضل المخلوقات ٹھہرا، اور گوشت کا نافع اور لذیذ
 ہونا مقرر ہو چکا، اور اُس کے ساتھ ایک جہان کے جہان کو اول سے اب تک گوشت
 کھانے اور حلال کہنے پر متفق اللفظ سنا، اور دیکھا، اور اُن کے مقابل میں فقط ہنود کو
 جو باعتبار مقدار کے عشر عشر بھی نہ ہوں گے، اور باعتبار عقل اور علم، اور رسوم
 اور عادات اور بلند ہمتی کے ہنسک پاسک بھی نہیں۔ ایک مانع دیکھا تو عقل سلیم
 نے ان سب وجوہ مذکورہ پر نظر کر کے یوں سمجھا کہ گوشت کی حلیت میں تو کچھ شک
 نہیں، پر ایسا بھی نہ ہونا چاہئے کہ ہر دم و ہر لحظہ گائے کے گلے پر طور بے طور چھری
 لئے تیار رہیں اور مثل شیران بیشہ ہر طرح خونخواری ہی سے کام ہو۔

آداب ذبح اور اس کے اسرارِ عقلیہ

ہاں اگر ذبح کرنا منظور ہو تو اول بے نیازی الہی یاد کریں اور اپنے دل میں
 کہیں کہ اگر ہمارے واسطے ذبح کا حکم دے کر دوسروں کے واسطے ہمیں حلال کرتا تو
 ہم اس کی ملک تھے اب جو اس نے ہمارے لئے انہیں حلال بنایا تو چاہئے کہ اسی
 کے نام پر ہم یہ کام کریں اور اُس کی جان سمجھ کر بطور ثار اُس کے لئے قربان کریں۔
 سب جانیں اُس کی ہیں اسی کے ثار ہونی چاہئیں۔

جہاد بالنفس وبالمال اور ذبیحہ اسلامی میں مناسبت

انسان اپنے موقع پر وقت پا کر اُس کی راہ میں سرکٹائیں، مال لٹائیں اور مارے جائیں، اور اپنے پاک پاک اور طیب جانوروں کا اس کے نام پر نثار کریں، اور اُن سے ہاتھ اٹھائیں، پھر ان کے گوشتوں کو خدا کے نام کی برکت اعتقاد کر کے بہت رغبت سے کھائیں، اور ان کھالوں اور ہڈیوں کو استعمال میں لائیں۔

یہ بات ہر چند سر دست اُن لوگوں کی سمجھ میں نہ آئے گی جن کے دلوں میں سالہا سال سے گوشت کی بُرائی جی ہوئی ہے۔ وہ مثل ہے کہ کسی ہندو پیر سال نے وقت تقاضائے اسلام کے مسلمان مجاہد سے کہا تھا کہ میاں ستر برس کا رام جی میں بیٹھا ہوا نکلتے ہی نکلتے نکلے ہے لیکن جو لوگ اپنی خُوار عادت سے الگ ہو کر ان وجود مذکورہ پر نظر غور سے مقولہ ہنود اور اہل اسلام میں محاکمہ کریں گے تو اس کے سوا اور کیا کہیں گے کہ گوشت کا کھانا اگر بوجہ ظلم و تعدی نادرست ہوتا تو قطع نظر وجود مذکورہ کے سواری اور جانوروں پر لادنا، پھاندنا اور اُن کو بخر مقید اور محبوس رکھنا بھی ناروا ہوتا۔

گوشت خوری کا ایک الزامی جواب

تھوڑے بہت کافرق ہے قتل اگر گناہ کبیرہ ہے تو ماننا، پینا، قید رکھنا کچھ ثواب نہیں ہو جاتا۔

اشرف کے لئے ادنیٰ کا استعمال عین فطرت ہے

الغرض ناچار یہی کہنا پڑے گا کہ انسان کو خدا تعالیٰ نے اشرف المخلوقات بنایا ہے اور اشرف کے لئے ادنیٰ کا استعمال میں لانا قاعدہ عام ہے۔

یہی مسلمان کہتے ہیں کہ اشرف المخلوقات کے لئے اُس نے مناسب نامناسب دیکھ کر اجازت کھانے پینے اور استعمال میں لانے کی دی ہے۔ اور رفع شبہ کے لئے ہزار ہا مثالوں سے اس عالم کو بھر دیا۔ اگر اس وجہ سے اسی عالم کو عالم مثال کہئے تو بجا ہے کیوں کہ تمام عالم کے کاروبار اُس کی خدائی کا نمونہ ہیں۔

کاٹ تراش اور توڑنا پھوڑنا ہر جگہ ظلم نہیں

آخر کون نہیں جانتا کہ اچھے مکان کے بنانے کے وقت اینٹوں کو کیسا کیسا پھوڑ گھر گھر کے لگاتے ہیں۔ مکان اور اہل مکان کو اینٹوں سے افضل سمجھا تو یہ ستم اینٹوں پر روا رکھا۔ استنجا کے واسطے کسی نے نہ دیکھا ہوگا کہ اینٹ یا سنگ موسیٰ، یا سنگ مرمر، یا زمرہ، یا لعل کو گھر کے، اور بتل بوٹے ان پر تراش کے تیار کر کے رکھتا ہو۔

الغرض جب یہ قاعدہ ہنود کے نزدیک بھی مسلم ٹھہرا تو پھر کیا وجہ ہے کہ مثل جوتیاں پہننے، اور بحیر سوار ہونے، اور لادنے پھاندنے کے اہل اسلام کے گوشت کھانے میں شریک نہیں ہوتے۔ اور مع ہذا باوجود یکہ بملاحظہ رسوم مذہبی اور اطوار عبادت اور شعار اہل اسلام کے اکثر لوگ اس دین کو پسند کرتے ہیں، ایک ظاہر کی کم فہمی پر اُلٹے اہل اسلام پر اعتراض کرتے ہیں اور شرف اسلام سے محروم رہ جاتے ہیں۔ اگر سمجھ کا فرق تھا تو یہ اس کا جواب ہے اور اگر برادری کا خوف ہے تو خدا خوف کے لئے کچھ برادری سے کم نہیں۔ ہاں اگر اہل اسلام آدمی کا کھانا آدمی کے لئے درست بتاتے اور آدم خوری کراتے تو ہم بھی کہتے کہ ہندو بے چارے سچ کہتے ہیں، یہ عقل میں نہیں آتا کہ خدا کے گھر سے نازیبا حکم آئے۔

گوشت کو بالکل قبول نہ کرنا تکبر اور قلت محبت الہی ہے

بلکہ خدا کے جاہ و جلال اور جمال پر اگر نظر کریں، اور اپنی بندگی اور عاجزی کو دیکھیں، اور پھر تصور کریں کہ اُس نے یہ نعمتیں ہمارے لئے بنائی ہیں، تو قطع نظر اس کے کہ اُن نعمتوں کا قبول نہ کرنا قلت محبت اور کثرت غرور و نخوت پر بمقابلہ خدا تعالیٰ کے دلالت کرتا ہے، اور مضمون بندگی اور فرماں برداری سے بہت بعید ہے، اور قاعدہ عشق و محبت سے کہیں دور، اندیشہ اس کا ہے کہ کہیں مورِ عتاب نہ ہو جائیں۔

مانع گوشت کی سوء فہم پر ایک واضح تمثیل

ہم پوچھتے ہیں کہ اگر کوئی بادشاہ کسی ادنیٰ سے نوکر کو کچھ مٹھائی یا روٹی وغیرہ

عنایت کرے اور فرمائے کہ کھاؤ، اور وہ بایں خیال کہ اگر کھاؤں گا تو یہ بادشاہ کی چیز ہے اس کی ہیئت بگڑ جائے گی، ٹکڑے ٹکڑے اور پارہ پارہ ہو جائے گی، اور پیٹ میں جا کر کچھ کا کچھ بن جائے گی، انکار کرے اور نہ کھائے، اور غنیمت سمجھ کر سرد آنکھوں پر نہ رکھے بلکہ الٹا پھیر دے تو اس بادشاہ کو کیا اچھا معلوم ہوگا؟

الغرض بنظر ان چند کلیات کے جو اس کلام میں ملحوظ ہیں صاف ہویدا ہے کہ گوشت بے شبہ حلال ہے اور اس کا بالکل ترک کر دینا اچھا نہیں۔ اس بات کو جو دیکھا تو اہل اسلام کے مذہب کے بالکل مطابق پایا جاتا ہے۔

مردار اور حرام جانوروں کے ممنوع ہونے کی حکمت

چنانچہ مردار کا نہ کھانا اور بہت سے ایسے جانوروں کا جن میں ناپاکی یا کوئی خوائے بد غالب معلوم ہوتی ہے صاف کہہ دیتے ہیں کہ ان کے مذہب میں اس بات پر لحاظ ہے کہ اگر خدا کا نام نہ لگا ہو اور اس کے لئے جاں نثاری نہ ہوئی ہو تو قطع نظر اس کے کہ خون اس کا مر کر گوشت و پوست میں رل مل گیا اور اپنا سا ناپاک سب کو بنا دیا، اب نعمت نہ رہی بلکہ نقصان کی چیز بن گئی تو وہ بے برکت ہے اور اس میں سے کچھ اپنے معبود و محبوب کی بونہیں آتی۔ اور ایسے ہی اگر کسی روح کو بہ سبب ناپاکی یا کسی اور بُرائی کے، قابل نذر خداوندی کے نہیں جانتے تو اپنے لئے بھی اسے حرام سمجھتے ہیں کیوں کہ اپنا کھانا تو طفیل میں اپنے معبود و محبوب کے سمجھتے ہیں اور بایں ہمہ جو چیز خود ہی بُری ہے وہ دوسرے کو کیا نفع دے گی بلکہ موافق قاعدۂ تاثیر دواء و غذا کے جو اس میں اثر ہے وہی اثر کرے گی پس اس صورت میں گوشت کا نعمت ہونا بھی جو اصل، اور لیم، اور جھہ حلت کی تھی نہ رہی۔

حلت گوشت اُس کے نعمت ہونے پر مبنی ہے

فقط خواہش نفسانی پر نہیں

ورنہ اگر یہ ستم گری فقط بہ تقاضائے خواہش نفسانی ہوتی تو کون مانع تھا کہ سور،

کتنے، ملی وغیرہ کو چھوڑ دیتے۔۔ فقط یہی خیال رہا کہ نہ یہ قابلِ ثناء کرنے خدائے جل شلہ کے ہیں اور نہ کوئی نعمت ہیں۔

ہر جانور کے گوشت میں اُس کے خصائلِ سرایت کئے ہوئے ہیں بلکہ اگر فرض کرو کہ آدمی سُر کھانے لگیں تو جیسی سُر میں بے حیائی ہے کہ اپنے جوڑے سے اگر کسی کو جفتی کرتے دیکھتا ہے تو اور جانوروں کی طرح کچھ اس کو غصہ نہیں آتا۔ اسی طرح سُر خوروں میں بھی یہی پیدا ہوگا اور کسی کو ان میں سے ماں، بہن، جو رو، بیٹی کی غیرت نہ رہے گی، اور جیسے اس کو صبح سے شام تک ناپاکی میں گزر جاتا ہے اور لحظہ کو نہیں گھبراتا، دنیا گندی سے اُن کا دل بھی نہیں گھبرائے گا، اور خدا کی عبادت کا وار ہفتہ میں ایک دن بھی نہ آئے گا۔ کیوں کہ خدا کی عبادت اور یاد، دل پاک سے ہو سکتی ہے۔ ناپاک اس سے گھبراتا ہے۔

کند ہم جنس باہم جنس پرواز

الغرض! جو منصف اور بیدار مغز ہیں وہ ایسے فرق خوب سمجھتے ہیں، اور مجموعہ اہل اسلام کو اور مجموعوں سے نسبت دے کر اوسط نکال لیتے ہیں اور بہ ملاحظہ کثرتِ عبادات جو مسلمانوں میں دیکھتے ہیں، سمجھ جاتے ہیں کہ اوروں کی نسبت اکثر دل پاک ہیں تو مسلمانوں ہی کے ہیں، اور اسی طریقہ سے رفتہ رفتہ ان کی عقل کو یہاں تک رسائی ہو جاتی ہے کہ ظاہرِ اثرِ خوبی احکام کا معلوم ہوتا ہے۔ مثل ہے کہ جیسا بیج ویسے ہی پھل پھول۔

نوٹ: (۱) اب آگے جس قدر بھی مضمون ہے وہ حضرت نانوتوی قدس اللہ سرہ کا نہیں ہے۔ بلکہ بطورِ ضمیمہ کے جامع العلوم والفنون حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ یا اور کسی بزرگ کا اضافہ فرمایا ہوا ہے۔

اس کا علم ایک یادداشت سے ہوا جو حضرت نانوتوی قدس سرہ نے اپنے قلم سے اپنے مملوکہ نسخہ تختہ لمحیہ پر تحریر فرمائی تھی جو محفوظ ہے۔ محمد طیب عفا اللہ عنہ۔

بے دینوں کے خلاف دلیل

یہاں ایک اور بات قابل بیان کرنے کے ہے کہ بیان مذکورہ بالا اُس وقت درست ہو کہ ہنود اور مسلمانوں سے بحث پڑے لیکن یہ تقریر اس وقت کارآمد نہیں کہ کوئی شخص جو کسی دین کا پابند نہیں، گوشت کھانے پر اعتراض کرے کیوں کہ اُس کے سامنے یہ کہنا کہ خداوند کریم نے اپنی مخلوقات میں سے اشرف کو انعام کے استعمال کا حکم دیا ہے، خواہ اُن کو لادنے پھاندنے میں کام لاویں یا گوشت کھانے میں، تو ایسا شخص اس جواب پر قانع نہ ہوگا اس لئے کہ ملحد تو خدائے تعالیٰ کے قائل نہیں ہوتے تو پھر اُس کے حکم کو اُن کے سامنے بیان کرنا بے فائدہ ہے۔

تمام ادیان سے قطع نظر کر کے محض عقل بھی گوشت خوری کی موسید ہے بلکہ اُن کے لئے کوئی عقلی دلیل چاہئے جس میں ان کو بھی مجال دم مارنے کی نہ اس لئے ہم یہاں ایک مختصر دلیل عقلی بھی لکھے دیتے ہیں تاکہ اس قسم کے لوگوں کے لئے کارآمد ہو۔ وہ یہ ہے کہ جہان کے جانداروں میں ایک وضع خلقی پائی جاتی ہے کہ اُس وضع کو امور دنیاوی میں بہت دخل ہے مثلاً گھوڑے کے استعمال کا طور کام دینے اور پشت پر بوجھ لادنے سے ہے، اور بیل کے کام میں لانے کا طور ناتھ ڈالنے اور گردن پر جوار کھنے سے۔ اگر اس کے خلاف کیا جاتا ہے تو جانوروں کی صورت بگڑ جاتی ہے اور یہ محتاج بیان نہیں، جن لوگوں نے دھویوں اور سقوں کے بیل دیکھے ہوں گے وہ خود سمجھ لیں گے۔ اسی طرح ہر ایک کے لادنے کا طور جدا ہے، گھوڑے کو کھڑا ہوا لادتے ہیں اور اونٹ کو بیٹھا ہوا۔ غرض کہ جتنے جانور ہیں اُن کی وضع جبلی کے لحاظ سے ہر ایک قسم میں وہ بات پائی جاتی ہے جو دوسروں میں نہیں۔ اب اگر ہر جاندار کی خوراک پر لحاظ کیا جاتا ہے تو یہ بھی پرند اور چرند میں مختلف وضع کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہے۔ مثلاً پرندوں میں جن کی نوک ترچھی ہے اُن کی خوراک گوشت ہے۔ اور جن کی نوک سیدھی ہے وہ گوشت کے گرد نہیں پھرتے، اور اگر اس قاعدہ سے ایک دو پرند مستثنیٰ

ہوں تو ہمارے مطلب میں نخل نہیں۔ اور چوپایوں میں گوشت خوروں کی یہ عادت رکھی گئی ہے کہ اُن کے دو کیلے اور داڑھیں کچھ گول ہوتی ہیں اور جن کی خوراک گھاس وغیرہ ہے اُن کی داڑھیں چھٹی ہوتی ہیں گو بعض کے نیش مثل کیلوں کے ہوتے ہیں جیسے اُونٹ کے یا گھوڑے کے، مگر داڑھوں کی شکل گائے، بیل اور اُونٹ کی یکساں ہے اور یہ ایسی پہچان ہے کہ اگر چوپایہ سامنے نہ صرف اُس کی داڑھیں پیش کی جائیں تو پہچان سکتے ہیں کہ اس کی خوراک گوشت ہے یا گھاس۔

گوشت خوری انسان کی فطرت ہے

پھر چونکہ آدمی بھی ایک جاندار غیر پرند ہے تو اس کی داڑھوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مثل اُن جانوروں کے ہیں جو گوشت کھاتے ہیں، گھاس کھانے والوں کے نہیں۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ اس کی وضع جبلی گوشت کھانے کو مقتضی ہے اور اس وجہ سے تمام دنیا میں کوئی ملک ایسا نہ پاؤ گے جس کے باشندے بالکل گوشت کے تارک ہوں۔

ذبح کرنے کی فلسفی علت

باقی رہا یہی کہ اہل اسلام ذبح کر کے کیوں کھاتے ہیں اگر وضع جبلی کا لحاظ ہے تو مثل اور جانوروں کے فرق مذبح، اور جھٹکے، اور مردہ کا عبث ہے۔ اس کا جواب عقلی یہ ہے کہ ذبح کیا ہوا جانور لذت زیادہ ہوتا ہے اور یہ امر اُن لوگوں پر مخفی نہیں۔ جو دونوں قسم کے جانور کھاتے ہیں۔ بہت غیر مذہب لوگوں کو دیکھا ہے کہ اپنے کھانے کے لئے جانوروں کو ذبح کر لیتے ہیں اگر اس میں کچھ لذت زیادہ نہ ہوتی تو وہ یہ حرکت کیوں کرتے۔ علاوہ ازیں منصف مزاج بیان کر دیتے ہیں کہ اس صورت خاص سے ذبح ہونے سے لذت زیادہ ہوتی ہے۔ اور جو متعصب یا بے عقل ہیں وہ اپنی وہی گائیں گے اور مرغی کی ایک ٹانگ بتائیں گے۔ سو ہمیں اس باب میں کچھ سینہ زوری کرنی نہیں، جو سمجھے وہ سمجھے، جو اس پر بھی نہ سمجھے، اُسے خدا سمجھے۔ آمین، آمین، آمین۔

والحمد لله رب العالمین والصلوة علی غیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین

وَهُوَ الْعَفْوَ وَالرَّحِيمُ

تحفة المحرمين

از افاضات حامی اساطین الموقدین حامی اساطیر الملحدین حجة الله على الخلائق
کاشف اسرار المعارف والمقالات منظر کمالات السلف الصالحین ابرش علوم الایضیاء
والمرسلین جامع مفید من البرکات قاسم العلوم والخیرات سید مولانا محمد قاسم
انکرا لله برهانته واکف عن علی العالمین بواحد

باضافہ

عنوانات و فہرست مضامین از مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

بانتخاب

محمد اسحاق نانم کرتب خان رحیمہ دیوبند مدرس سہارن پور شاہ گڑھ

مطبوعہ انصاری پریس مل

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

گوشت خوری کی ممانعت پر بڑی سے بڑی دلیل | ہر لوگ گوشت کھانے کو بہت بُرا جانتے ہیں اُنکے پاس بجز اسکے کوئی دلیل نہیں ہے کہ ظاہر میں ذبح کرنا جانوروں کا ظلم معلوم ہوتا ہے اور ظلم ہر مذہب و ملت میں بلکہ ہر کس نامکس کے نزدیک بُرا ہے۔ پس باوجود اسکے نہیں معلوم کہ کھانے والے کیوں ہزاروں جانوں کو تلف کر کے ایک اپنا دل خوش کرتے ہیں اور خدا سے نہیں ڈرتے کہ ایک مخلوق کی مخلوق پر اس قدر جفا کرے اس سے کہ اس کو مار کر کھائے جو انی بضمون کی تہیہ | واقعی یہ دھوکا ایسا ہے کہ ایک دفعہ تو اچھے عقلمند دل کو بھی بچلا دیتا ہے۔ پس ان حضرات کو اگر خدا نے تعالیٰ عقل سلیم اور نظیر انسان عنایت فرمائے تو صاف معلوم ہو جائے کہ اس کو ظلم سمجھنا ایسا ہی جیسے کوئی شخص جس کو سونے اور پتیل اور بلور اور پھٹنگ اور زمر و اور سبز کلاچ کی تمیز نہ ہو اور سونے اور بلور زمر و کی کان پر جائے اور دیکھے کہ ہزار ہا ستار اور جوہری گودیں بھر بھرتے جاتے ہیں پر اپنی بوقریب سے سونے کو پتیل اور بلور کو پھٹنگ اور زمر و کو سبز کلاچ سمجھ کر چھوڑ دے اور اٹھالینے والوں پر اعتراض کرے سو ایسوں ہی کے حق میں کہا ہے ۛ مرا بخیر تو امید نہ میت بدمرسان ۛ مناسب تو یوں تھا کہ یہ بھی اُن کا اتباع کرتا اور جانکاردوں کو طلبگار دیکھ کر اپنی سمجھ کو غلط سمجھتا تو محروم نہ رہتا۔

عالم کی کثرت گوشت خوری کی طرف ہے | دستور عام ہے کہ جس طرف زیادہ مائل ہوتے ہیں اسی طرف عقل کی بات ہوتی ہے۔ پھر تمنا ہے کہ سارا جہان تو ایک طرف ہو۔ یہاں تک کہ ہندوؤں میں سے بھی بہت سی قومیں پھر بھی اہل ہند گوشت کھانے کو ظلم اور کھانے والوں کو ظالم بہت سی اقوام ہند بھی گوشت خور ہیں | سمجھیں اور اپنی دہی مڑنے کی ایک ٹانگ کے جادیں اس سے زیادہ اور کیا ناحق شناسی ہوگی۔

منصف کے نزدیک تو یہی بات بہت ہی پر مزید توضیح کے لئے اتنا اور بیان کیا جاتا ہے۔ ظلم کی حقیقت | کہ ظلم کے معنے نہ فقط ایذا رسانی ہے نہ نہ سانپ اور بچھو اور شیر کا مارنا بھی جو سب کے نزدیک بالاتفاق ہندو ہوں یا مسلمان جائز ہے بلکہ بعض موقع پر واجب یقیناً حرام ہو جاتا۔ بلکہ اس کے معنے یہ ہیں کہ کسی غیر کی چیز کو کسی کام کی نہ ہو اُس کی بے اجازت اپنے تصرف میں نہ لاؤ اپنی چیز کا اختیار ہے جلاؤ یا پھونکو توڑو یا موڑو اسی لئے اگر کوئی کسی کے پٹھے پڑانے

کپڑے کو پھاڑ دے تو ہر کوئی ظلم کہہ کہہ کے جینے سے تنگ کر دیتا ہے۔ اور اگر وقت غم و رست کے کوئی شخص اپنے کشمیری دو شالہ کو بھی بلا کے کھانا پچائے یا دوسرے کو اپنی ملک میں تعین کرنا نظر نہیں | پکانے کو دیدے بلکہ بے ضرورت بھی اگر مصالح کر دے یا کرائے تو کوئی ظلم نہیں کہتا خود کرے یا دوسرے سے کرنے کو کہے۔ سو جب ہم بیچ و شمار و اجارہ و وصیت اور وراثت کے سبب ان اشیاء کو اپنا خیال کرتے ہوں اور ان خیالی باتوں پر آپس میں کیا کیا جھگڑیں ہوں کہ اتنی بڑا باوجودیکہ عقلاً سب انسان سب چیزوں میں برابر نظر آتے ہیں اس صورت میں اگر خداوند کے پیغمبر بھی جس نے ہمیں اور خدا تعالیٰ کو بوجہ ملک کامل تمام کائنات سب چیزوں کو بتایا ہے چنان کو اپنا کہے اور گائے بھینس بکری وغیرہ پر ہر قسم کے تصرف کا حق حاصل ہے کو اپنا کر کے اپنی مشرف المخلوقات کو اجازت دے کہ ان کا گوشت تمہارے کار آمد ہے کھاؤ اور مزے اڑاؤ پر حد سے باہر نہ جاؤ تو فرمائیے کیا گناہ ہے اور کونسی تقصیر

گر طمع خواہد ز من سلطان دیں : خاک بر فرق قناعت بعد ازیں

گوشت خوری ضرر نہیں کہہ | بلکہ دیکھئے تو یہ احسان باعث زیادتی اطاعت اور موجب ترقی محبت الہی موجب زیادہ اطاعت ہے کا ہو گا جب یہ نعمت ملے گی تو شکر الہی زبان پر جاری ہو گا اور یاد آئے گا کہ ہم اویسہ سب برابر تھے فقط عنایت الہی نے ہمیں اشرف اور انجیں کتر کر کے ان کو ہمارے کھانے اور پینے اور سواری اور بوجھ اٹھانے کے لئے ہمارا مسخر بنا دیا اگر اٹا کر دیتا تو کون اس کا مانع تھا باقی انسان کا اشرف ہونا ایسا نہیں جو کوئی نہ جانتا ہو ہاں مگر کوئی ہماری بدشگنی کے لئے اپنی ناک کٹائے اور گو بھینس بکری کو انسان سے افضل کہے تو انسان سے تو کیوں افضل ہو گئے ایسے جاہل سے گائے بکری چھوڑ گدھا بھی افضل سے سو ایسوں سے ہمارا نکلام نہیں۔ بندہ انصاف والوں سے کام رکھتا ہے۔

الجمال جب انسان افضل نہیں اور ملاحظہ منافع کثیرہ جو با تفاق اطباء عالم گوشت گوشت خوری از روئے مصلحت بھی کثیر النفع | میں موجود ہیں گوشت انسان کے بہت کار آمد نکلا اگر خداوند اُس کے کھانے کی اجازت نہ دے تو اس کو جسکیم کون کہے بلکہ اُس میں اور اُس شخص میں کیا فرق ہو جس کے گھر میں بچے بچو کے مرتے ہوں پر بایں خیال مانع گوشت کی مثال | کہ اگر ان کے ہاتھ میں روٹی دوں گا تو یہ روٹیوں کے ٹکڑے کر دیں گے کھا کر کھانے کا پانا خانہ بنا دیں گے۔ اس ظلم کے خیال میں اُس ظلم کو گوارا رکھے اور چوکور دلی دھڑکی ہڑا دوترمائے۔ ان غرض بنظر شفقت اور سادگی الہی اور افضلیت انسانی کیا بعید ہے کہ گوشت حلال ہو۔

گوشت ہند میں جائز ہے

اور ظاہر اسی وجہ سے کہ ہند میں شرب میں اس

کار و اج ہے ہند میں بھی بہت سی قومیں اوروں کی شریک ہیں بلکہ خود تو خود اپنے معبودوں کے لئے بھی مثل دیوی وغیرہ بکروں کا جھٹکا کر کے نذر گزارتے ہیں شاید مذاہب عالم اور معاد اقسام بہت ہی عمدہ سمجھتے ہوں مگر جو معبودوں کے لئے تجویز کیا اور جو شائستہ

ہندو میں بڑی نذر اور بڑا سے واقع ہیں اور بید پران کو جانتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ جس وقت کہ برہمن زادہ تحصیل علم کر کے گھر آتا تھا گنو کی قربانی کر کے کچھ کیا کرتے تھے

شکر خون ہے

سنا اگر اس بات کو ظلم یا حرام جانتے تو ایسے وقت شکر میں جو اچھی کاموں اور عبادتوں کا وقت ہے ہرگز نہ کہتے بلکہ نام بھی بُرا مانتے۔ اور اگر بالفرض یہ نقل غلط ہو تو اس سے زیادہ اب ہم آنکھوں سے دیکھتے ہیں یہ بہت کم ہونگا ہندو پر ایک کہ چمڑے کی جوتیاں نہیں پہنتے گوشت کھانے میں تو تعظیم بھی تمس فقط ایک ایند کے زبردست لازم خیال سے جی کھٹکتا تھا جوتیاں بنانے میں فرمائے کوئی تعظیم ہے یہ وہی مثل ہے

کہ گڑ کھائیں پر گمل گلوں کا پر ہنیر کوئی بہت کہے تو یہ کہے کہ یہ ہمارے دین کی بات نہیں یونہی ایک رسم پڑ گئی ہے سو یہ وہی بات ہے کہ عذر گناہ بدتر از گناہ کی دیکھ مسلمان اگر ایسے کام کرتے ہیں تو بزعم خود خدا کا کہا کرتے ہیں ہندوؤں کو کس بلے نے گھیرا کہ بے وجہ سے ہمارے اس قدر گنو کی ہانت کر کے مسلمانوں کے منہ دکھانے کے لائق نہیں ہو سو فیہ کہانی کہا نیک گئے اصل مطلب کو کان دھر کر سستے

خدا تعالیٰ کی شفقت اور

جب خدا حکیم شفیق اور انسان افضل المخلوقات ٹھیرا اور گوشت کا نافع اولاد ہو ناما مقرر ہو چکا اور اس کے ساتھ ایک جہان کے جان کو اول سے ایک گوشت کھانے اور حلال کہنے پر متفق اللفظ سنا

انسان کی اقلیت حلت گوشت کی لم ہے

اور دیکھا اور ان کے مقابل میں فقط ہندو کو جو باعتبار مقدار کے عشر عشر بھی نہ ہوں گے اور ماضین معتزین اپنے علم ذہن عقل باعتبار عقل اور علم اور رسوم اور عادات اور بلند ہستی کے ہنگام سنگ و تعداد میں موافقین کے عشر عشر بھی نہیں بھی نہیں ایک مانع دیکھا تو عقل سلیم نے ان سب وجوہ مذکورہ بنظر

کہنے کے یوں سمجھا کہ گوشت کی حلت میں تو کچھ شک نہیں پر ایسا بھی نہ چاہئے کہ ہر دم دہر لفظ گائے کے گلے پر طور بے طور چھری لئے تیار رہیں اور مثل شیران بیشہ ہر طرح خود بخوار ہی سے کام ہو۔

آداب ذبح لہذا اس کے ہاں اگر ذبح کرنا منظور ہو تو اول بے نیازی اُپنی یاد کریں اور اپنے دل میں کہیں کہ اگر ہمارے واسطے ذبح کا حکم دے کر دوسروں کے واسطے ہیں حلال کرتا تو ہم اس کی پاک تھے اب جو اس نے ہمارے لئے انھیں حلال دینا تو

اسلام عقلی

کے واسطے ہیں حلال کرتا تو ہم اس کی پاک تھے اب جو اس نے ہمارے لئے انھیں حلال دینا تو

کل کائنات خدا تعالیٰ کی ہے اس لئے اُس کے نام پر نثار ہونی چاہئے۔

چاہئے کہ اُس کے نام پر ہم یہ کام کریں اور اُس کی جان سمجھ کر بطور نثار اُس کے لئے قربان کریں۔ سب جانیں اُس کی ہیں اسی کے نثار ہونی چاہئیں انسان اپنے موقع پر وقت پاکر اُس کی راہ میں سرگٹائیں مال لٹائیں اور مارے جائیں اور اپنے پاک پاک اور طیب جانوروں کو اُس کے جہاد بانفس وباللہ اندیزہ نام پر نثار کریں اور ان سے ہاتھ اٹھائیں پھر ان کے گوشتوں کو خدا اسدی میں مناسبت کے نام کی برکت اعتقاد کر کے بہت رغبت سے کھائیں اور ان کی کھال اور ہڈیوں کو استعمال میں لائیں۔

یہ بات ہر چند سر دست اُن لوگوں کی سمجھ میں نہ آئے گی جن کے دلوں میں ساہا سار گوشت کی بُرائی جمی ہوئی ہے وہ مثل ہے کہ کسی ہندو پیراں نے وقت تقاضائے اسلام کے مسلمان جلد سے کہا تھا کہ میاں شتر برس کارام جی میں بیٹھا ہوا بھکتے ہی بھکتے کھلے ہے لیکن جو لوگ اپنی خواہر عادت سے الگ ہو کر ان دعوہ مذکورہ پر نظر غور سے متولہ ہندو اور اہل اسلام میں لپکا کر گئے تو اس کے سوا اور کیا کہیں گے کہ گوشت کا کھانا اگر بوجہ ظلم و تعدی نادرست ہوتا تو قطع نظر جوہر مذکورہ کے سوار سی اور جانوروں پر لادنا پھاندنا اور ان کو بکھر ستقید اور محبوس رکھنا بھی نادرست ہوتا گوشت خدای کا ایک حصہ ہے جب اسے نہ کھنڈ کر خورق و قتل اگر گناہ کبیرہ ہو تو یاد نابینا قید رکھنا کہ خوب نہیں ہوتا

الغرض ناچار یہی کہنا پڑے گا کہ انسان کو خدا تعالیٰ نے اشرف المخلوقات بنایا ہوا اور اشرف کیلئے دوق کا استعمال اشرف کیلئے اہل کائنات میں دانا قاعدہ عام ہے یہی مسلمان کہتے ہیں کہ اشرف المخلوقات کیلئے اس نے مناسب نامناسب دیکھ کر اجازت کھانے پینے میں مقرر ہے

اور استعمال میں لانے کی دی ہے اور نہ عیش کیلئے ہزار ہا مثالیں اس عالم کو بھر دیا اگر سوجہ و اسی عالم کو عالم مثال کہئے تو بجائے کہ تمام عالم کے کادبائیں کی خلیا کا نمونہ ہیں آخر کون نہیں جانتا کہ لچھے مکان کو کاٹ تراش اور توڑنا ہوشیار بنانے کے وقت اینٹوں کو کیسیکس تھوڑے پھوڑے گھر گھر کے لگاتے ہیں مکان ہر جگہ ظلم نہیں اور اہل مکان کو اینٹوں سے افضل سمجھا تو یہ ستم اینٹوں پر بھار کھا استغی کے واسطے کسی نے نہ دیکھا ہو گا کہ اینٹ یا سبب سوسنی یا سبب مرمر یا مرمر دیا یا قوت یا صل کو گھر کے اور بل بوتے ان پر تراش کے تیار کر کے رکھتا ہو۔

الغرض جب قاعدہ ہندو کے نزدیک بھی مسلم خیر تو پھر کہا وجہ ہے کہ مثل جوتیاں پہنے اور بکھر سوار ہونے اور لادنے پھاندنے کی اہل اسلام کے گوشت کھانے میں شریک نہیں ہونے اور

مع بنابا وجودیکہ بملاحظہ رسوم مذہبی اور اطوار عبادات اور شعار بزرگان اہل اسلام کے اکثر لوگ اس دین کو پسند کرتے ہیں ایک ظاہر کی کم نہیں پرائے اہل اسلام پر اعتراض کرتے ہیں اور شریعت ہندو کا اعتراض کسی دلیل پر مبنی اسلام سے محروم رہ جاتے ہیں۔ اگر سمجھ کا فرق تھا تو یہ اس کا نہیں بلکہ کم نہیں یا اعتنا دہر

برادری سے کم نہیں۔ ہاں اگر اہل اسلام آدمی کا کھانا آدمی کے لئے درست بتاتے اور آدم خوری کراتے تو ہم بھی کہتے کہ ہندو بیچارے سچ کہتے ہیں یہ عقل میں نہیں آتا کہ خدا کے گھر سے ایسا گوشت کو باطل قبول نہ کرنا سخت نازیبا حکم آئے۔ بلکہ خدا کے جاہ جلال اور جلال پر اگر نظر اہ قلبت محبت الہی ہے کریں یا اور اپنی بندگی اور عاجزی کو دیکھیں اور پھر تصور کریں

کہ اُس نے یہ نعمتیں ہمارے لئے بنائی ہیں تو قطع نظر اس کے کہ ان نعمتوں کا قبول نہ کرنا قلت محبت اور کثرت غرور و نخوت پر بمقابلہ خدا تعالیٰ کے دلالت کرتا ہے اور مضمون بندگی اور فرمانبرداری سے بہت بعید ہے اور قاعدہ عشق اور محبت سے کہیں دور۔ اندیشہ اس کا ہے کہ کہیں ہر عتاب نہ پہنچائیں۔ ہم یہ سوچتے ہیں کہ اگر کوئی بادشاہ کسی ادنیٰ سے نوکر کو کچھ مٹھائی یا روٹی مانع گوشت کی سونہم پر وغیرہ عنایت کرے اور فرمائے کہ کھاؤ اور وہ بایں خیال کہ اگر کھاؤں گا تو ایک واقعہ تشیل یہ بادشاہ کی چیز ہے اس کی ہریت بگڑ جائے گی ٹکڑے ٹکڑے اور پار پار ہو کر خراب ہو جائے گی اور پیٹ میں جا کر کچی کا کچھ بن جائے گا اٹھار کرے اور نہ کھائے اور غنیمت سمجھ کر سرور آنکھوں پر نہ دھرے بلکہ اٹا پھیر دے تو اس بادشاہ کو کیا اچھا معلوم ہو گا۔

الغرض بنظر ان چند کلیات کے جو اس کلام میں ملحوظ ہیں صاف ہوتا ہے کہ گوشت بے شہ حلال ہے اور اس کا بالکل ترک کر دینا اچھا نہیں۔ اس بات کو جو دیکھا تو اہل اسلام کے مذہب کے بالکل مطابق پایا جاتا ہے۔ چنانچہ مردار کا نہ کھانا اور بہت سے ایسے جانور و کائنات میں مردار و حرام جاندار کے ناپاک یا کوئی خوف بد غالب معلوم ہوتی ہے صاف کہہ دیتی ہے کہ ان ممنوع ہونے کی حکمت کے مذہب میں اس بات پر لحاظ ہے کہ اگر خدا کا نام نہ لگا ہو اور

حلال جانور کے گوشت کا نعمت ہونا اس کے لئے جان نشاری نہ ہوئی ہو تو قطع نظر اس کے کہ خون اس کا خدا کے نام لگنے پر موقوف ہے مگر گوشت دوست میں دل مل گیا اور اپنا سنا پاک سب کو بنلویا۔ اب نعمت نہ رہی بلکہ نقصان کی چیز بن گئی تو وہ بے برکت ہے اور اس میں سے کچھ اپنے معبود محبوب کی کو نہیں آتی۔

اور کسی اگر کسی روٹ کو سبب ناپاک یا کسی اور بُرائی کے قابل نذر نہ کرے۔ مگر گئے کے وقت نہیں اسے
 خداوندی کے نہیں جانتے تو اپنے لئے بھی اُسے حرام
 کہتے ہیں۔ کیونکہ اپنا کھانا تو غنیمت میں اپنے عبود و محبوب
 ہر کو۔ نہیں کے کہتے ہیں اور باہر جو چیز خود بُری ہے وہ دوسرے کو کیا نفع دے گی
 من نہ ہے۔ کہہ توفیق قاعدہ تاثیر دار و غذا کے جو اس میں اثر ہے وہی اثر کرے گی
 پس اس صورت میں گوشت کا نعمت ہونا بھی جو حاصل اور لم اور وجہ حلت کی بھی نہ رہی
 احت گوشت سر کے مت ہونے پر اور نہ اگر پیسٹنگری فقط بقا ضائے خواہش نفسانی ہوتی تو
 یہ ہے نہ فقط خواہش نفسانی پر کون مانع تھا کہ سور کئے بنی وغیرہ کو چھوڑ دیتے فقط یہی
 خیال رہا کہ نہ یہ قابل مشار کرنے خدا نے جل شانہ کے ہیں اور نہ کوئی نعمت
 ہیں۔ بلکہ اگر نفس ضعیف کر دکھ آدمی سور کھانے لگیں تو جیسی سور میں بے حیائی ہے کہ اپنے
 ہر جانور کے گوشت میں اس کے جوڑے سے اگر کسی کو جنتی کرتے دیکھتا ہے تو اور جانوروں کی طرح کچھ
 خاص مزیت کئے ہوئے ہیں اس کو غصہ نہیں آتا اسی طرح سور خوروں میں بھی یہی پیدا ہو گا اور
 کسی کو ہن میں سے ماں بہن جو رو جیٹی کی غیرت نہ رہے گی اور جیسے اس کو صبح سے شام
 تک نپاکی میں گزارتا ہے اور لحظہ کو نہیں گھبرا تا دنیا گندی سے اُن کا دل بھی نہیں گھبرائے گا
 مہلت طہارت حلالہ طہارت اور خدا کی عبادت کا دار ہفتہ میں ایک دن بھی نہ آئے گا۔ کیونکہ
 مل طہارت مذہب برحق ہے خدا کی عبادت اور یاد دل پاک سے ہو سکتی ہے ناپاک اُس سے
 گھبراتا ہے۔ گندہ بھنس با بھنس پر راز۔

انہی میں جو منفعت اور بیدار مغز ہیں وہ ایسے فرق خوب سمجھتے ہیں اور مجموعہ
 ان سہم کو اور مجموعہ سے نسبت دے کر اوسط نکال لیتے ہیں اور بلا لحاظ کثرت عبادت
 جو مسلمانوں میں دیکھتے ہیں سمجھ جاتے ہیں کہ اوروں کی نسبت اکثر دل پاک ہیں تو مسلمانوں
 ہی کے ہیں اور اسی طریقہ سے رفتہ رفتہ ان کی عقل کو یہاں تک رسائی ہو جاتی ہے کہ ظاہر اور
 نتائج و ثمرات کی غول شدہ غول احکام کا معلوم ہوتا ہے۔ مثل ہے کہ جیسا بیج دینے
 احکام کی غول برکت ہے ہی نہیں پھول۔

یہاں ایک اور بات قابل بیان کرنے کے ہے کہ بیان مذکورہ بالا اُس وقت درست ہو کہ

یہاں سے آئندہ جس قدر بھی مضمون ہے، اخذ نہ فرمائیے کہ اس سے مراد نہیں ہے۔ بلکہ اور ضمیمہ کے جامع احکام

و مضمون الفنون سمکرت مولا محمد اقبال صاحب رحمت اللہ علیہ باور کسی بزرگ کا اضافہ فرمایا ہوا ہے احکام علم ایک یادداشت
 سے جم اور حضرت مولانا قوی نے اس سے اپنے مابین تھنہ محمد لے رہے۔ ذرا اور حوالہ دے۔ محمد۔ حضرت۔

ہندو اور مسلمانوں سے بحث پر اسے لیکن یہ تشریح اس وقت کارآمد نہیں کہ کوئی شخص جو کسی دین کا پابند نہیں گوشت کھانے پر آمین کرے کیونکہ اس کے سامنے یہ کب کا خداوند کریم نے اپنی مخلوقات میں سے شہرین کو انعام کے استعمال کا حکم دیا ہے خواہ ان کو لادنے بچاندنے میں کام میں لادیں یا گوشت کھانے میں تو ایسا شخص اس جواب پر قائل نہ گا اس لئے کہ عقیدہ تو خود خدا نے تعالیٰ کے قائل نہیں ہوتے تو پھر اس کے حکم کو ان کے سامنے بیان کرنا تمام ادیان سے قطع نظر کے بے فائدہ ہے بلکہ ان کے لئے دلی عقلی دلیل چاہئے جس میں محض عقل بھی گوشت خوری کی ان کو بھی مجال دم مارنے کی نہ ہو اس لئے ہم یہاں ایک مختصر مؤید ہے

کارآمد ہو۔ وہ یہ ہے کہ جہان کے جانداروں میں ایک وضع خلقی پائی جاتی ہے کہ گوشت خوری پر اک اس نفع کو اسور دنیاوی میں بہت دخل ہے مثلاً گھوڑے کو استعمال فلسفیانہ استدلال کا طور پر کام دینے اور پشت پر بوجھ لادنے سے ہے۔ اور سیل کے کام میں لانے کا طور ناقص ڈالنے اور گردن پر بوجھ رکھنے سے۔ اگر اس کے خلاف کیا جاتا ہے تو جانوروں کی صورت بگڑ جاتی ہے۔ اور یہ محتاج بیان نہیں جن لوگوں نے دھویوں اور ستوں کے سیل دیکھے ہوں گے وہ خود سمجھ لیں گے۔ اسی طرح ہر ایک کے لادنے کا طور جدا ہے۔ گھوڑے کو کھڑا ہوا لادتے ہیں اور اونٹ کو بیٹھا ہوا فرض کرتے جانور ہیں ان کی وضع جبل کے لحاظ سے ہر ایک قسم میں وہ بات پائی جاتی ہے جو دوسرے میں نہیں۔ اب ہر جاندار کی خوراک پر لحاظ کیا جاتا ہے تو خلقی وضع کو قضا یہ بھی پرند اور چہرہ میں مختلف وضع کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہے۔ مثلاً پرندوں میں جن کی نوک تیز چھٹی ہے ان کی خوراک گوشت ہے اور جن کی نوک سیدھی ہے وہ گوشت کے گرد نہیں پھرتے اور اگر اس قاعدہ سے ایک دو پرند مستثنیٰ ہوں تو وہ ہمارے مطلب میں مشل نہیں۔ اور جو پابوں میں گوشت خوروں کی یہ وضع رکھی گئی ہے کہ ان کے دو کیلے اور ڈاڑھیں کچھ گول ہوتی ہیں اور جن کی خوراک گھاس وغیرہ ہے ان کی ڈاڑھیں چھٹی ہوتی ہیں۔ گو بعضوں کے بیش مثل کیلوں کے ہوتے ہیں جیسے اونٹ کے یا گھوڑے کے مگر ڈاڑھوں کی شکل گائے کی یا بیل اور اونٹ کی بچساں ہے اور یہ ایسی ہی ہے کہ اگر جو پایہ سامنے نہ ہو صرف اس کی ڈاڑھیں پیش کی جائیں تو پہچان سکتے ہیں کہ اس کی خوراک گوشت ہے یا گھاس۔

گشتہ ہی منان کی غلطی ہے | پھر چونکہ آدمی بھی ایک جاندار غیر پرندہ ہے تو اسکی ڈاڑھوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مثل اُن جانوروں کے ہیں جو گوشت کھاتے ہیں۔ لہذا کھانے والوں کے سے نہیں اس سے صاف معلوم ہوا کہ اس کی وضع جلی گوشت کھانے کو مقتضی ہے۔ اور کسی وجہ سے تمام دنیا میں کوئی ملک ایسا نہ پاؤ گے جس کے باشندے بالکل گوشت کھاتے ہوں۔ اور کھانا خوردہ | باقی رہا یہ کہ اہل اسلام ذبح کر کے کیوں کھاتے ہیں اگر وضع جلی کا لحاظ ہو تو سے خلونیس | مثل اور جانوروں کے فرق مذبح اور جھٹکے اور مردہ کا عبث ہوا اسکا جواب عقلی ذبح کرنے کا خصوصیت ہے کہ ذبح کیا ہوا جانور لذت زیادہ ہوتا ہے اور یہ امر ان لوگوں پر معنی نہیں جو جو کھانے کے بعد کھاتے ہیں بہت غیر مذہب کے لوگوں کو دیکھا کہ اپنے کھانے کیلئے جانور کو ذبح کر لیتے ہیں اگر کسی کو لذت زیادہ نہ پہنچتی تو وہ یہ حرکت کیوں کرتے علاوہ ازیں منصف مزاج یہاں بھی کر دیتے ہیں کہ اس میں خاص غیر خود کو لذت دینا کا مضمون ہے | ذبح ہونے سے لذت زیادہ ہوتی ہے اور جو متعصب یا بدعتی ہیں وہ اپنی دہری گائیں گے اور مرضی کی ایک ٹانگ بتائیں گے سو میں اس باب میں کچھ سینہ زداری کرنی نہیں جو مجھے وہ سمجھے جو اس پر بھی نہ سمجھے اُسے خدا سمجھے آمین آمین آمین۔

والحمد لله رب العالمین والصلوٰۃ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

فہرست مضامین رسالہ تحفہ لکھنوی

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱	پہلا کھانا بھیل حق خالی ہے۔	۲	آداب ذبح ادا کیے سرو مشکی	۱	گشتہ کی صفت پہلے پہل کی
۲	مذبح گوشت اس کے تحت پہننے	۳	گوشت کی صفات ادا کیے ادا کیے	۲	جوئی صفت کی تہ
۳	پرہیز ہے ذبح خواہش خالی ہے۔	۴	پرہیز پہلے ہے۔	۳	چھ لڑت گوشت خور کی لذت ہے
۴	پہلا گوشت ہی کو خواہش پہلے پہل ہے۔	۵	پہلا گوشت بالکل مذہبی ہے	۴	بہت کھانا نہیں کھاتا گوشت نہیں
۵	مذبح ہلاکت خالی پرہیز پہلے پہل	۶	گوشت خوری کا لکھ کر پہل ہے۔	۵	نہی صفت
۶	مذبح ہلاکت خالی پرہیز پہلے پہل	۷	اشرف کھانے ادا کا استعمال میں غلط ہے	۶	ایک کھانے خور کی عدم ہے
۷	مذبح ہلاکت خالی پرہیز پہلے پہل	۸	گوشت تراش اور ذبح پہلے پہل ہے	۷	مذبح کو دیکھنے کا نام کائنات
۸	مذبح ہلاکت خالی پرہیز پہلے پہل	۹	ہو کھانا خور کی کھانا نہیں کھاتا	۸	پرہیز کھانا کھانا ہے
۹	مذبح ہلاکت خالی پرہیز پہلے پہل	۱۰	گوشت کی کھانا نہیں کھاتا	۹	گوشت خور کی کھانا نہیں کھاتا
۱۰	مذبح ہلاکت خالی پرہیز پہلے پہل	۱۱	گوشت کی کھانا نہیں کھاتا	۱۰	گوشت خور کی کھانا نہیں کھاتا
۱۱	مذبح ہلاکت خالی پرہیز پہلے پہل	۱۲	گوشت کی کھانا نہیں کھاتا	۱۱	گوشت خور کی کھانا نہیں کھاتا
۱۲	مذبح ہلاکت خالی پرہیز پہلے پہل	۱۳	گوشت کی کھانا نہیں کھاتا	۱۲	گوشت خور کی کھانا نہیں کھاتا
۱۳	مذبح ہلاکت خالی پرہیز پہلے پہل	۱۴	گوشت کی کھانا نہیں کھاتا	۱۳	گوشت خور کی کھانا نہیں کھاتا
۱۴	مذبح ہلاکت خالی پرہیز پہلے پہل	۱۵	گوشت کی کھانا نہیں کھاتا	۱۴	گوشت خور کی کھانا نہیں کھاتا
۱۵	مذبح ہلاکت خالی پرہیز پہلے پہل	۱۶	گوشت کی کھانا نہیں کھاتا	۱۵	گوشت خور کی کھانا نہیں کھاتا
۱۶	مذبح ہلاکت خالی پرہیز پہلے پہل	۱۷	گوشت کی کھانا نہیں کھاتا	۱۶	گوشت خور کی کھانا نہیں کھاتا
۱۷	مذبح ہلاکت خالی پرہیز پہلے پہل	۱۸	گوشت کی کھانا نہیں کھاتا	۱۷	گوشت خور کی کھانا نہیں کھاتا
۱۸	مذبح ہلاکت خالی پرہیز پہلے پہل	۱۹	گوشت کی کھانا نہیں کھاتا	۱۸	گوشت خور کی کھانا نہیں کھاتا
۱۹	مذبح ہلاکت خالی پرہیز پہلے پہل	۲۰	گوشت کی کھانا نہیں کھاتا	۱۹	گوشت خور کی کھانا نہیں کھاتا
۲۰	مذبح ہلاکت خالی پرہیز پہلے پہل	۲۱	گوشت کی کھانا نہیں کھاتا	۲۰	گوشت خور کی کھانا نہیں کھاتا

گوشت خوری جائز یا ناجائز؟ (معروف بہ ”تحفہ الحمیہ“)

-تالیف

حجة الاسلام قاسم العلوم والخیرات
مولانا محمد قاسم صدیقی نانوتوی قدس اللہ اسرارہ

دار البصائر. بہاولپور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تبشیر

نبیت عی ذوق و رغبت کے ساتھ بار بار یہ خیال اکابر و اصاغر کی زبانوں پر آتا رہا ہے کہ حضرت قطب وقت آیۃ من آیات اللہ مولانا محمد قاسم الخیرات قدس سرہ کی تصانیف جملہ جس طرح اپنے معنوی حسن و خوبی کے سبب بے نظیر ہیں، کاش اسی طرح و ظاہری زیب و زینت، حسن طبع، خوبی کاغذ اور نزاکت قلم میں بھی اپنی نظیر خود ہو جائیں۔ اس خیالی حرکت نے اپنے انتہائی مراحل طے کر لئے اور وہ بجائے خیالی کے ایک وجودی چیز بن گئی۔

مؤتمر الانصار کی جمعیت نے حضرت مرشدی و استاذی شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہ کی سرپرستی میں ”حجت الاسلام“ سے اس پاکیزہ سلسلہ کا آغاز کیا، جس سے کفش برادران قاسمی و ولد ادگان اسرار علمی کی اشک شوقی ہو گئی لیکن زمانہ کی نامساعدت نے اس مبارک سلسلہ میں ایک طویل و عریض فترت حائل کر دی اور بجائے واقعہ کہ پھر یہ سلسلہ خیالی رہ گیا۔ مگر کچھ عرصہ بعد قدیم عزائم و آراء شوق و رغبت کی مدد سے پھر ابھرنے لگا اور تمناؤں کا اظہار شروع ہوا۔ اس احقر نے بحول اللہ و قوت اس مبارک سلسلہ کی تکمیل کا ایسی انداز پر ارادہ کیا ہے جس طرح وہ حضرت استاذی و مرشدی قدس سرہ کے عہد حیات میں شروع ہوا تھا۔

صد شکر جس مبارک سلسلہ کا پہلا نمبر قبل ازیں ”حجۃ الاسلام“ کی صورت میں نور افزائے نظر ہوا تھا، اُسی سلسلہ کا دوسرا نمبر ”تحفہ لمحیہ“ کے لباس میں آج آپ کے سامنے آرہا ہے۔ تصحیح، حسن طبع اور موزونیت تقطیع کا کامل لحاظ کیا گیا ہے۔ بسیط مضامین کے سہل الوصول بنانے اور با آسانی متفرق مضامین کو تلاش کرنے کیلئے عنوانی نشانات اضافہ کر دیئے گئے ہیں اور یہی وہ طرز ہے کہ جس پر کل تصانیف (ان شاء اللہ) آپ کے سامنے آئیں گی۔

یہ صحیح کہ اتنا دقت خیز اور مشکل سلسلہ کسی موقع، شاندار اور مشہور قلم سے حد تکمیل کو نہیں پہنچ رہا تاہم اگر ایک غیر مشہور اور کم مایہ ہاتھ سے ایک چیز پردہ عدم سے چہرہ نکال سکتی ہے اور کم از کم خیالی وجود سے واقعی وجود کا لباس پہن سکتی ہے تو ایسے دست و قلم کی یہ حرکت یقیناً اس کی کم مائیگی اور بے بضاعتی کے لئے کافی تدارک ہے۔

وماتوفیق الا باللہ

(حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری) محمد طیب عفا اللہ عنہ

(سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گوشت خوری کی ممانعت پر بڑی سے بڑی دلیل

جو گوشت کھانے کو بہت بُرا جانتے ہیں اُن کے پاس بجز اس کے کوئی دلیل نہیں ہے کہ ظاہر میں ذبح کرنا جانوروں کا، ظلم معلوم ہوتا ہے اور ظلم ہر مذہب و ملت میں جہدِ برکس و تباہی کے نزدیک بُرا ہے۔ پس باوجود اس کے نہیں معلوم کہ کھانے والے کیوں ہزاروں جانوں کو تلف کر کے ایک اپنا دل خوش کرتے ہیں اور خدا سے نہیں ڈرتے کہ ایک مخلوق کی مخلوق پر اس قدر جفا کہ اُس سے زیادہ کیا ہو سکتی ہے کرتے ہیں۔

جوابی مضمون کی تمہید

واقعی یہ دھوکہ ایسا ہے کہ ایک دفعہ تو اچھے عقلمندوں کو بھی بھلا دیتا ہے۔ پس ان حضرات کو اگر خدائے تعالیٰ عقل سلیم اور نظر انصاف عنایت فرمائے تو صاف معلوم ہو جائے کہ اس کو ظلم سمجھنا ایسا ہے جیسے کوئی شخص جس کو سونے اور پیتل، اور بلور اور پھٹک، اور زمرہ اور سبز کانچ کی تمیز نہ ہو اور سونے اور بلور، زمرہ کی دکان پر جائے اور دیکھے کہ ہزار ہائے زمرہ اور جوہری گودیں بھر بھر لئے جاتے ہیں پر اپنی بے تمیزی سے سونے کو پیتل، اور بلور کو پھٹک، اور زمرہ کو سبز کانچ سمجھ کر چھوڑ دے، اور

اُٹھانے والوں پر اعتراض کرے۔ سوائسوں ہی کے حق میں کہا ہے:

۔ مرا بخیر تو امید نیست بدمرساں

مناسب تو یوں تھا کہ یہ بھی اُن کا اتباع کرتا اور جانکاروں کو طلبگار دیکھ کر اپنی سمجھ کو غلط سمجھتا تو محروم نہ رہتا۔

عالم کی کثرت گوشت خوری کی طرف ہے

اور بہت سی اقوام ہنود بھی گوشت خور ہیں

دستورِ عام ہے کہ جس طرف زیادہ عاقل ہوتے ہیں اُسی طرف عقل کی بات ہوتی ہے۔ پھر تماشا ہے کہ سارا جہان تو ایک طرف ہو یہاں تک کہ ہندوؤں میں سے بھی بہت سی قومیں۔ پھر بھی اہل ہنود گوشت کھانے کو ظلم اور کھانے والوں کو ظالم سمجھیں، اور اپنی وہی مرغی کی ایک ٹانگ کہے جاویں۔ اس سے زیادہ اور کیا ناحق شناسی ہوگی؟

منصف کے نزدیک تو یہی بات بہت ہے۔ ہر مزید توضیح کے لئے اتنا اور بیان کیا جاتا ہے۔

ظلم کی حقیقت

کہ ظلم کے معنی نہ فقط ایذا رسانی ہے ورنہ سانپ، اور بچھو، اور شیر کا مارنا بھی

جو سب کے نزدیک بالاتفاق ہندو ہوں یا مسلمان جائز ہے بلکہ بعض موقع پر واجب
یقیناً حرام سوجہ ہے۔ جسے اس کے معنی یہ ہیں کہ کسی غیر کی چیز کو، کو کسی کام کی نہ ہو اس
زبان سے اجازت اپنے تصرف میں نہ لاؤ۔

اپنی ملک میں تصرف کرنا ظلم نہیں

پتی چیز کا اختیار ہے۔ جلاؤ یا پھونکو، توڑ دیا موڑ دے۔ اسی لئے اگر کوئی کسی کے پھٹے
پرنے کپڑے کو چڑے تو ہر کوئی ظلم کہہ کہہ کے جینے سے تنگ کر دیتا ہے
۔ اور اگر وقت ضرورت کے کوئی شخص اپنے کشمیری دوشالہ کو بھی جلا کے کھانا پکالے
یہ دوسرے کو پکانے کو دیدے بلکہ بے ضرورت بھی اگر ضائع کر دے یا کرادے تو کوئی
تقصیر نہیں کہتا، خود کرے یا دوسرے سے کرنے کو کہے۔

سو جیسے ہم بیع و شراء، و اجارہ و وصیت، اور وراثت کے سبب ان اشیاء کو اپنا خیال
کرتے ہوں اور ان خیالی باتوں پر آپس میں کیا کیا تجھیں ہوں کہ الہی
پتہ و اباد وجود یکہ غلطاً سب انسان سب چیزوں میں برابر نظر آتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کو بوجہ مالکیت کاملہ تمام

کائنات پر ہر قسم کے تصرف کا حق حاصل ہے

اس صورت میں اگر خداوند کریم بھی جس نے ہمیں اور سب چیزوں کو بنایا ہے

جہان کو اپنا کہے اور گائے بھینس بکری وغیرہ کو اپنا کرنے اپنی اشرف المخلوقات کو اجازت دے کہ ان کا گوشت تمہارے کارآمد ہے، کھانا، دوا، اجڑاؤ۔ پردہ سے باہر نہ جاؤ۔ تو فرمائیے کیا گناہ ہے اور کون سی تقصیر؟

گر طمع خواہد ز من سلطان دین

خاک بر فرق قناعت بعد ازیں

گوشت خوری ظلم نہیں بلکہ موجب زیادۃ اطاعت ہے

بلکہ دیکھئے تو یہ احسان باعث زیادتی اطاعت اور موجب ترقی محبت الہی ہوگا۔

جب یہ نعمت ملے گی تو شکر الہی زبان پر جاری ہوگا اور یاد آئے گا کہ ہم اور یہ سب

برابر تھے فقط عنایت الہی نے ہمیں اشرف اور انہیں کمتر کر کے ان کو ہمارے کھانے،

اور پینے، اور سواری، اور بوجھ اٹھانے کے لئے ہمارا مسخر بنا دیا۔ اگر اُلٹا کر دیتا تو

کون اُس کا مانع تھا۔ باقی انسان کا اشرف ہونا ایسا نہیں جو کوئی نہ جانتا ہو۔ ہاں اگر

کوئی ہماری بد شگنی کے لئے اپنی ناک کٹائے اور گنو، بھینس، بکری کو انسان سے افضل

کہے، تو انسان سے تو کیوں افضل ہوں گے البتہ ایسے جاہل سے گائے بکری چھوڑ

گدھا بھی افضل ہے، سوایسوں سے ہمارا کلام نہیں۔ بندہ انصاف والوں سے کام

رکھتا ہے۔

گوشت خوری از روئے طب بھی کثیر المنافع ہے

الحاصل جب انسان افضل ٹھرا اور بملاحظہ منافع کثیرہ جو باتفاق اطباء عالم گوشت میں موجود ہیں، گوشت انسان کے بہت کارآمد نکلا۔ اگر خداوند کریم اُس کے کھانے کی اجازت نہ دے تو اُس کو حکیم کون کہے۔

مانع گوشت کی مثال

بلکہ اُس میں اور اُس شخص میں کیا فرق ہو جس کے گھر میں بچے بھوکے مرتے ہوں پر بایں خیال کہ اگر ان کے ہاتھ میں روٹی دوں گا تو یہ روٹیوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے، کھا کر کھانے کا پاخانہ بنادیں گے، اس ظلم کے خیال میں اُس ظلم کو گوارا رکھے اور بچوں کو روٹی دھری دھرائی سے ترسائے۔ الغرض بنظر شفقت اور مالکیت الہی اور افضلیت انسانی کیا بعید ہے کہ گوشت حلال ہو۔

گوشت ہر مذہب میں جائز ہے

اور ظاہر اِیہی وجہ ہے کہ ہر مذہب و مشرب میں اس کا رواج ہے۔ ہنود میں بھی بہت سی قومیں اوروں کی شریک ہیں بلکہ خود تو خود اپنے معبودوں کے لئے بھی مثل دہی وغیرہ بکروں کا جھٹکا کر کے نذر کرتے ہیں۔ شاید بہت ہی عمدہ سمجھتے ہوں گے جو معبودوں کے لئے تجویز کیا۔

مذہبِ عالم اور عامہ اقوامِ ہنود میں بڑی نذر اور بڑا شکر خون ہے

اور جو ”شاستر“ کو جانتے ہیں اور ”بید پُر ان“ کو جانتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ جس وقت کہ برہمن زادہ تحصیلِ علم کر کے گھر آتا تھا، گنو کی قربانی کر کے کچھ کیا کرتے تھے۔ سو اگر اس بات کو ظلم یا حرام جانتے تو ایسے وقت شکر میں جوا چھ کاموں اور عبادتوں کا وقت ہے ہرگز نہ کرتے بلکہ نام سے بھی بُرا مانتے۔

ہنود پر ایک زبردست الزام

اور اگر بالفرض یہ نقل غلط ہو تو اس سے زیادہ اب ہم آنکھوں سے دیکھتے ہیں ایسے بہت کم ہونگے کہ چمڑے کی جوتیاں نہیں پہنتے۔ گوشت کھانے میں تو تعظیم بھی تھی، فقط ایک ایذا کے خیال سے جی کھلتا تھا۔ جوتیاں بنانے میں فرمائیے کون سی تعظیم ہے؟۔ یہ وہی مثل ہے کہ گڑ کھائیں پر گلگلوں سے پرہیز۔ کوئی بہت کہے تو یہ کہے کہ یہ ہمارے دین کی بات نہیں یونہی ایک رسم پڑ گئی۔ سو یہ وہ بات ہے کہ عذر گناہ بدتر از گناہ۔ کیونکہ مسلمان اگر ایسے کام کرتے ہیں تو بزعمِ خود خدا کا کہا کرتے ہیں، ہندوؤں کو کس بلا نے گھیرا کہ بے وجہ بے سہارے اس قدر گنو کی اہانت کر کے مسلمانوں کے منہ دکھلانے کے لائق نہیں رہتے۔ سو خیر یہ کہانی کہاں تک

کہئے۔ اصل مطلب کو کان دھر کر سنئے!

خدا تعالیٰ کی شفقت اور انسان کی افضلیت

حَلَّتِ گوشت کی دلیل ہے

جب خدا حکیم شفیق اور انسان افضل المخلوقات ٹھہرا، اور گوشت کا نافع اور لذیذ ہونا مقرر ہو چکا، اور اُس کے ساتھ ایک جہان کے جہان کو اول سے اب تک گوشت کھانے اور حلال کہنے پر متفق اللفظ سنا، اور دیکھا، اور اُن کے مقابل میں فقط ہنود کو جو باعتبار مقدار کے عشر عشر بھی نہ ہوں گے، اور باعتبار عقل اور علم، اور رسوم اور عادات، اور بلند ہمتی کے ہمسگ پاسگ بھی نہیں۔ ایک مانع دیکھا تو عقل سلیم نے ان سب وجوہ مذکورہ پر نظر کر کے یوں سمجھا کہ گوشت کی حَلَّت میں تو کچھ شک نہیں، بے ایسا بھی نہ ہونا چاہئے کہ ہر دم دہر لحظہ گائے کے گلے پر طور بے طور چھری لئے تیار رہیں اور مثل شیران بیشہ ہر طرح خونخواری ہی سے کام ہو۔

آدابِ ذبح اور اس کے اسرارِ عقلیہ

ہاں اگر ذبح کرنا منظور ہو تو اول بے نیازی الہی یاد کریں اور اپنے دل میں کہیں کہ اگر ہمارے واسطے ذبح کا حکم دے کر دوسروں کے واسطے ہمیں حلال کرتا تو ہم اس کی ملک تھے اب جو اس نے ہمارے لئے انہیں حلال بنایا تو چاہئے کہ اسی کے نام

پر ہم یہ کام کریں اور اُس کی جان سمجھ کر بطور نثار اُس کے لئے قربان کریں۔ سب جانیں اُس کی ہیں اسی کے نثار ہونی چاہئیں۔

جہاد بالنفس وبالمال اور ذبیحہ اسلامی میں مناسبت

انسان اپنے موقع پر وقت پا کر اُس کی راہ میں سرکٹائیں، مال لٹائیں اور مارے جائیں، اور اپنے پاک پاک اور طیب جانوروں کا اس کے نام پر نثار کریں، اور اُن سے ہاتھ اٹھائیں، پھر ان کے گوشتوں کو خدا کے نام کی برکت اعتقاد کر کے بہت رغبت سے کھائیں، اور ان کھالوں اور ہڈیوں کو استعمال میں لائیں۔

یہ بات ہر چند سر دست اُن لوگوں کی سمجھ میں نہ آئے گی جن کے دلوں میں ساہا سال سے گوشت کی بُرائی جمی ہوئی ہے۔ وہ مثل ہے کہ کسی ہندو پیر سال نے وقت تقاضائے اسلام کے مسلمان مجاہد سے کہا تھا کہ میاں ستر برس کارام جی میں بیٹھا ہوا نکلتے ہی نکلتے نکلتے ہے لیکن جو لوگ اپنی خُوار عادت سے الگ ہو کر ان وجوہ مذکورہ پر نظر غور سے مقولہ ہنود اور اہل اسلام میں محاکمہ کریں گے تو اس کے سوا اور کیا کہیں گے کہ گوشت کا کھانا اگر بوجہ ظلم و تعدی نادرست ہوتا تو قطع نظر وجوہ مذکورہ کے سواری اور جانوروں پر لا دنا، پھانڈنا اور اُن کو بکھر مقید اور محبوس رکھنا بھی ناروا ہوتا۔

گوشت خوری کا اک الزامی جواب

تھوڑے بہت کافرق ہے۔ قتل اگر گناہ کبیرہ ہے تو مارنا، پیٹنا، قید رکھنا کچھ ثواب نہیں ہو جاتا۔

اشرف کے لئے ادنیٰ کا استعمال عین فطرت ہے

الغرض ناچار یہی کہنا پڑے گا کہ انسان کو خدا تعالیٰ نے اشرف المخلوقات بنایا ہے اور اشرف کے لئے ادنیٰ کا استعمال میں لانا قاعدہ عام ہے۔ یہی مسلمان کہتے ہیں کہ اشرف المخلوقات کے لئے اُس نے مناسب نامناسب دیکھ کر اجازت کھانے پینے اور استعمال میں لانے کی دی ہے۔ اور رفعِ شبہ کے لئے ہزار ہا مثالوں سے اس عالم کو بھر دیا۔ اگر اس وجہ سے اسی عالم کو عالم مثال کہئے تو بجا ہے کیوں کہ تمام عالم کے کاروبار اُس کی خدائی کا نمونہ ہیں۔

کاٹ تراش اور توڑنا پھوڑنا ہر جگہ ظلم نہیں

آخر کون نہیں جانتا کہ اچھے مکان کے بنانے کے وقت اینٹوں کو کیسا کیسا پھوڑ گھڑ گھڑ کے لگاتے ہیں۔ مکان اور اہل مکان کو اینٹوں سے افضل سمجھا تو یہ ستم اینٹوں پر روا رکھا۔ استنجا کے واسطے کسی نے نہ دیکھا ہو گا کہ اینٹ یا سنگِ موسیٰ، یا سنگِ مرمر، یا زمرہ، یا لعل کو گھڑ کے، اور بیل بونٹے ان پر تراش کے تیار کر کے رکھتا ہو۔

الغرض جب یہ قاعدہ ہنود کے نزدیک بھی مسلم ٹھراتو پھر کیا وجہ ہے کہ مثل جوتیاں پہننے، اور بکھر سوار ہونے، اور لادنے پھاندنے کے اہل اسلام کے گوشت کھانے میں شریک نہیں ہوتے۔ اور مع ہذا باوجودیکہ بملاحظہ رسوم مذہبی اور اطوار عبادت اور شعار اہل اسلام کے اکثر لوگ اس دین کو پسند کرتے ہیں، ایک ظاہر کی کم فہمی پر اُلٹے اہل اسلام پر اعتراض کرتے ہیں اور شرف اسلام سے محروم رہ جاتے ہیں۔ اگر سمجھ کو فرق تھا تو یہ اس کا جواب ہے اور اگر برادری کا خوف ہے تو خدا خوف کے لئے کچھ برادری سے کم نہیں۔ ہاں اگر اہل اسلام آدمی کا کھانا آدمی کے لئے درست بتاتے اور آدم خوری کراتے تو ہم بھی کہتے کہ ہندو بیچارے سچ کہتے ہیں، یہ عقل میں نہیں آتا کہ خدا کے گھر سے نازیبا حکم آئے۔

گوشت کو بالکل قبول نہ کرنا تکبر اور قلتِ محبت الہی ہے

بلکہ خدا کے جاہ و جلال اور جمال پر اگر نظر کریں، اور اپنی بندگی اور عاجزی کو دیکھیں، اور پھر تصور کریں کہ اُس نے یہ نعمتیں ہمارے لئے بنائی ہیں، تو قطع نظر اس کے کہ اُن نعمتوں کا قبول نہ کرنا قلتِ محبت اور کثرتِ غرور و نخوت پر بمقابلہ خدا تعالیٰ کے دلالت کرتا ہے، اور مضمونِ بندگی اور فرمانبرداری سے بہت بعید ہے، اور قاعدہٴ عشق و محبت سے کہیں دور، اندیشہ اس کا ہے کہ کہیں مورِ عتاب نہ ہو جائیں۔

مانع گوشت کی سوء فہم پر ایک واضح تمثیل

ہم پوچھتے ہیں کہ اگر کوئی بادشاہ کسی ادنیٰ سے نوکر کو کچھ مٹھائی یا روٹی وغیرہ عنایت کرے اور فرمائے کہ کھاؤ، اور وہ بایں خیال کہ اگر کھاؤں گا تو یہ بادشاہ کی چیز ہے اس کی ہیئت بگڑ جائے گی، ٹکڑے ٹکڑے اور پارہ پارہ ہو جائے گی، اور پیٹ میں جا کر کچھ کا کچھ بن جائے گی، انکار کرے اور نہ کھائے، اور غنیمت سمجھ کر سرد آنکھوں پر نہ رکھے بلکہ الٹا پھیر دے تو اس بادشاہ کو کیا اچھا معلوم ہوگا؟

الغرض بنظر ان چند کلیات کے جو اس کلام میں ملحوظ ہیں صاف ہویدا ہے کہ گوشت بے شبہ حلال ہے اور اس کا بالکل ترک کر دینا اچھا نہیں۔ اس بات کو جو دیکھا تو اہل اسلام کے مذہب کے بالکل مطابق پایا جاتا ہے۔

مردار اور حرام جانوروں کے ممنوع ہونے کی حکمت

چنانچہ مردار کا نہ کھانا اور بہت سے ایسے جانوروں کا جن میں ناپاکی یا کوئی خوئے بد غالب معلوم ہوتی ہے صاف کہہ دیتے ہی کہ ان کے مذہب میں اس بات پر لحاظ ہے کہ اگر خدا کا نام نہ لگا ہو اور اس کے لئے جاٹاری نہ ہوئی ہو تو قطع نظر اس کے کہ خون اس کا مرکز گوشت و پوست میں زلِ بل گیا اور اپنا سانا پاک سب کو بنا دیا، اب نعمت نہ رہی بلکہ نقصان کی چیز بن گئی تو وہ بے برکت ہے اور اس میں سے کچھ اپنے معبود و محبوب کی بونہیں آتی۔ اور ایسے ہی اگر کسی روح کو بسبب ناپاکی یا کسی

اور بُرائی کے، قابل نذر خداوندی کے نہیں جانتے تو اپنے لئے بھی اسے حرام سمجھتے ہیں کیوں کہ اپنا کھانا تو طفیل میں اپنے معبودِ محبوب کے سمجھتے ہیں اور بایں ہمہ جو چیز خود ہی بُری ہے وہ دوسرے کو کیا نفع دے گی بلکہ موافق قاعدہٴ تاثیر دواء و غذا کے جو اس میں اثر ہے وہی اثر کرے گی پس اس صورت میں گوشت کا نعمت ہونا بھی جو اصل، اور لہم، اور وجہ حلت کی تھی نہ رہی۔

حلت گوشت اُس کے نعمت ہونے پر مبنی ہے

فقط خواہش نفسانی پر نہیں

ورنہ اگر یہ ستم گری فقط بتقاضائے خواہش نفسانی ہوتی تو کون مانع تھا کہ سور، کتے، بلی وغیرہ کو چھوڑ دیتے۔ فقط یہی خیال رہا کہ نہ یہ قابلِ شمار کرنے خدائے جل شانہ کے ہیں اور نہ کوئی نعمت ہیں۔

ہر جانور کے گوشت میں اُس کے خصائل

سرایت کئے ہوئے ہیں

بلکہ اگر فرض کرو کہ آدمی سور کھانے لگیں تو جیسی سور میں بے حیائی ہے کہ اپنے جوڑے سے اگر کسی کو جفتی کرتے دیکھتا ہے تو اور جانوروں کی طرح کچھ اس کو غصہ نہیں آتا۔ اسی طرح سور خوروں میں بھی یہی پیدا ہوگا اور کسی کو ان میں سے

ماں، بہن، جوڑو، بیٹی کی غیرت نہ رہے گی، اور جیسے اس کو صبح سے شام تک ناپاکی میں گزر جاتا ہے اور لحظہ کو نہیں گھبراتا، دنیا گندی سے اُن کا دل بھی نہیں گھبرائے گا، اور خدا کی عبادت کا دار ہفتہ میں ایک دن بھی نہ آئے گا۔ کیوں کہ خدا کی عبادت اور یاد، دل پاک سے ہو سکتی ہے۔ ناپاک اس سے گھبراتا ہے۔

۔ کندہم جنس باہم جنس پرواز

الغرض جو منصف اور بیدار مغز ہیں وہ ایسے فرق خوب سمجھتے ہیں، اور مجموعہ اہل اسلام کو اور مجموعوں سے نسبت دے کر اوسط نکال لیتے ہیں اور بملاحظہ کثرت عبادات جو مسلمانوں میں دیکھتے ہیں، سمجھ جاتے ہیں کہ اوروں کی نسبت اکثر دل پاک ہیں تو مسلمانوں ہی کے ہیں، اور اسی طریقہ سے رفتہ رفتہ ان کی عقل کو یہاں تک رسائی ہو جاتی ہے کہ ظاہر ایہ ثمرہ خوبی احکام کا معلوم ہوتا ہے۔ مثل ہے کہ جیسا بیج ویسے ہی پھل پھول۔

نوٹ

(۱) اب آگے جس قدر بھی مضمون ہے وہ حضرت نانوتوی قدس اللہ سرہ کا نہیں ہے۔ بلکہ بطور ضمیمہ کے جامع العلوم والفنون حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ یا اور کسی بزرگ کا اضافہ فرمایا ہوا ہے۔ اس کا علم ایک یادداشت سے ہو جو حضرت نانوتوی قدس سرہ نے اپنے قلم سے اپنے مملوکہ نسخہ تفسیر پر تحریر فرمائی تھی جو محفوظ ہے۔ محمد طیب عفا اللہ عنہ

بے دینوں کی خلاف دلیل

یہاں ایک اور بات قابل بیان کرنے کے ہے کہ بیان مذکورہ بالا اُس وقت درست ہو کہ ہنود اور مسلمانوں سے بحث پڑے لیکن یہ تقریر اس وقت کارآمد نہیں کہ کوئی شخص جو کسی دین کا پابند نہیں، گوشت کھانے پر اعتراض کرے کیوں کہ اُس کے سامنے یہ کہنا کہ خداوند کریم نے اپنی مخلوقات میں سے اشرف کو انعام کے استعمال کا حکم دیا ہے، خواہ اُن کو لادنے پھاندنے میں کام لادیں یا گوشت کھانے میں، تو ایسا شخص اس جواب پر قانع نہ ہوگا اس لئے کہ ملکہ تو خدائے تعالیٰ کے قائل نہیں ہوتے تو پھر اُس کے حکم کو اُن کے سامنے بیان کرنا بے فائدہ ہے۔

تمام اُدیان سے قطع نظر کر کے محض عقل

بھی گوشت خوری کی موید ہے

بلکہ اُن کے لئے کوئی عقلی دلیل چاہئے جس میں ان کو بھی مجال دَم مارنے کی نہ اس لئے ہم یہاں ایک مختصر دلیل عقلی بھی لکھے دیتے ہیں تاکہ اس قسم کے لوگوں کے لئے کارآمد ہو۔ وہ یہ ہے کہ جہان کے جانداروں میں ایک وضع خلقی پائی جاتی ہے کہ اُس وضع کو امور دنیاوی میں بہت دخل ہے مثلاً گھوڑے کے استعمال کا طور لگام دینے اور پشت پر بوجھ لادنے سے ہے، اور بیل کے کام میں لانے کا طور ناتھ ڈالنے اور گردن پر جوار کھنے سے۔ اگر اس کے خلاف کیا جاتا ہے تو جانوروں کی صورت بگڑ جاتی ہے اور یہ محتاج بیان نہیں، جن لوگوں نے دھویوں اور سقوں کے بیل دیکھے ہوں گے وہ خود سمجھ لیں گے۔ اسی طرح ہر ایک کے لادنے کا طور جدا ہے، گھوڑے کو کھڑا ہوا لادتے ہیں اور اونٹ کو بیٹھا ہوا۔ غرض کہ جتنے جانور ہیں اُن کی وضع جبلی کے لحاظ سے ہر ایک قسم میں وہ بات پائی جاتی ہے جو دوسروں میں نہیں۔ اب اگر ہر جاندار کی خوراک پر لحاظ کیا جاتا ہے تو یہ بھی پرند اور چرند میں مختلف وضع کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہے۔ مثلاً پرندوں میں جن کی نوک ترچھی ہے اُن کی خوراک گوشت ہے اور جن کی نوک سیدھی ہے وہ گوشت کے گرد نہیں پھرتے، اور اگر اس قاعدہ سے ایک دو پرند متشبی ہوں تو ہمارے مطلب میں مغل نہیں۔ اور چوپایوں میں

گوشت خوروں کی یہ عادت رکھی گئی ہے کہ اُن کے دو کیلے اور ڈاڑھیں کچھ گول ہوتی ہیں اور جن کی خوراک گھاس وغیرہ ہے اُن کی ڈاڑھیں چھٹی ہوتی ہیں گو بعض کے نیش مثل کیلوں کے ہوتے ہیں جیسے اونٹ کے یا گھوڑے کے، مگر ڈاڑھوں کی شکل گائے، بیل اور اونٹ کی یکساں ہے اور یہ ایسی پہچان ہے کہ اگر چوپایہ سامنے نہ صرف اُس کی ڈاڑھیں پیش کی جائیں تو پہچان سکتے ہیں کہ اس کی خوراک گوشت ہے یا گھاس۔

گوشت خوری انسان کی فطرت ہے

پھر چونکہ آدمی بھی ایک جاندار غیر پرند ہے تو اس کی ڈاڑھوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مثل اُن جانوروں کے ہیں جو گوشت کھاتے ہیں، گھاس کھانے والوں کے سے نہیں۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ اس کی وضع جبلی گوشت کھانے کو مقتضی ہے اور اس وجہ سے تمام دنیا میں کوئی ملک ایسا نہ پاؤ گے جس کے باشندے بالکل گوشت کے تارک ہوں۔

ذبح کرنے کی فلسفی علت

باقی رہا یہی کہ اہل اسلام ذبح کر کے کیوں کھاتے ہیں اگر وضع جبلی کا لحاظ ہے تو مثل اور جانوروں کے فرق مذبح، اور جھٹکے، اور مردہ کا عبث ہے۔ اس کا جواب عقلی یہ ہے کہ ذبح کیا ہوا جانور لذیذ زیادہ ہوتا ہے اور یہ امر اُن لوگوں پر مخفی نہیں

جودونوں قسم کے جانور کھاتے ہیں۔ بہت غیر مذہب لوگوں کو دیکھا ہے کہ اپنے کھانے کے لئے جانور کو ذبح کر لیتے ہیں اگر اس میں کچھ لذت زیادہ نہ ہوتی تو وہ یہ حرکت کیوں کرتے۔ علاوہ ازیں منصف مزاج بیان کر دیتے ہیں کہ اس صورت خاص سے ذبح ہونے سے لذت زیادہ ہوتی ہے۔ اور جو متعصب یا بے عقل ہیں وہ اپنی وہی گائیں گے اور مرغی کی ایک ٹانگ بتائیں گے۔ سو ہمیں اس باب میں کچھ سیز زوری کرنی نہیں، جو سمجھے وہ سمجھے، جو اس پر بھی نہ سمجھے، اُسے خدا سمجھے۔

آمین، آمین، آمین

والحمد لله رب العالمین والصلوة علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ

واصحابہ اجمعین



مِصْنَحُ التَّارَافِ

(فارسی)

در اثبات بست رکعات تراویح بدلائل
عقلیہ و نقلیہ و مشتمل بر لطائف علمیہ و نکات فہمیہ

اس رسالہ میں مسئلہ تراویح کی وضاحت ہے اور اس باب میں وارد احادیث کی تشریح ہے اور تراویح کی رکعات کا میں ہونا شرعی و عقلی دلائل سے ثابت کیا گیا ہے۔ حضرت حجتہ الاسلام رحمہ اللہ نے یہ رسالہ اپنے تلمیذ رشید مولانا سید احمد حسن امروہوی رحمہ اللہ کے ایک استفتاء کے جواب میں تحریر فرمایا جو کہ نہایت اعلیٰ تحقیقات پر مشتمل ہے۔

پیش لفظ

از صاحبزادہ محترم مولانا محمد سالم القاسمی... اُستاذ دارالعلوم دیوبند
(خلف رشید حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند)

حجۃ الاسلام سیدنا الامام الکبیر حضرت مولانا محمد قاسم صاحب النانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند کی ذات گرامی تیرہویں صدی کی اُن معنّمات میں سے تھی کہ جن کے احسانات سے زندہ ملتیں صدیوں سر نہیں اٹھا سکتیں اور ملت کی جانب سے منت پذیری کی جو ترجمانی حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے حفیہ رشید حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ مہتمم دارالعلوم دیوبند نے اپنے ایک عربی قصیدہ میں فرمائی ہے، میں سمجھتا ہوں کہ اُسی کی نقل پر اکثفا کرنا قرین مصلحت بھی ہے کیونکہ حضرت سیدنا الامام الکبیر کے جن اوصاف جلیلہ کا تذکرہ حضرت المجدوم مہتمم دارالعلوم مدظلہ نے فرمایا ہے وہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے کمالات علمیہ سے استفادہ کامل کی غمازی کر رہا ہے، اور میرا اس سے نہی دامن کا اظہار و اعتراف ایک حقیقت کا اعتراف ہے، اس لئے میں اپنے عیب نہفتہ کو کھولنے کے بجائے حضرت المجدوم مہتمم دارالعلوم مدظلہ کے قاسم العلوم والخیرات کی شان میں مدحیہ اشعار میں سے چند منتخب اشعار نقل کرتا ہوں جن میں ارادت و عقیدت کے اس جذبہ لطیف نے اظہار کے لئے خود بخود شعر کا جالبہ لطیف اختیار کر لیا ہے، اور زبان عربی کی وجہ سے یہ مدحیہ اشعار سونے پر سہاگہ ہو گئے کہ جس میں لطیف جذبات کی ترجمانی کے لئے بے نہایت ذخیرہ موجود ہے۔

نفسی الفداء لقاسم الخیرات وبمہجتي الہدی للذی البرکات
فیضانہ بالعلم عمّ بحارہ ماواہ عند اللہ فی الجنات
عالی ذی الشرف الترلیع ورتبہ مشہورہ بالخیر والبرکات
اولی الاعاظم بالمحل الافضل اعلی الا ماجد قانع البدعات
نص محق وجہہ ای للوری ہو ایۃ حق من الایات
سلطان اصحاب الحقائق بالغلی شیخ المشائخ، زبدۃ الحسنات
شیخ رشید کامل متفرد ہاد الی المخلوق بالدعوات
اللہ فضلہ و اعلیٰ امرہ رَغما لاهل الکفر والبدعات
منہ استقام اساس دین محمد وبہ تجدد رونق الحسنات
وبہ تلوح معالم الاسلام و الی الولاۃ خلاصۃ البرکات
افعالہ اعمالہ حرکاتہ فبانما الاعمال بالنیات
نور الہدی عفا رسوم جہالۃ بدر الدجی فی عالم الظلمات
ومن القلوب الی القلوب شواہد یشهدن قبل تشاہد الحالات
یدعولک العبد الذلیل مضرعا رفع المراتب، رافع الدرجات
(امین!)

کتاب زیر نظر (مصباح التراویح) چونکہ فارسی زبان میں ہے، اس لئے حضرت
المہتمم الحمد وح کے اُن اشعار کا اقتباس بھی نقل کر دیا جانا لطف سے خالی نہ ہوگا جو آپ
نے فارسی زبان میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے فضائل و کمالات میں ایک طویل
مرثیہ کے سلسلہ میں تحریر فرمائے ہیں، اور وہ یہ ہیں:

ہمیں گلشن کنوں کو رشک ہنداست ہمیں دارالعلوم دیوبند است
بمرغان چمن فطش ہویدا چمن اندر چمن ماراٹش پیدا
بہر ہر مرغ خود گوید کہ اُعْطِیْ لَیْیَ قَاسِمَ وَاللّٰہُ یُعْطِیْ

بمآہ ہند آمد ضواء ازیں مہر براعدائے چنین مہرے شود قہر
 بارض ہند بے شک آں فلک ہست! بچشم ہند انانش ملک ہست
 بذات بانیش رحمت بباری!! بہ قرب رحمت جانس در آری
 بہر سو دین برحق زان علم شد!! حکم جہائے شرک و کفر کم شد
 جہادے کردہ و دیں رافزودہ!! کہ شرک و کفر از عالم ربودہ
 بہم ایمان و دیں از بس رسیدند ز نورش کفر و بے دینی رمیدند
 بعلمے جہل از گیتی رواں شد بیاد حق و باطل از جہاں شد
 محمد قاسم الخیرات ذی شاں گرفتہ دین برحق روتھے زان
 بباغ دین احمد باغبانست کہ ایں گلشن بعہد نوچنانست
 شریعت را ہزاراں بر علم کرد طریقت را بلوچ دل رقم کرد
 شدہ در شرق و غرب ازوئے فسانہ جنوب و در شمال ازوئے ترانہ
 کہ صیت فضل و فیض او محیط است چو نور مہر بر عالم بسیط است
 حضرت قاسم العلوم کی زندہ و تابندہ باقیات الصالحات میں سے "ایک گلشن
 علم دارالعلوم دیوبند ہے، بلکہ۔

ہمیں گلشن کنوں کو رشک ہند است کہ او "دارالعلوم" دیوبند است
 (حضرت المہتمم مولانا محمد طیب)

اور دوسرے حضرت والا کی وہ تصانیف ہیں کہ جن کو علم و حکمت کے پوشیدہ
 خزانوں میں سے کوئی دانائے راز ہی نکال کر لاسکتا ہے، ذلک فضل اللہ یؤتیہ
 من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔

احقر راقم الحروف نے حضرت والد محترم مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ مہتمم
 دارالعلوم دیوبند کی زبان سے حضرت قاسم العلوم رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کے بارے
 میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ سنا کہ:

حضرت استاذ رحمۃ اللہ علیہ (مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ) فرمایا کرتے تھے کہ ”اُمت میں چار علماء ایسے گزرے ہیں کہ جن کی تصانیف کے ساتھ مزاوت رکھنے سے آدمی اگر غبی بھی ہو تو ذہین ہو جاتا ہے، ایک امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ، دوسرے شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ، تیسرے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ۔ اور چوتھے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ۔ یہ مقولہ نقل فرما کر شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پانچویں کا اضافہ میں کرتا ہوں اور وہ ہیں ”اُستاذ رحمۃ اللہ علیہ“ (یعنی حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ) یہ ”مقولہ“ ایک آئینہ ہے جس سے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے علوم و تصانیف کی آب و تاب کا ایک سرسری اندازہ ہر سلیم العقل اور غیر معاند کر سکتا ہے۔

پیش نظر کتاب ”مصانح التراويح“ فارسی زبان میں حضرت قاسم العلوم رحمۃ اللہ علیہ کی اُن تصانیف میں سے ہے کہ جس کو غالباً حضرت والا نے اوّل سے اخیر تک تصنیفی نقطہ نظر ہی سے لکھا ہے، یوں تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف میں سے کوئی تصنیف بھی اپنے اپنے لحاظ سے تہنہ تکمیل نہیں کہی جاسکتی۔ لیکن ”مصانح التراويح“ کی ترتیب و انداز نگارش اس کا پتہ دیتی ہے کہ موضوع کے ہر پوشیدہ سے پوشیدہ پہلو کو پیش نظر رکھ کر ”کتاب کی جامعیت“ اور ہر اعتراض کا عقل و نقل سے بھرپور جواب مہیا فرما کر ”کتاب کی مانعیت“ کو مستحکم کیا گیا ہے۔ فقہاء اور محدثین کے یہاں تراویح کی رکعات کا عدد ہی مختلف فیہ نہیں ہے، بلکہ تراویح کی سنّت و استحباب، تاکّد و عدم تاکّد، سنت و استحباب کے معنی کا اختلاف، رکعات کے بیس یا آٹھ ہونے کا اختلاف، اور پھر خود روایات کے فیما بین اختلاف نے اس مسئلے کو ایک اہم ترین مسئلہ بنا دیا ہے۔

اس مسئلہ میں یہ اختلاف کوئی نیا اختلاف نہیں ہے البتہ بعد میں بعض ایسے مقتدا بیت پسند بزرگوں نے جن کو عوام میں تعارف حاصل تھا لیکن وہ خود عبادات کے معاملہ میں متکاسل تھے اپنی عملی کوتاہیوں کو دُور کرنے کے بجائے اُن مسائل کی اہمیت

کو عوام کے ذہنوں سے نکال دینے کے حیلے اختیار کئے کہ جن کے باہم رہنے کی صورت میں اُن کی مقتداہیت مجروح ہوتی تھی۔

چنانچہ سلف کے علمی اختلافات کو جسارت کے ساتھ غلط طریقہ سے استعمال کر کے ”تراویح“ کو اپنا ہدف بنایا، اور مذکور الصدر عنوانات پر مبہم تعبیرات کے ذریعہ عوام کو اور زیادہ خلجان میں مبتلا کر دیا، جیسا کہ مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تالیف ”غایۃ التنقیح فی مسئلۃ التراویح“ میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

لیکن فحوائے حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

”نعم الرجل الفقیہ فی الدین ان احتیج الیہ نفع،

و ان استغنی عنہ اغنی نفسه“

”اچھا آدمی وہ ہے جو دین میں فقیہ ہے اگر کوئی ضرورت اس کے پاس لائی جاوے تو وہ فائدہ پہنچا دے اور اگر اس سے بے پروائی برتی جائے تو وہ اپنے آپ کو الگ تھلگ کر لے۔“

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ کاریہ تھا کہ لوگوں کے اختلافات میں خود دخل نہیں دیتے تھے لیکن جب اُن کی طرف رجوع کیا جاتا تو مسئلہ کے مالہ و ماعلیہ کی ایضاح و تشریح میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں فرماتے تھے، اور اُسے معقول سے معقول کر کے دکھلا دیتے تھے۔

یہی صورت مسئلہ تراویح میں بھی پیش آئی۔ ملک میں جب اس مسئلہ نے پوری اہمیت اختیار کر لی اور وہ نزاعات کی آماجگاہ بن گیا، اور براہ راست اُن سے اس بارے میں استمزاج و استفسار کیا گیا تو جواباً آپ نے یہ کتاب بصورت خط تصنیف فرما کر ارسال فرمائی، جو مسئلہ کے تمام گوشوں پر بھی حاوی ہے اور منقول کو معقول بنا کر پیش کر دینے کا وہی کمال بھی اس تصنیف میں حد کمال کو پہنچا ہوا نظر آتا ہے۔

ساتھ ہی ضمنی اور ذیلی طور پر استدلالی رنگ میں بہت سے اہم مسائل بھی

کتاب میں آگئے ہیں۔ جیسے: تذلل و تخشع کا حقیقت عبادت ہونا، تعجیل فی المغرب اور تاخیر فی العشاء کی حکمت اشیاء کے حسن و قبح کا عقلی ہونا، حق تعالیٰ پر کسی چیز کا واجب نہ ہونا، علم کا وسیلہ عبادت ہونا، امورِ دیدیہ کا عام تکوینی اشیاء کی طرح صورت و حقیقت سے مرکب ہونا۔ وغیرہ وغیرہ۔

مسائل پر عقلی اور اصولی کلام نے کتاب کو دل چسپ اور مفید تر بنا دیا ہے۔ حق تعالیٰ حضرت حجتہ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کو اس صدقہ جاریہ پر ماجور و مثاب فرمائے، اور ہمیں ان جلیل القدر علوم سے استفادہ و عمل کے لئے موفق فرمائے۔ آمین!

”مصانح التراوتح“ ایک طویل عرصہ سے نایاب ہو چکی تھی، شاید ایک مرتبہ کے بعد دوسری مرتبہ اب ہی اس کی طباعت کی نوبت آرہی ہے، اس جدید اشاعت میں فہرست اور بنیادی عنوانات کا بھی اضافہ کر دیا گیا ہے۔

اس اُمید افزاء صورت حال کو دیکھتے ہوئے توقع کی جاسکتی ہے کہ اب ان شاء اللہ حضرت مہتمم صاحب مدظلہ العالی کی زیر ہدایت ”ادارہ نشر و اشاعت دارالعلوم دیوبند“ اکابر کے دیگر نایاب ذخیروں کا بھی احیاء کرے گا۔

ونسئل اللہ ان ینفعنا به و کل من وقف علیہ والحمد للہ اولاً و آخراً

احقر: محمد سالم قاسمی اُستاذ دارالعلوم دیوبند
۴ شوال المکرم ۱۴۳۵ھ - ہجری مطابق ۱۵ مئی ۱۹۵۶ء یوم سہ شنبہ
(ادارہ تاج المعارف دیوبند)



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله رب العلمين الرحمن الرحيم مالك يوم الدين ۝
والصلوة والسلام على سيد المرسلين وخاتم النبيين وآله الطاهرين و
اصحابه الكاملين كلهم اجمعين ۝ پس از ثناء خدا و درود مصطفی
صلی الله علیه وسلم بنده هیچمدان بلکه نادان گنه گار و شرمسار
محمد قاسم نانوتوی غفر الله له ولوالديه و احسن اليهما و اليه می
نگارد که در ۱۲۸۸ هـ یک هزار دو صد و هشت هشتاد از هجرت
نبوی علیه و علی آله افضل صلوة و سلام در او آخر رمضان شریف
مجموعه کمالات سلاله سادات عزیز من مولوی سید احمد حسن
امروہی که بار اقم ربط استاد دارند خطی فرستادند که مقصود از آن
استفسار از تاکد یا ندب بست رکعة تراویح معموله مروجہ اہل سنۃ
و جماعۃ بود و باعث این استفسار غفلت عدم ثبوت سنیت بست
رکعة است کہ دریں زمانہ از چار طرف برخاستہ تا آنکہ بسیاری از
شائقان اتباع سنۃ صلی الله علیه وسلم دو از دہ رکعة را از بست
انداختہ طرح ہشت رکعة سواء و ترا انداختند بلکہ رفتہ رفتہ نوبۃ
باین رسید کہ سخن بابتداع بست رکعة کشیدہ بعضی بصراحتہ
گفتند و بعضی راز مکنون رادر پردہ اشارہ و کنایہ نہفتند چون
متمسک این بزرگان دریں بارہ ظاہر حدیث حضرت عائشہ رضی

اللَّهُ عنها ست که از بخاری باین الفاظ مرویست قالت ما کان رسول
 اللَّهُ صلی اللَّهُ علیه وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیره علی احدى
 عشرة رکعة الخ و در دیگر کتب احادیث نیز غالباً به همین الفاظ
 باشد این طرف کلام امام همام ابن همام هم که تعلق بحديث
 مسطور دارد ناظر بآن بود که مسنون از بست اداء یا زده رکعة باوتر
 با جماعة است و اداء باقی آن بطور مذکور مندوب عزیز موصوف
 کلام امام همام ابن همام که مسطور می شود نوشته از من هیچمدان
 تحقیق حقیقة الامر خواستند و تصدیق یا جواب ارشاد امام موصوف
 طلب داشتند چون فهم بعض مطالب جواب بر ملاحظه کلام امام
 موصوف موقوف بود اول عرض عبارة امام لازم آمد امام همام می
 فرمایند، و مارواه ابن ابی شیبة والطبرانی والبيهقی من حديث ابن
 عباس رضی الله عنهما انه علیه السلام کان یصلی فی رمضان عشرين
 رکعة سوى الوتر فضعیف بیع مخالفة للصحيح نعم ثبت العشرون
 من زمن عمر رضی الله عنه فی الموطاء عن یزید بن رومان قال کان
 الناس یقومون فی زمن عمر بن الخطاب رضی الله عنه بثلاث و
 عشرين رکعة و فی الموطاء رواية باحدى عشرة وجمع بينهما بانه
 وقع اولاً ثم استقر الامر علی العشرين فانه المتوارث فتحصل من هذا
 کلمه ان قیام رمضان سنة احدى عشرة رکعة بالوتر فی الجماعة فعله
 علیه السلام وتر که بعدروا فادانه لولا خشية ذالک لواظبت بکم ولا
 شک فی تحقیق الامر من ذلک بوفاته صلی الله علیه وسلم فیکون
 سنة و کونها عشرين سنة الخلفاء الراشدين و قوله صلی الله علیه
 وسلم علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدين ندب الی سنتهم انتهى.

پس ازیں عرض می کنم که حسب رسائی فهم نارسائی خود در همان ایام در عشرهٔ اخیرہ ورقے چند دریں بارہ نوشتہ پیش عزیز مذکور فرستادم و پس ازاں ورقی چند دیگر دران افزودہ نامش ” مصباح التراویح “ نهادم پس ہرچہ در نظر نقاد کامل عیار آید از عالم بالاست ورنہ از من پر خطاء . لمؤلفہ و

خطا دارم و از خطا کاریم	چہ دورست کافتد فلک بر سرم
چو بخت سیاهم سہ جان و دل	ز بارگناہم تنم پا بگل
تو گوئی کہ ظلمت ز شبہائے تار	پریشانی از گردش روزگار
گرفتمد جان و دلم ساختمد	بخاکم سرشتمد و انداختمد
کہ نادانے از دست بخت زبون	بر مشت خاکست بہر شگون
غم ایں و آن ست بالائی آن	بجان یک جہانست و من نیم جان
بایں تیرہ بختی و شوریدگی	کہ عالم سیاہ است و پہلو تہی
دلم بانکاتے گراؤیختہ	ہما نایکہ از سوئے حق ریختہ
مگر نیست ایں نور افلاک من	نہ ایں تازہ گلہاست از خاک من
ز خاک کف پائی اُستاد و پیر	وزان سایہ رشک مہر منیر
کہ ماندہ زمانے بدست و سرم	
بہ چشمم رسد نور و گل در برم	



مکتوب مذکور که به جواب نامه عزیز موصوف مسطور شد این است

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

از کم ترین انام محمد قاسم عفا الله عنه به عزیز از جان
مولوی سید احمد حسن زاده الله علماً علی علم و فضلاً علی فضل و
بسطة فیهما من لدنه. شعر و

سلامم بخوان و سلامم رسان بهر کس که پُر سلازی نیم جان
خود سلامم بپذیرند و بوالد ماجد و عم بزرگوار و برادر و
دیگران که سلام شان نوشته اند سلامم برسانند و بشنوند که خطوط
دیگر احباب می آمد و سرمایه کامرانی می شد مگر مکتوب آن
عزیز نمی آمد و نگر اینهایم می فرود اکتون پس از دیر رقیمة آن عزیز
رسید و ذریعة شادمانیها شد هر چند که این مکتوب بشهادة
مضامینش سلام روستائی ست مگر تا هم غنیمت ست باطلاع اظهار
حق اوشان شادمانیها بدامان جانم ریخته الحمد لله که اصحاب و
احباب این نابکار کارهایم کنند و اظهار حق و اقامة حدود خدا
وندی و احیاء سنة نبوی صلی الله علیه وسلم می فرمایند گو من
نابکار مرد این کار نباشم اکنون جواب مستفسرات آن عزیز می
لگام مگر اول بشنوند که در امور متفق علیها یا هر چه قریب آن
باشد ما جاهلان را بهر تسلیم آن اثبات آن بدلائل ضرور نیست چه
اتفاق اکابر و تسلیم اوشان یا جم غفیر از و شان نیز دلیلی است که
بجانب قولش بهمجو "فاستلوا اهل الذکر ان کتم لا تعلمون".

اشاره ها فرموده اند آری رد شبهات مخالفان می باید و درین ضمن اگر اثبات مدعا هم دست دهد فهو المراد درین جواب هم همین طرز اختیار افتاد اعنی مقصود بالذات ازین تحریر رد قول کسانی است که در پنبی ابطال سنة بودن تراویح معموله هستند هان اگر ناظر فهمیده است ان شاء الله دلائل سنیه و تاکد آن نیز درین اوراق خواهد یافت ورنه ازین چه کم که قول مبطلان را باطل خواهد انگاشت بالجمله این مقدمه یاد دارند و بشنوند که باستقرا و تجسس اقوال و افعال نبوی صلی الله علیه وسلم سنن را برچند اقسام می بینم یکے آنکه ماهیت و مشخصاتش هر دو ملحوظ نظر حق و مدعو الیها باشند مثالش اگر بکارست همین صوم و صلوة است که تعبد و امساک مطلق که حقیقه و ماهیه صوم و صلوة است بمظاهر گوناگون ظهورش می توان شدنه تنها مدنظر خداوند است بلکه کیفیات خاصه و مشخصات معلومه اعنی این هیئة کذائے نیز مطلوب و مدعو الیها ایست دیگر آنکه خصوصیات خاصه مطلوب باشند اما چون مبادی آن هر کس را میسر نیایند علی العموم مطلوب نباشند آری هر کرا آن مبادی فراهم آیند ادای آن خصوصیات بر ذمه او باشد خصوصیات نبوی را صلی الله علیه وسلم که از قسم مامورات باشند از همین قسم باید شناخت و اختلاف ادعیه استفتاح و اذکار رکوع و سجود که از حضرت نبی الله صلی الله علیه وسلم علی اختلاف الاوقات ثابت است بزعم احقر از همین قسم است چون این اختلاف بر تکثر شیون خدا ولدیست که آیه کل یوم فی شان ازاں خاکی است و اطلاع شیون خاصه جز حضرت صلی الله

علیه وسلم که عمده حاضر باشان حضرت خداوند ذوالجلال بودند درین امة کسی را میسر نیست باین قسم تعظیبات مناسبه اوقات حسب اقتضاءات شیون متعاقبه از دیگران استدعا نکرده شد که ازین قسم قرب بے حجابانه که ذریعه اطلاع شیون متوارده توان شد محروم اند بلکه بر تعظیبات مناسبه شان مطلق که در جمله شیون خاصه ساری باشد اکتفا رفت شاید همین است که ائمه اجتهاد حسب افهام خود بریک یک و دو دو ذکر و دعادرین مواقع معلومه اقتصار فرمودند و تعدد رکوعات صلوة کسوف نیز اگر بحمل تعدد وقائع تسلیم کرده شود و بخيال تعارض روایات مرویه این باب که در صورة اتحاد واقعه ضروری است انکار نکنند محمول بر همین اختلاف شیون است بزعم این هیچمدان والله اعلم بالصواب .

سوم آنکه کیفیات خاصه و مشخصات عارضه ملحوظ نظر شارع نباشند و مدعو الیها نبوند ما چون از مبادی اصل مطلوب است ازان ناگزیرست این قسم امور حسب ضروره و استدعاء وقت مختلف می توان شد چه هر چه اصل نیست بقدر ضروره ضروری می شود و این قسم را باعتبار ثبوت اگر مقتضائے نص خوانند زیباست بزعم این هیچمدان اختلاف اعداد مجاهدین و آلات حرب و سامان جهاد و اختلاف جهات و اوقات در غزوات نبوی صلی الله علیه وسلم از همین قسم است والله اعلم بحقیقه الحال .

قسم چهارم آنکه از حضرت صلی الله علیه وسلم حسب اقتضائے عادة سرزدها شد یا باعث برآن فقط طبع بشری بود غرض از تعبد هر گونه برکران باشد یعنی نه بذات خود از تعبدات باشد نه بوجه

بودنش ذریعه آن یا مظهر آن معروض آن شده. اوقات بول و براز نبوی و اماکن آن و منازل سفر حج و جهاد و غیرها همه به همین طرز متعین شده اند این قسم از تکلیف شرعی بهره ندارد آری اقتضاء این قسم امورهم بوجه مشابهة نبوی صلی الله علیه وسلم حصّة از حسن بجانب خود می کشدو به همین نظر وهم باین لحاظ که امر باین چنین امور بطور دلالة النص بر اقسام ثلثه سابقه بالاوّلی دلالة میکند و مامور می گرداند اگر حکماء دین باین قسم خود اهتمام کنند یا قدری دعوة کنند و مردم را بسوئی او خوانندمی توان شداندرین صورة این قسم هم بقسم ثالث ملحق خواهد شدچون این قدر مقرر شد قلم را بجانب دیگر می گردانم خداوند تعالی در اوّل سورة اعراف می فرماید "اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونه اولیاء".

و رسول الله صلی الله علیه وسلم می فرمایند "من ۛ عن عائشة رضی الله عنها قالت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من احلث فی امرنا هلا ما لیس منه فهو رد ۱۲. اخرجه البخاری ۱۲ ۛ احلث فی امرنا هلا ما لیس منه فهو رد او کما قال.

قرآن شریف اتباع را در ما انزل حصر می فرماید و حدیث شریف محدثات غیر نبی را صلی الله علیه وسلم هر که باشدردمی فرماید اندرین صورة پر ضرور است که سنة خلفائے راشدین از جمله ما انزل باشد و ماخوذ از معدن لبوة بود صلی الله علیه وسلم چه سنت خلفائے راشدین اگرچه از ما انزل و امرنا نبود بعد فرمودن آنحضرت صلی الله علیه وسلم "علیکم بسنتی ۛ قاله من بعث منکم بعدی لیسیرے اختلافاً کثیرا فعلیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدين المهدیین تمسکوا بها و عضوا علیها بالنواجذ الخ فی حدیث طویل ۱۲. اخرجه احمد و ابو داؤد و الترمذی و ابن

ماجه ۱۲ ﴿و سنة الخلفاء الراشدين من بعدى﴾.

بواسطه این ارشاد هدايت بنياد منجمله ما أنزل گردید و از جمله امرنا شد گویم هر که مذاق سخن داشته باشد و دیده انصاف صاف دارد مثل آفتاب روشن می بیند که مصداق ما انزل و مطابق حکم امرنا هذا امری است محقق که از کار سازی آن فراغت یافته اند تا آنکه تعبیر ازان بصیغه ماضی و اشاره بهذا توان کرد چیزی منتظر التحقيق نیست علاوه برین دخول خلفائے راشدين در خطاب اتبعوا الخ و ارشاد من احدث خود دلیل کامل ست بر اینکه قول و فعل خلفاء راشدين باشد یا قول و فعل کسی دیگر بی استناد ما انزل و اعتماد وحی قابل آن نیست که بسوئی آن التفات کرده شود بلکه لائق آنست که روازاں بگردانند و پشت بدان دهند و اگر سنة خلفاء واجب الاتباع است اعنی از ما انزل باشد یا نباشد و منجمله امرنا بود که نبود اتباعش بهر حال واجب ما راچه زیان که ما خود در پی اثبات سنة خلفاء هستیم نه رد آن اکنون بشنوسابق عرض کرده ام که قسم رابع از تکلیف شارع کناره کناره می رود و این سنة خلفائے راشدين لا جرم مکلف بها ست ورنه لفظ علیکم را که هر دو سنن راسنة نبوی صلی الله علیه وسلم باشد یا سنة خلفاء فرا گرفته بر کدام محمل خواهند نشاند لهذا پر ضرور است که ازدو قسم اول یا ثالث باشد هاں اگر قسم ثانی قابل تکلیف عام بودی احتمال ثالث هم بود ازیں جا هویدا شد که سنة خلفاء معارض سنن نبوی صلی الله علیه وسلم نباشد زیرا که آن سنن همان سنن نبوی صلی الله علیه وسلم است فقط بوجه مختفی و مسترماندن آن بوجه اهتمام

ناکردن حضرت رسول صلی الله علیه وسلم باندیشه فرضیه مثلاً در زمان نبوة علی صاحبها الف الف صلوة و سلام و رواج یافتن آن بسعی و اهتمام خلفاء بجانب خلفائے راشدین منسوب گردیده یا در زمان شان امری از امور که در زمان نبوة از ضروریات دین نبوده به سبب تشریف بردن آنحضرت صلی الله علیه وسلم ازین جهان از ضروریات دین گردیده و ازین جهت اوشان بارتکاب آن اقدام فرمودند و دیگران را دعوة عام نمودن مثل جمع قرآن و شوری و اجماع و وقائع نازله دینیہ چون اوشان باری این چنین مبادی شده اند آنرا بنام اوشان زده اند ملخص سخن آنکه بشهادة آیه مزبور و حدیث مذکور بعد لحاظ عرض این فقیر هویدا میشود که سنن خلفاء معارض سنن نبوی علی صاحبها الف الف صلوة و سلام نمی توان شد اگرچه خود این جمله علیکم " بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین من بعدی " نیز بی ضم ضمیمه مذکوره بر همین امر دلالة دارد چه و او حائله ما بین بسنتی و سنة الخلفاء خواستگار اجتماع است در صورة تعارض اجتماع کجا و جمع کرا خواهند کرد. اکنون برسر مطلب میرسم و از اصل غرض می سرایم برادر من در قسم ثالث مطلوب شارع شئی مطلق می بود آری مطلق نیست که قیود در برومعینات در برابر ندارد غرض ظهور ماهیات مطلقه بی قیود متصور نیست لا جرم امثال مامورات بهابی استعالة قیود نخواهد بود و مکلف را در تعبد باین نوع مثل نوع اول از قیود ناگزیرست اما در مقصود و غیر مقصود فرقی است که بفرق زمین و آسمان تعبیر ازاں توان کرد چون درین قسم مثل قسم اول قیود

عارضه بدات خود مقصود نیستند بلکه بضرورت امتثال امر مقصود دست بد امان شان زده می شود وقت ضرورت بقدر ضرورت بدان رو آورده خواهد شد و وقت ارتفاع ضرورت یکی ازا و ضرورت دیگری ازیں سو بدان سو رو خواهند تافت و رنه تقنید مطلق شرعی و تعیین چیزی لازم خواهد آمد که شارح آنرا مطلق گذاشته و غیره معین خواسته و هر که بهره از فهم بد امان جان آورده و زمام خود را بعقل حقدان سپرده خو میداند که تقنید مطلق شرعی مثل اطلاق مقید دینی بلافات بدعة است صلوة و صوم را از قیود معلومه از شرائط و صفات و هیئات آن خالی کردن و هیأت و جهات و اوقات را که در غزوات نبوی علی صاحبها الف الف صلوة و سلام از اتفاقات پیش آمده ضمیمه جهاد کردن و ما مور بها پنداشتن در بدعة بودن هر دو هم سنگ یک دیگر اند بلکه تقنید مطلق به نسبة اطلاق مقید بالاولی بدعة است مضمون احداث که مصداق بدعة است چنانکه در اول یافته می شود در ثانی نیست نمی دانی که احداث وجود مفعول می خواهد نه عدم آنها از وجود اعتباری آن هم تمثالی می گیرد و محکوم علیه وجودیات می شود الغرض تقنید مطلق لا ریب بدعة است و اکثر رسوم شادی و موت همه ازیں قسم می نمایند و هر که محفل میلاد شریف را بدعت گفته ازیں قسم شمرده باشد اکنون سخنی که در ته دل دارم بزبان می آرم و نقشی که بر لوح دلم کشیده اند برین صفحه می گزارم مگر می ترسم که خام عقلی بگریبانم آویز دو جاهلی از جهل مرکب بسر کوبی من خیزد ولیکن حق بهر گفتن ست نه نهفتن آنچه می دانم می گویم

تعیین اعداد رکعات در قیام لیل و تهجد از همین قسم ست حضرت رسول الله صلی الله علیه وسلم گاهی کم گاهی زیاده خوانده اند و مقید بقیدی نمانده و این از عمده عمارات اطلاق است و رنه مثل فرائض و سنن و رواتب تحدید تهجد باعداد رکعات هم می فرمودند بلکه خود خداوند کریم علیم جائیکه بقیام لیل امر فرموده اگر چیزی تحدید فرموده بتحدید و تشخیص پاره لیل تحدید فرموده می فرماید " قم الليل الا قليلا نصفه او انقص منه قليلا او زد عليه ورتل القرآن ترتيلا " هر چند این تحدید عین تعمیم و اطلاق است مگر تعیین وقت بهر نهج و هر قدر که باشد از تعیین کارما و رائی این تعیین کارکن را فارغ البال می گزارد آیا نشنیده که اجیر خاص اعنی نوکر وقت ذمه کش اتمام کار نمی باشد و مثل اجیر مشترک باز پرس اتمام کار از آن نتوان کرد خیاطی که بر تنخواهی تا وقت معین بدوزد اگر انگر که تا وقت معلوم دوخته تمام نکند بفتوای شرع زجره توبیخ رانسزد در محکمه قضا فریادی از آن نشنوند آری اگر مقدار از زرباجرة انگر که گیرد و باز تامدة معتد بها کار مستاجر نکند البته دست و گریبانش می توان شد.

الغرض نه آن احکم الحاکمین درباره تحدید تهجد باعداد رکعات حکمی فرستاده بلکه اشاره به تعمیم فرموده و نه رسولش سید المرسلین صلی الله علیه وسلم و علی آله و صحبه اجمعین. قاعده درین باب معین فرموده بلکه گاهی چنین گاهی چنان بطور یک پیش آمد درین راه رفته الداگر باورنداری کتب احادیث را بکشد و به بین که پنج رکعت و هفت رکعة و نه رکعة و یازده

رکعة و سیزده رکعة همه رواية کرده اند و رواية نسائي ازام حبيبه که
 متضمن این معنی ست که هر که در روز یاشب دو از ده رکعة گذارد
 خدائے تعالیٰ برائے او خانه درجته بنا کند مشعر تحدید قیام لیل
 نیست می گویم که این قدر ثواب بر همین قدر رکعات متفرع بود گو
 کم و بیش هم ازین عدد داخل قیام لیل باشند ورنه روایات مشار الیها
 را چه جواب خواهند داد و باین همه اگر نیک بنگرند لالچ می شود
 که این دو از ده چیزی دیگر است و قیام لیل که فضائلش مشهور
 است چیزی دیگر و یحتمل که شش رکعة بعد مغرب یا چار اول
 عشاء و دو رکعة دیگر که سوائے دو رکعة موکده بعد عشاء وارد
 شده بغرض همین سعادت معلومه تجویز کرده باشند و شش رکعة
 اشراق و چاشت و چار فعی الزوال باد و اول عصر یا دو رکعة بعد ظهر
 که سوائے دو رکعة موکده در نسائي وارد شد بهمین غرض در روز
 معین کرده باشد والله اعلم. بالجمله درباره تحدید اعداد رکعات
 تهجد با جهاد که از اعداد مجاهدین بعدد می مقید نیست و از هیئات
 و اوقات و آلات و جهات به چیزی معین نه بیک پله می منجد هر
 که داند می داند و هر که نداند و فهم بهره ندارد این چنین سخن
 شنیده برخود می پیچید مگر مارا بازید و عمر کار نیست آنچه
 فهمایند اند میگویم آری حضرت عمر رضی الله عنه که خلیفه
 راشد اند و بُرشد اوشان خود حضرت رسالت پناه صلی الله علیه
 وسلم سالها سال پیشتر از خلافت شان باین طور گواهی داده اند که
 الحق عن ابن عمر رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان
 الله جعل الحق على لسان عمرو و قلبه. ۱۲.. اخرجه الترمذی. و فی رواية ابی

داؤد و عن ابی زر قال ان الله وضع الحق على لسان عمر ۱۲. عن علی قال ما كنا نبعدان السكينة تنطق على لسان عمر. رواه البيهقي في دلائل النبوة. ۱۲) ينطق على لسان عمر يا لو كان (عن عقبه بن عامر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لو كان بعدى نبي لكان عمر بن الخطاب. اخرجه الترمذي) بعدى نبي لكان عمر او كما قال. قيام ليل رمضان خاص به بست ركعة محدود کرده اند چنانچه روایت موطا درین باب خود آن عزیز رقم زده اند آنچه اول اول در زمان حضرت عمر رضی الله یازده می خواندند معارض تحدید نیست قبل اجتماع آرا و استقرار رائے خوانده اند چنانچه قول امام مالک رحمة الله در مؤطا (في الموطاء عن يزيد بن رومان انه قال كان الناس يقومون في زمان عمر بن الخطاب في رمضان ثلث عشرين ركعة ۱۲. ايضا الخ) باین امر گواه است چون برده از حقیقة کار افتاد و هر کس حقیقة الامر را عیان دید و غرض شارع فهمید و انکه نادیده بود از بینندگان بشنید همه بر ادائے بست رکعة کمر بستند و خیال هائے دیگر را بشکستند. والله اعلم بحقیقة الحال.

غرض نبی باشد یا خلیفه هر چه آخر حال اوست اقتدا و اهتدا باو شاید ورنه در هر باب باعتبار اختلاف اوقات روایتها روایت کرده اند بالجمله باهتمام خلیفه راشد و عدم انکار دیگران برو که مدار سنیت سنن اوشان بر همین ست چنانچه "مראה المؤمنین حسناً فهو عند الله حسن" بلکه آیه "ليمكن لهم دينهم الذي ارتضى لهم" بر آن دلالت دارد به نسبت بست یافته می شود نه به نسبت یازده و همین دم عرض کرده ام که سنن خلفاء اگر می باشد از دو قسم مذکوره می باشد اکنون می باید دید که قیام رمضان ازین دو قسم کدام است

این نتوان گفت که از مقتضیات نصوص و ذرائع مقاصد شرعیه و وسائل مطالب دینیّه است ورنه آن مقصود کدام است و آن مطلوب چیست و قتیکه مامور بودن مقتضیات نصوص فرع مامور بودن منطوق عبارة النص باشد اطلاعش بعباد اول ضروریست پس لا جرم تراویح از قسم اول باشد اندرین صورت باین عدد بست و این هیئات کدائے چنانکه متوارث است حضرت عمر رضی الله عنه که بالقرین و بالاجماع خلیفه راشد انداز حضرت صلی الله علیه وسلم دیده یاشنیده باشند اکنون می پرسم که اگر روایت تراویح از حضرت صلی الله علیه وسلم که مشعر بست رکعة اند ضعیف اندچه نقصان هاں اگر ضعیف را خلاف واقع و معارض حق بودن ضروری بودے یا توارث عملی از زمان نبوة علی صاحبها الف الف صلوة و سلام یا زمان خلافت علی اهلها مغفرة و رضوان از اقسام حدیث نبودی منکران بست راوهان کشائے و زبان آرائے بجائے خود بود آندم بر یکی از هزار هم روترش نمی کردیم لیکن همه می دانند که اقتضائے ضعف فقط همین قدر است که منطوق حدیث قابل اعتبار نباشد نه آنکه نقیض آن معتبر بود ورنه ادراک حق از ضعاف به نسبة صحاح اگر سهل تر نبودے برابر بودے و هم چنین این هم هویدا است که متوارثات زمان نبوة یا خلافت از اقسام حدیث بلکه از عمده اقسام آنهاست ورنه تکفیر منکر اعداد رکعات فرائض و سنن رواتب چه معنی داشت در کلام الله ازین معنی حرفی نگفته الداحادیث مشعر تعداد رکعات که کتب احادیث آورده اند بحد تواتر نرسیده اند و ایمان چون منحصر در القرار و تسلیم " لا إله

الا الله“ محمد رسول الله است صلى الله عليه وسلم كفر نیز منحصر در انکار همیں دو خواهد بود و ظاهر است که انکار رساله همیں انکار قرآن و حدیث است و همچنین انکار ألوهية انکار عبودية است که انکار احکام نازلہ متضمنه قرآن و حدیث خواهد بود و منکر اجماع اگر کافر است آن نیز به همیں انکار حدیث و قرآن کا فراست چه مبناء اجماع نیز مثل سنة خلفاء بر قرآن یا حدیث است ورنه از آیه ”اتبعوا ما انزل“ و حدیث من احدث چگونہ تو ان رست چون توارث از عمده اقسام احادیث است ثبوت تراویح تازمانه حضرت عمر رضی الله عنه بتوارث بدست آمد زان بعد باقتضاء نص ”علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدين من بعدی“ به ثبوت پیوست اکنون بفرمائید که باستماع رد و قدح ابناء روزگار درباره تراویح دل ما اگر زیر و زبر نشود چون شود افسوس علماء و متقدمین سنة و ملت را فراهم آوردند و اقامت فرمودند و علماء ای زمان چون آن کار نتوانستند برخاستند و سهل برهم زدند ”ربنا لا ترغ قلبونا بعد اذ هدیتنا و هب لنا من لدنک رحمة انک انت الوهاب“ بدلم می آید که بخدمت منکران امور این قسم بشینم و ما فی الضمیر خود را عرض دارم مگر نه امید انصاف است نه اطمینان از طرف اعتساف هر یک بعلم و عقل خود مغرور همیں به که زبان در دهان کشیم و به مطلب دیگر قلم در کشیم برادریم هر چند از قصه تعارض حدیث حضرت عائشه با احادیث مشعر بست رکعات سینه پاک شده باشد آن عزیز دانسته باشند که چنانکه با حدیث مشعره بست رکعات اکنون حاجتی نمانده هم چنان آن احادیث را اگر حدیث

حضرت عائشه رضی الله عنها تخالف است گویا باشد ما راجه زیان مگر تاهم رمزی ازیں باب ہم باید گفت و هانم تنگ زبانم کوتاه چگونه این حرف بزرگ بر زبان رانم که امام همام ابن همام که در جودة طبع یکتاء روزگار و در تبحر مواد شرعیه بحر ذخار بوده درین تحقیق خطا کرده مگر اگر نگویم چکنم چون نگویم لفظ ماکان یزید که درین حدیث حضرت عائشه رضی الله عنها واقع است و مدار زعم تعارض بر همان ست لا ریب بحکم انصاف از باب قلب ست و مفادش کان لا یزیدست که براستمرار عدم زیاده دلالة دارد نه عدم استمرار و دوام زیاده ورنه باعتبار آنکه معنی اصلی و مطابقی از معنی مجازی مقدم است دلالة بر عدم دوام زیاده دارد که باعتبار آن معارض حدیث بست ست و نه بهر منع از زیاده دلیل لیکن چنانکه حق آنست که گفتیم این نیز محقق است که کان دوام و استمرار را بطور یکہ مخالف آن گاهی بر ساحة وجود ظهور نکند نمی خواهد اوراق مسلم را که در کتب اصول مسلم است بگردانند و درباره استمرار کان بینند که چه نوشته اند آنچه این هیچمدان عرض کرد ان شاء الله همان خواهد برآمد و این طرف حدیث " کنت اطیب رسول الله صلی الله علیه وسلم لا حرامه حین یحرم و لحله قبل ان یطوف بالبيت " خود از حضرت عائشه رضی الله عنها در بخاری فی باب الطیب عند الاحرام مرویست شاهد این مدعاست چه این واقعه بجز یک باز صوره نه بسته " قال النووی فی شرحه علی المسلم فی باب صلوة اللیل و اعداد رکعات النبی صلی الله علیه وسلم قد قالت عائشة رضی الله عنها کنت اطیب رسول الله

صلی الله علیه وسلم بحله قبل ان يطوف و معلوم انه صلی الله علیه وسلم لم يحج بعدان صحبته عائشة رضی الله عنها الا حجة واحدة و هي حجة الوداع فاستعملت كان فی مرة واحدة ولا يقال لعلها طيبة فی احرامه لعمره لان المعتمر لا يحل له الطيب قبل الطواف بالاجماع فثبت انها استعملت كان فی مرة واحدة كما قاله الاصوليون "باب همه اگر همین تعارض ست احادیث منجره ثلاثه عشره که روایتی ازان در بخاری شریف از حضرت عبدالله (رضی الله عنه) البخاری عن ابن عباس رضی الله عنهما كان صلوة النبی صلی الله علیه وسلم ثلاث عشرة ركعة یعنی باللیل ۱۲. (ابن عباس رضی الله عنهما) و هم از حضرت (رضی الله عنه) البخاری عن عائشة قالت "كان رسول الله صلی الله علیه وسلم يصلي يعمل باللیل ثلاث عشر ركعة ثم يصلي اذا سمع النداء بالصبح ركعتين خفيفتين ۱۲ عائشه رضی الله عنها در موطاء (ابن موطاء عن عائشة أم المؤمنين قالت كان رسول الله صلی الله علیه وسلم يصلي باللیل ثلاث عشرة ركعة ثم يصلي اذا سمع النداء بالصبح ركعتين خفيفتين) رحمة الله در صلوة النبی صلی الله علیه وسلم فی الترواؤز أم سلمه رضی الله عنها در نسائی وارد شده و هم چنین احادیث خمس و سبع و تسع که خود از حضرت عائشه رضی الله عنها و غيرها مرویست و در نسائی موجود است نیز صحیح اند پس نعوذ بالله منه یا این حدیث حضرت عائشه رضی الله عنها غلط خواهد بود یا آن احادیث اکنون به جز اقرار صدق وقوع جمله احادیث چاره نیست مگر چنانکه تصحیح روایت حضرت عائشه رضی الله تعالی عنها بحمل بر عاده غالبه یا اخبار حسب علم خود و تصحیح روایات مشعره لثلاثه عشره بحمل بر خواندن گهه و

بیگاه می کنند هم چنین توفیق حدیث حضرت عائشه رضی الله عنها بآن احادیث که متضمن بست رکعة تراویح اند میتوان کرد وضعف آن بتوارث مذکور واقتضاء نص "علیکم بستى الخ" منجبر توان ساخت بلکه حاجت انجبار آن هیچ نیست اصل مطلوب از توارث و اقتضاء مذکور ثابت شد این احادیث اکنون کار شواهد خواهند کرد و شاهد را چندان حاجة صحت نیست با ضعف هم کار می توان کرد اکنون ثبوتی که مستفاد از توارث و اقتضاء مذکورست چنانکه مذکور شده تن تنها از ثبوتات متکثره دیگر ثابتات بالاترست چنانچه رمزی ازین آویزه گوش سامعان کرده آمده ام دو بالا خواهد شد باقی مانده آنکه شیخ ابن همام علیه الرحمة یازده راسنة می فرمایند اگر از قسم را بع شمرده اند قول شان برسر و چشم من مانیز می گوئیم که اصل تهجد از قسم ثالث است و تعیین اعداد رکعات از قسم رابع اگر برین قدر اکتفا کنیم پاک نداریم بدست مدعیان سنیت عدد یازده دلیلی نمی بینم که عدد یازده را ازین قسم ترقی داده باقسام ثلاثه سابقه رسانند و قول منکرانرا بگردانند مولوی صاحب این تماشا دیدنی است منکران بست رکعة یازده راسنة می شمارند و بست و ابدعة می انگارند بطوریکه مذکور شد قصه منقلب شد تعیین یازده در تهجد سنة نماند و تعیین بست رکعة مسنون برآمد "الحمد لله على ذالك والله اعلم. مگر پیشتر عرض کرده آمده ام که تعیین اعداد رکعة در تهجد از قسم ثالث است من برهما قول اول مستقیم ام و آن طرف می ترسم که باسماع این قول موثری برتن شما خیزد بدین وجه هم یاد کردن ازان

ضرور افتاد و توجیه قول ثانی لازم آمد مگر این قصه اصلے و تمهیدے می طلبد آن این ست که هر چیزے را صفتی باعتبار ذات خود می باشد قطع نظر از اغیار و حالتی باعتبار چیز دیگر می بود که آنرا وضع آن باید گفت قیام لیل نیز دو جهة دارد جهتی من حیث وجهتی باعتبار انسلاک او در مسلک خمسین تفصیل این اجمال چنانکه دانسته این ست رسول الله صلی الله علیه وسلم چنانکه عبد کامل و اکمل افراد بشر در عبودیه اند چنانچه خطاب عبده دادن و بناء رساله شان بر آن نهادن بریں گواه ست و نیز نزد همه مسلم همچنان کمال عبودیه دران ست که باصل حکم در تعبدات محضه و باول امر در عبادات خالصه سر نهاده آید گو نظر بر ضعف عباد از آن طرف تخفیف فرموده باشند و اول امر را بامرثانی که از اول اخف باشد منسوخ نموده باشند و بقاء استحباب بعد نسخ فرضیه که شنیده باشی هم ازین که عرض کردم خبر میدهد و این بقاء استحباب مخصوص بهمین قسم می نماید و ظاهر است که نماز تعبد محض است هیچ گونه شائبه و ساطتِ امر دیگر که بذات خود تعبد باشد دران یافته نمی شود هاں اگر صوم یا زکوة را گویند که بذات خود از تعبدات نیستند آری ذریعه سهوله تعبد خویش بادیگران می شوند ازین وجه آنها را تعبد عارض گردیده می سزد چه تعبد تدلل و تخشع است امری بیش نیست و نظر بر حقیقه صلوة و حقیقه صوم و زکوة هویدا است که آن در اول ست نه در ثانی و این نیز معلوم و مسلم است که فرائض نماز بوجه تخفیف در شب معراج ازین جاه منسوخ شده بر پنج رسیده اند چنانچه جمله خلفت

عن عبادى و امضيت فريضتى او كما قال كه در بعضى روايات حديث معراج ﴿عن مالك بن مسعود رضى الله عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم فى حديث المعراج الى آخره نادى مناد امضيت فريضتى و خفت عن عبادى ۱۲﴾. اخبره بطوله البخارى والمسلم ﴿در صحاح موجود است برين دعوى شاهد معتبر ست اكنون نظر بر كمال عبوديت آنسرور صلى الله عليه وسلم بى تامل ايمان مى آريم كه آن پنجاه را از دست نداده باشند و اگر غور كرده شود آيه فاستقم كما امرت نیز اشاره بدین جانب دارد والله اعلم بالصواب و استقراء و تتبع احوال آنحضرت صلى الله عليه وسلم نیز درين باره اطمینان فى فرمايد چنانچه در باره صوم چون احوال صلى الله عليه وسلم را بغور دیدیم و فكر كرديم دریافتیم كه صيام آنحضرت صلى الله عليه وسلم مطابق بعض روايات كه از فرضیه صيام ششماه و بازى بصيام يك ماه منسوخ شدن خبر مى دهد كه در يك سال كم از شش ماه نمى بودند بلكه بحساب ادغام صيام ايام اسبوعات در صيام تواریخ مشهور هم زیاده از شش ماه مى شود فلیحا سب بالجمله چون حساب نمازها شب و روز آنحضرت صلى الله عليه وسلم كرديم بى كم و كاست پنجاه ركعة یافتیم بلكه بعض اوقات اگر زیاده شده باشد عجیب نیست آن حساب اگر مطلوب ست بشنويد بست و نه (۲۹) ركعت فرائض شب و روز مع سنن رواتب یازده ركعة تهجد مع و تراین همه چهل (۴۰) شد باز دو (۲) ركعة اشراق و چهار ركعة چاشت حسب روايت حضرت على رضى الله عنه كه امام ترمذی آورده و چهار ركعة فى الزوال بر آن افزودند پنجاه شدند ازین

جمله اگر طرفی می کاستند بطرف دیگر افزوده باشند و بناء کمی و بیشی تهجد و خواندن و نا خواندن اشراق و چاشت حسب اختلاف اوقات بر همین کاستن و افزودن مبنی می بینم باز چون از عقل خود پرسیدیم فتواء اونیز همین یافتیم که حقیقة صلوة همین یک رکعة است و بس چه بعد اتمام رکعة در هر نماز باز همان ارکان رکعة مکرر می شوند پس چنانکه اطلاق گندم از یکدانه گرفته تا انبارها و خروارها درست ست این جا هم اطلاق صلوة از یک رکعة گرفته تا هر قدر که بهم کرده شوند درست ست مگر چنانکه از اطلاق گندم هر یک دانه و انبارها و خروارها دریافتیم که حقیقة گندم همین یک دانه است و در انبار گندم همان دانه مکرر سکرر آمده چیزی دیگر نیفزوده که درین باب محل اعتبار توان شد ورنه اطلاق گندم بر یک دانه روا نبودی چنانکه بر کم ازدانه روانیست مگر آنکه مجازاً گفته شود هم چنان درباره نماز اطلاق مذکور بدین جانب پی بُردیم که حقیقة صلوة فقط یک رکعة است و در زیاده ازین تکرار همان ست که مصحح اطلاق صلوة گردیده چیزی دیگر نیفزوده که آنرا مناط صلوة توان گفت پس کم از یک رکعة را نماز نتوان گفت مگر آنکه مجازاً گفته شود چنانکه صلوة جنازه را نماز و صلوة گویند باز چون تتبع احادیث کردیم ازاں هم اشاره باین طرف یافتیم ارشادات چند اعنی من عن ابی هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من ادرك ركعة من الصبح قبل ان تطلع الشمس فقد ادراك الصبح الخ ۱۲۰ .
 اخرجه البخارى والمسلم. ۱۲۱ ﴿ ادرك ركعة من الفجر قبل ان تطلع

الشمس الخ و نیز من ﴿و عن ابی هريرة رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من ادرك ركعة من الصلوة مع الامام فقد ادرك الصلوة ۱۲.﴾
 ۱۲. اخبره البخارى والمسلم ﴿ادرك ركعة من الجمعة و نیز من ﴿و عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من ادرك من الجمعة ركعة فليصل اليها اخرى اخبره فى المشكوة عن الدارقطنى ۱۲.﴾ ادرك ركعة من الصلوة که در صحاح يافته مى شوند از همين دعوى خبر مى دهند ورنه تخصيص ركعة سودى نداشت و ازین جا دریافته باشی که معنى من ادرك ركعة من الفجر الخ او كما قال این ست که من ادرك ركعة من الفجر قبل ان تطلع الشمس فقد ادرك فضيلة الصلوة فى الوقت نه اینکه نماز اتمام شد یا الحاق ركعة ثانى همين دم بر ركعة أول باید نمود تا معارض احادیث ممانعة نماز درین اوقات معلومه شود و حاجة نسخ یا تخصيص افتد بلکه درباره اتمام والحاق مذکور این کلام ساکت ست نه معارض و میدانیم که فقهاء نیز حقیقة صلوة همين یک ركعة را داشته اند که اجازت خواندن سنت صبح در صورة ظن ادراك یک ركعة داده اند و ازین جا خوش فهمی امام همام ابو حنیفه رحمة الله عليه كوفى و سخن ناشناسی طاعنان اوشان دانسته باشی باقى ماند اینکه اگر حقیقة صلوة همين یک ركعة است و بس و اطلاق صلوة بر زیاده ازاں بوجه ازدیاد آن ست چه پیش آمد که تنها یک ركعة على اختلاف الاقوال ممنوع یا مکروه شد و هم چنین زیاده از چار یا هشت بهم کردن نا پسند آمد مخالف این سخن نیست کمی بیشی طلب و مطلوب تعلق بحکومت و حکمة دارد و تفصیل این چنین امور نه

کارما نابکارانست نه درخور این مبحث و این ابنان باین همه اگر این چنین مضامین را تمنا داری قدری انتظار بکاربر که مشتی ازین خروار ان شاء الله پیش می آید مگر اکنون ازین سور و تافته باصل مطلب می آیم چون این قدر محقق شد که حقیقة صلوة همین یک رکعة است و بس و حضرت سید العباد صلی الله علیه وسلم بادائی پنجاه رکعة شب و روز از عهده آن امر قدیم و عهده عبودیه کامله خویش بدر می آمدند این قدر خود محقق شد که اگر یک طرف کاسته باشند چنانچه در بعض اوقات بغرض دفع ایهام و جوب دراین چنین اعمال می فرمودند بطرف ثانی افزوده باشند تاجبر نقصان هم شود وهم هویداگر دد که درچنین امور عدد باعتبار ذات معتبر نیست اندرین صوره اختلاف تقید قیام لیل بقیود اعداد مختلفه باعتبار اختلاف اوقات نظر بذات قیام لیل از قسم رابع است و نظربه تکمیل خمسین که بذات خود مقصود است خصوصاً در حق اکمل افراد عباد صلی الله علیه وسلم از قسم ثالث است که ذریعه این تکمیل می شد لیکن هر که می داند میداند که لحاظ تکمیل خمسین خواستگار جبر نقصان است نه مانع از ازدیاد ازاں تایازده یاسیزده را حداعلی قرار دهند و زیاده از یازده و سیزده بدعه انگارند نعوذ بالله من سوء الفهم مارا بلحاظ فضائل دیگر صلوات مثل نوافل عصر و مغرب و عشاء اعنی ماوراء سنن راتبه و یاد کمال عبودیه آنحضرت صلی الله علیه وسلم خود بخود بدل می آید که بالذیشه فرضیه بردیگران مداومت و مواظبه بر آن فرموده باشند بالکل ترک هم فرموده باشند و در صوره ادائی آن چنان می پنداریم که باعداد

صلوات معتاده پیوسته زیاده از پنجاه شده باشند مگر آن که دران ایام از صلوات معتاده همین قدر کاسته باشند و الله اعلم بالصواب. اکنون امر دیگر باید شنید که حال جناب سرور کائنات علیه و علی آله الصلوات والتسلیمات خوب نمی دانیم و رازیکه میان او تعالی و آنحضرت صلی الله علیه وسلم ست نمی شناسیم بیقین نتوان گفت که تکمیل خمیس بر آنحضرت صلی الله علیه وسلم فرض بود یا از طرف خود بحکم تعبد کاربند آن می شدند اما حال خویش و احوال دیگر امتیان یقین میدانیم که در اوشان تکمیل خمسین بالا از استحباب نرفته. لیکن ماوراء این استحباب آیه "فاستبقوا الخیرات" و آیه "ان الانسان لفی خسر الا الذین امنوا و عملوا الصالحات" و جمله الا ان تطوع که در جواب سائل از کمیة فرائض بعد آنکه او مقدار آن شنیده گفته هل علی غیر هن او کما قال فرموده اند استحبابی دیگر بگوش رسانیده داعیه هل من مزید دارد و این طلب نه چنان ست که بر مقداری و امانش پرتوان کرد چندانکه کوشی یکی از هزار هم نه بجا آورده باشی و این ازدیادنه مثل ازدیاد رکعات فرائض است تا گفته شود که چنانکه بجائے دو رکعة صبح اگر سه یا چار رکعة بیک سلام خوانی از حد خداوندی بردن رفته باشی این جانیز باز دیاد از قدر معلوم در زمر مبتدعان منسلک گردیده باشی حاشا و کلا بلکه مثل روایب و دیگر نوافل باید پنداشت که باوجود ازدیاد از فرائض که حدود خداوندیست تجاوز و تعدی از حدود خداوندیش نتوان گفت مثالش اگر بکار است بشنوید بزرگے از خادم مخلص که جان را ازان اوداند بهر برنج شیرین پخته مثلاً

بفرماید و بفرماید که برنج این قدر باشد و شیرینی و روغن این قدر و گل این قدر پس آن خادم اگر در بعض اجزاء از حد تناسب افزاید مثلاً در یک آثار برنج یک من شیرینی یا یک من روغن اندازد گو بزعم خود کارنیک کرده که بجائے کم زیاده آورده لیکن در حقیقة خطا کرده و مقصود اصلی بکه لذة خاص بود بیاد داده آری اگر اجزاء متناسبه آورده مگر در مقدار مجموعه افزوده آن بزرگ اگر آثار فرموده بود این خادم دو آثار برده این با خطا گفتن خطا است هم چنین فرائض مطلوبه خدا وندی را باید شناخت تناسب اجزاء در همین صورة منحصر است که می خوانند اگر رکوع یا سجود یا رکعة از مقدار خود افزاید مقصود اصلی که حسن عبادة است میکاھلو اگر ماوراء فرائض نماز هائے جداگانه که با فرائض علاقه نداشته باشند کسی بخواند هر قدر که خواند گو بخواند و مثالی روشن ترازین وجود انسانی است که چشم و گوش و بینی و دست و پا هر یک اجزاء را مقداری و عددیست که کم و زیاده ازان هر دو نامناسب و مخل حسن اوست هان اگر بجائے یک فرد دو یا زیاده بدست آیند مقصودی از دست نمیرود اکنون سخن دیگر باید شنید که یازده را وجه دیگر هم است که بآن طریق هست رکعة تراویح هم موجه می توان شد تفصیلش این است که خداوند علیم و حکیم در قرآن مجید میفرماید " ما ننسخ من آية او ننسها نأت بخیر منها او مثلها " و این طرف خود مسلم است که پیش از فريضه نماز پنجگانه اگر فرض بود تهجد فرض بود آن را منسوخ کرده این نماز هائے پنجگانه فرض کردند بقرینه آية مسطورة میدالیم که آنها کم از کم

بدرجه مساوات قیام لیل باشند مگر چون غور بکار بردیم دانستیم که نمازها همه افراد یک حقیقه الد فضیلت یکے بردیگرے از خارج باشد آنرا منحصر در کمی و کیفی و وقت می بینم فضیلة کمی همیں زیادتی یکی بردیگری در اعداد رکعات است و فضیلة کیفی منوط بطول قنوت و اطمینان رکوع و سجود است باقی فرق خشوع و خضوع از ما نحن بر کران ست چه مارا سخن در هیکل نماز است که از افعال جوارح است زیرا که عدد پانزده و بست تعلق بهمیں دارد نه بیاطن نماز که احوال دل باشند باقی ماند فضیلة وقت معنی اش اینست که چار رکعة شب مثلاً از چار رکعة روز افضل است باز چون دیدیم که سواء مغرب نماز هائے چار گانه دو دو رکعة بود چنانچه از حضرت عائشه رضی الله عنها در صحاح مرویست و تا آن زمان و تر واجب نشده بود حاصل جمع رکعات فرائض یازده شد و این طرف دیدیم که رسول الله صلی الله علیه وسلم در قیام لیل عدد یازده مرعی می داشتند اکنون نظر باین مقدمات به تساوی فرائض در قیام لیل باعتبار عدد پی بردیم چنانکه از اختلاف تشکلات قمر و بقائے آفتاب بحال خود در اوقات قرب و بعد قمر از شمس و حیلولة ارض ما بین شمس و قمر و لحاظ کرویة هر سه اشیاء با استفاده نور قمر از نور شمس سراغ می بریم لیکن چون رسول الله صلی الله علیه وسلم بریں عدد مواظبة نمی فرمودند مگر آنکه صلوٰة مغرب و عشاء یا سنن رواتب آن را در قیام لیل چنان که می سزد شمرده باشند دانستیم که از حق جل و علی تعیین این عدد نشده بود آری اگر از تسهیل و یسر مادر گزشته کار بر ماتنگ می

فرمودند و قیام لیل را موکد یا فرض می فرمودند لا جرم آن زمان همیں عدد می آمد چه تعیین اعداد و هیئت از لوازم موکدات و فرائض است باز چون در اوقات ثلاثه بجائے دو رکعة چار کردند و وتر را دیگر افزودند بلحاظ سه رکعة وتر مجموعه ما قبل و ما بعد بست رکعة برآمد اکنون اهتمام حضرت عمر رضی الله عنه به نسبة بست رکعة که مانا ماخوذ از معدن نبوة علی صاحبها الف الف صلوة و سلام خواهد بود چنانچه معلوم شد بدین جانب راه می نماید که قیام لیل را از ابتداء بعثة نبوی علیه السلام تا زمانه وفاة صلی الله علیه وسلم همچنان مطلق داشته بود بیاس آیه "ما نسخ من آیه" هر قدر که در فرائض از آن طرف می افزودند ازین طرف در قیام لیل افزوده می شود مگر چون این قسم اشارات از عزیمت در درجه زیرین افتاده و باز هر کس را اطلاع آن میسر نیست حضرت رسول صلی الله علیه وسلم دیگران را بآن طرف نخواندند شاید همیں ست که حدیث قولی درباره تحدید قیام لیل بعددی یافته نمی شود مگر آنکه ما هیچمدانان ندیده باشیم و هم نشنیده باشیم باقی ماند آنکه باوجود ازدیاد در فرائض معتاد آن سرور صلی الله علیه وسلم همان یازده ماند بست رکعة اگر خوانده باشند دو سه روز خوانده باشند و جهش چنان می نماید که اصل در فرائض همان دو رکعة است ورنه در سفر هم رخصة قصر ہی محل بود و این افزایش دو رکعة بغرض تکمیل ست چنانکه خواهی دالست یا بغرض جبر نقصان که اکثر بوجه غفلت در نماز اکثر راه می باید و همیں ست که چندان اهتمام قراءه و غیرهم در آن نکرده شد و در سفر که محل خطر بود

و مظنه آفات اداء چار دشوار دیده بر همان دو اکتفا فرمودند و شان نزول وتر را اگر تجسس کنیم درباره آنها از احادیث لفظ امدکم ﴿عن خارجه بن حذافه قال خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم وقال ان الله امدكم بصلوة هي خير لكم من حمر النعم الوتر جعله الله لكم فيما بين العشاء الى ان يطلع الفجر ۱۲﴾. اخرجه الترمذی و ابوداؤد ۱۲ ﴿یا مثل آن که بر زیاده بودن آن در اصل نماز دلالة دارد می یا بیم نظر برین اصل قیام لیل همان یازده ماند باز قیام لیل چندان موکد نبود که به تکمیل آن می پرداختند یا از نقصان دران اندیشیده فکر جبر آن می کردند و از یازده به بست می بردند هان قیام لیل رمضان خاص موکد شد چنانچه جماعت که از خصائص مؤکدات ست و خود رسول الله صلى الله عليه وسلم بجماعة خواندند و باز صحابه هم با جماعة بجا آوردند برین قدر گواه کافی است و کشیدنش باول شب از آخر که از تسهیل خبر میدهد نیز بر موکد بودنش دلالة دارد چه تسهیل در همان امر میباشد که تکلیف بآن می دهند چنانچه تخفیف در فرائض که حضرت رسول الله صلى الله عليه وسلم مرعی میدانستند و هر امام مامور بآنست نیز برین امر دلالت دارد و شاید بغرض همین تسهیل فرائض نماز را که فقط در شب ادا کرده می شدند بر اوقات پنجگانه تقسیم کردند غرض چون قیام لیل رمضان موکد شد فکر تکمیل و جبر نقصان اول لازم آمد و از یازده به بست رسانیده شد و وجدانم میگوید که حکمت در بست رکعة صلوة اوّابین بعد مغرب چنانکه در ابن ماجه از صحاح مرویست همین لحاظ تساوی قیام لیل و فرائض پنجگانه با وتر است مگر چون اصل

فرائض یازده بودند چنانکه گذشت نظیر آنرا در قیام لیل که یازده رکعة باوتر بود در افضل وقت از شب یعنی آخر نهادند و بست اوابین را که نظیر فرائض بشرط اشتغال برزواند بود در اوّل وقت که ادون از آخر است جادادند و مؤد تناظر این نظائر این هم است که دریازده رکعة فرائض وتر نبود زین سبب شمردنش در نظیر دیگر برے جانشد بجاشد و در بست رکعة فرائض وتر محسوب بود در نظیرش که صلوة اوابین است نشمرده شد تا تکرار منافی تناظر است لازم نیاید اندرین صوره اگر تراویح را صلوة اوابین یا نماز دیگر گویند و از قیام لیل معتاد نشمارند اعتراض تعارض بیک سومی رود چه آن چیز دیگر شد و این چیز دیگر ماندوشنیده ام که شاه عبدالعزیز صاحب رحمة الله علیه نیز بهمین طور تطبیق داده اندو بناء توفیق برتغائر نهاده اند مگر این شنیده نشد که مصداق تراویح همی صلوة اوابین قرار داده اندیا چیزی دیگر یادریں باره هیچ رقم نفرموده انداندرین صوره بدر آمدن از عهده هر یک جداگانه دشوار دیدند صلوة اوابین را از جائے خود کشیده چیزی دورتر بردند اعنی بعد عشاء انداختند تا بین واقع شود و از اوّل و آخر هر طرف فضیلتی بخود جذب کندو کار هر دو ادا کند شاید همی است که در آخر شب از شب هائے مذکوره همی صلوة بعد عشاء چندان دراز کرده اند که نوبه تهجد نیابد بلکه اندیشه فوت سحر پیش آمد چنانچه در احادیث $\text{«اخرج النسائی عن ابی طلحة قال سمعت النعمان بن بشیر علی منبر حمص یقول قمنا مع رسول الله صلی الله علیه وسلم فی یشهر رمضان لیلة لث و عشرين الی لث اللیل الاول ثم قمنا»}$

معه ليلة خمس و عشرين الى نصف الليل ثم قمنا ليلة سبع و عشرين حتى ظننا ان لا ندرك الفلاح و كانوا يسمونه السجود. انتهى رواه ابو داود و الترمذی و ابن ماجه بمعناه. ۱۲ ﴿ دیده باشی و الله اعلم اندرین صوره شاید معنی قول حضرت عمر رضی الله عنه آنچه به سبب تراویح ازاں باز می مانید از تراویح بهتر است مبنی بر همین تغایر حقیقی باشد ورنه اشان بجانب فوات فضیلة آخر شب خواهد شد باقی ماند اینکه آن سرور صلی الله علیه و سلم دوسه بار بجماعة بجا آورده باز ترک دادندنه ازیں جهة ترک دادند که تا کدش از صل منسوخ شد یا قیام لیل با جماعة ممنوع گشت حاشا و کلا هر که نظر بر احادیث این باب افکنده باشد دانسته باشد که ترک جماعة بمثابه ترک جماعة است وقت شدة التحام حرب عارض شده التحام کفیل سقوط تاکد جماعة در فرائض می شود چون آن عارض از میان برخیزد باز همان نماز و همان جماعة هم چنین آن سرور صلی الله علیه و سلم که رؤف و رحیم بودند بانديشه فرضیه که لازم چنین مسارعة و اهتمام است که از سهولة امر خبر می دهد بجماعة دوسه بار از اصل تاکد آن خبر داده ترک فرمودند و ازیں اندیشه خود خبر دادند تا خلفاء راشدین و متبعان مخلصین پس از وفاة آنحضرة صلی الله علیه و سلم اقامة این سُنّه فرمایند زیرا که اندیشه مذکور اکنون از میان برخاست و خوف فرضیه بال و پرانداخت اصل تاکد باز از زیر پرده سر بر آورده اُمّیان را باز از سرنو بسخره گرفت الغرض نزول وحی که سرمایه افتراض فرائض و تفنن قوانین و تبدل احکام از استحباب بفرضیه و از فرضیه باستحباب بود موقوف شد منتظران دین و

حکماء شرع متین ازین اندیشه مطمئن شدند و باحیاء این سُنَّة مرده که اندیشه مذکور داء عضال آن شده بود پرداخته مستحق اجر عظیم گردیدند اگر منکران نفهمند اوشان چکنند تقصیر تدبیر اوشان نیست شامة تقدیر منکران ست و باقی ماند دو روایة دیگر روایة سی و شش و روایة چهل که در کفایه یا کتابی دیگر دیده ام هرچند باعتبار روایة قابل اعتبار نیست اما باعتبار درایة استحقاق بتول دارد این خود میدانی که سنن رواتب از مکملات فرائض اند غرض از آنها جبر و نقصان آنهاست که در اکثر مظنون الوقوع است و اگر جبر نقصان نباشد غرض ازان آرائش فرائض بمثابه زینت بدن بلباس و زیور باید فهمید بهر طور مقصود ازان همی تکمیل است اندرین صورت اگر فرائض را باین سنن معیار مقدار قیام لیل نمایند بجائے خود است پس اگر دو از ده رکعة سنن موکده و دو دو رکعة از اوّل عصر و عشاء گرفته بر فرائض افزوده شود مجموعه سی و شش خواهد بود و اگر از اوّل عصر و عشاء چار چار گرفته شود چنانچه تخنیر شارع برین اختیار دلالة دارد با فرائض پیوسته بچهل خواهند رسیدومی تواند که بناء این اختلاف روایات سه گانه این باشد که رسول الله صلی الله علیه وسلم دران سه ایام که تراویح با جماعه گزارده اند نظر بوجوه ثلاثه بسه طریق خوانده باشند والله اعلم بالصواب اما حضرت عمر رضی الله عنه هرچه سهل بود اختیار فرمودند و درین اختیار تخفیف برهمان روش نبوی رفتند که منقول است که آنحضرت صلی الله علیه وسلم در صورة تخنیر ایسرواهون را اختیار می فرمودند و اگر چنانکه گویند

مسقط اشاره روایه سی و شش و روایه چهل فعل اهل مدینه است چنانکه مکیان در هر ترویحه طوافی میکردند اهل مدینه در هر ترویحه چار رکعه میگذارند یاد چار ترویحه اول که بابت رکعه تراویح چهل میکردند و بر ثانی سی و شش اند اندرین صورت میدانم که اصل تراویح در مقابله اصل فرائض باوتر و مکملات تراویح اعنی چار چار فیما بین ترویحات در مقابله مکملات فرائض نهاده باشند پس اگر این فعل مذکور از حضرت رسول الله صلی الله علیه وسلم ماثور است بجائے خود است ورنه آفرین بر دقیقه شناسی صحابه یا تابعین که چسان این دقائق را فهمیدند مگر کونه فهمی کسانے تماشا کردنی ست که این چنین دانشمندان را گزاشته در پئی رائے سراپا هوائے خود می روند آخر بهمین شامة از چاهی اگر می برآیند در چاهی دیگر می افتند و اگر ازیں کم فهم پرسی بحکم آنکه انتظار صلوة حکم صلوة دارد چنانچه در احادیث مصرح است این ترویحات خمسہ نیز که دران توقف مقدار چار رکعه است کار این تکمیل میکند "فسبحان الذی بعث الینا رسولا يعلمنا الکتاب والحکمة والحمد لله علی ذلک" اکنون باید شنید که هر چند تصاویر علماء این چنین درایات را پس می زنند و چون نزنند تائید درایه از روایه نمیدانند مگر امیدم از علماء آنست که مرویات را بوجه درایه هم در قوه اگر برابر قوه روایه نه پندارند چندان کم هم نه پندارند غرض طریق قوه روایه منحصر در قوه سند نیست باعتبار درایه هم روایات را قوت میرسد زیاده اگر نیست درایه را شاهد روایه توان گفت نشیده خداوند علیم و کریم چه می فرماید.

”یا ایها الذین امنوا ان جاءکم فاسق بنباء فتبینوا ان تصیبوا قوما بجهالة فتصبحوا علی ما فعلتم نادمین“. این امر اگر باستحصال سند دیگر باشد که روایانش همه عدول و ثقاۃ باشند آن در حقیقه تبیین نیست مضمون سربسته از تعدد روایات نمی کشاید مع هذا جائز دیگر می فرماید ”واذا جاءهم امر من الامن او الخوف اذا عوابه ولو ردوه الی الرسول و الی اولی الامر منهم لعلهم الذین یتنبطونه منهم“ این علم و این استنباط بر استحصال سند دیگر نمی شنید لاجرم همین درایه خواهد بود که علم و استنباطش می خوانند و فقه و حکمتش میدانند و ما ازین هم فروتر می آئیم و بیاس خاطر کسانی که از حد یازده کم و بیش کردن تعدی از حدود الله می انگارند از اتفاقی بودن یازده یاسیزده در گزشته توجیه یازده چنان می نویسم که یکباره دل شان باغ باغ شود گویس از استماع توجیه بست که از همان توجیه می زاید و از زیر پرده همان توجیه می برآید بار دیگر از اول هم افسرده تر شوند تفصیل این اجمال آنکه بروایه جابر بن عبد الله رضی الله عنه و تخریج نسائی و ابو داؤد در ابواب جمعه در بیان ساعة جمعه از رسول الله صلی الله علیه وسلم مرفوعا به ثبوت پیوسته که روز جمعه دوازده ساعة است و پر ظاهرست که تخصیص روز جمعه اتفاقی است مفهوم مخالف این تخصیص اعتباری ندارد مگر روز جمعه اگر مقدار باین مقدار است هر روز را همین مقدار معیار است و روز و شب همچو دو پله ترازو در اصل بدرجۃ تساوی افتاده باین حساب مجموعه ساعات روز و شب همگی بست و چار خواهد بود و این هم هویدا است که بنده مخلوق اگر از یک طرف زیر بار منتها

فراوان خالق رحمٰن است از طرف دیگر اسیر حاجتهاء بی پایان اگر ساعتی بشکر خالق خود سر بخاک اندازدمی باید که ساعتی بکار خویشتن هم پردازد اندرین صورت بفتوائے عقل می باید که نیمه بهر خود دارند و نیمه از عمر برائے خالق گزارند و از تقسیم روز و شب بردوازده دو ازده ساعة هویدا شده باشد که ساعة از زمانه مقدار اے ست معتدبه که کار معتدبه دران توان کرد پس در هر ساعة از ساعات خدا وندی کم از کم یک نماز می باید و سابق عرض کرده شد که حقیقة نماز همین یک رکعة ست و بس نظر برین کم از کم در شب و روز دوازده رکعة قابل افتراض بود لیکن قاعدة دیگر که حدیث الله و تریحب الوتر ازان حاکی است باین اقتضاء اتفاقی نداشت کمی یا بیشی یک رکعة می خواست مگر در افزون یک رکعة از دو ازده افزائش از حق خود بود که بظاهر هم رنگ ظلم می نمود لا جرم تنقیص یک رکعة از حق خود لازم افتاد و بریازده رکعة اکتفاء فرموده شد یعنی در اول امر که سواء مغرب همه نمازها دو دو رکعة بودند و ووتر تا آن زمانه نیفرده بودند یازده رکعة فرض فرمودند چنانچه از حساب نماز هائے پنجگانه هیودا است علاوه برین چون باقتضاء احسانات خویش و حاجات عباد تقسیم اعمار عباد علی التناصف قرین مصلحت دیدند نصف آخر از روز و نصف اول از شب خود گرفتند و نصف اول روز و نصف آخر شب به بندگان بگذاشتند تا دانی که در معامله هائے فیما بین باین قسم مساهلت باید ساخت و حسن اقسام این ست که قسم کم تر و ناقص خود دیگرند و عمده کامل بشریکان حواله کنند چه نصف

أَوَّل روز در ابتغاء فضل الله و کسب معیشه که بشهادة آیه مشتمله جمله لتبتغوا من فضله که مقصود اعظم از روز است به نسبت نصف آخر اکمل است زیرا که در أَوَّل أَوَّل طاقة در زور و نشاط در شومی باشد و در نصف آخر کلال و ملال عارض حال می شود و همچنین نصف آخر شب در سکون و راحت که بشهادة آیه متضمنه جمله "ولتسکنوا و امثال ذلك" غایه شب است از نصف أَوَّل شب الفضل باین همه اگر خداوند ذوالجلال و الاکرام باین عفو و رحمة و غنا و رافه و امتان و مغفرة و ارادة یسر که آیه "یرید الله بکم الیسر" ازان مخبر است این چنین نکردی باز که کردی و دیگری چه کردی مگر تعمیر این دو از ده ساعة که ابتدایش از زوال و انتهایش بر نصف لیل میشود تا هم بر بندگان ضعیف دشوار بود از اشتغال همگی دو از ده ساعة فرورتر آمده بعبادة أَوَّل و آخر نصفین مذکورین بندگان را خواندند تا خوبی أَوَّل و آخر که مانا حُسن ظاهر است بحمایة عفو و کرم بی پایان رحمن درباره وسط از دارد گیر و تفتیش و تنفر باز دارد چه بسیار از بندگان چنین میکنند او که خداوند و رحمن است چون نخواهد کرد ازیں جا تعجیل ظهر و تاخیر عصر و تعجیل مغرب و تاخیر عشاء تا نصف لیل دریافته باشی و هم دریافته باشی که تاخیر عشاء از نصف لیل در حقیقة قضاء است نه ادا و آنچه در بعض احادیث از التهاء وقت عشاء هر لیل شب ارشاد رفته بجائے خود است آری اگر مساهلة خدا و لدی که حرفی ازان گفته شد بعد نصف هم ادا قرار دهد کیست که رونماید لیکن چنانکه تخفیف در تعبد و نسخ عبادات مشعر استحاب است

چنانکه گفته شد رخصه در مباحات ناظر باصل کراهه است پس هر که بکراهه تاخیر عشا از نیم شب رفته بمغز سخن و حقیقه کارپی برده و منشاء خدا و رسول صلی الله علیه وسلم را بشناخته و جمیع بین و عن ابن عباس رضی الله عنه قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یجمع بین الصلوة الظهر والعصر اذا کان علی ظهر سیرویجمع بن المغرب والعشاء. ۱۲. اخرجہ البخاری الصلوتین جائیکہ ثابت است و آنچه که در حق یکے از زنان مستحاضه بتاخیر ظهر و تعجیل عصر و اکتفا بر غسل واحد بهر هر دو اگر آن غسل بهر تطهیر بود که پس از حیض ضروری است نه بهر تداوی و همچنین بتاخیر مغرب و تعجیل عشاء و اکتفا بر غسل واحد ارشاد فرموده ﴿وان قویت ان توخرین الظهر وتعجلین العصر فتفتسلین وتجمعین بین الصلوتین الظهر والعصر وتوخرین المغرب وتعجلین العشاء ثم تفتسلین و تجمعین بین الصلواتین فافعلی الخ. اخرجہ احمد و ابوداؤد و الترمذی عن حمه بنت جحش. ۱۲﴾ اند بر همین حکمه که عرض کرده ام مبنی می نماید والله اعلم القصه تعمیر همگی دو ازده ساعه بر عباد ضعیف بنیاد دشوار یده بر تعمیر اطراف اکتفا فرمودند آری بخیر اندیشی بنده بجائے هر ساعه یک نماز که آن همان یک رکعه ست قرار دادند تابه بهانه اتمام کارانعام هائے قراوان نثارش کنند و بنظر ملائکه که درباره خلافتش طعنه زده بودند خوارش نکنند لیکن در مجموعه شب و روز چار ساعه اعنی ساعه اول و آخر و ششم و هفتم که ظرف طلوع و غروب و استواء می باشد چنان بودند که ادائے حقوق خداوندی دران چار ساعه کاملاً مکماًلاً صورت نمی

بست چه دانسته که کامل مقدار رکعة یک ساعة است آری در قضاء حوائج بندگان مثل دیگر ساعات آن چار خارج نبودند نظر برین هر هر ساعة ازاں چار ساعة در حکم نصف دیگر ساعات بود چه در دیگر ساعات هم کار خداوندی توان کرد و هم کار خود توان ساخت پس آن چار ساعة بالمعنی مساوی دو ساعة برآمد بدین سبب آن بست و چار متساوی بست و دوشد آنرا علی التناصف تقسیم کردند خارج قسمت یازده برآمد مگر چون این کمی آن چار ساعة باعتبار قابلية بودنہ باعتبار مقدار زمانہ در کمی یک رکعة ازدوازدہ این نقصان مؤثر افتاد اما درباره تقسیم مقدار نظر بر آن کمی کردن از دو ازده مناسب نبود بجائے آن دو ناقصه اعنی هفتم و دو از دهم که در حصۃ خداوندی آمده بود دو ساعة کاملہ اعنی از صبح صادق گرفته تا طلوع بعوض گرفتند چه از صبح صادق تا طلوع هفتم حصۃ شب میباشد و اطول لیالی در اکثر معموره چارده ساعة میباشد کہ هفتم حصۃ آن ہمیں دو می شود الحاصل حصۃ خداوندی باعتبار مقدار زمانہ همان دو از ده ماندا ما باعتبار قابلية یازده ساعة برآمد بوجه مذکوره بالا بجائے هر ساعة رکعتی نهادند و از استیعاب ساعات در گزشتہ با دیک رکعة اجازة دادند و اندرین اخذ و طرح مصلحتی دیگر هم است نماز صبح در وقتی افتاد کہ من وجه از شت من وجه از روز باید گفت اگر زاول روز قرار دهند نماز صبح با نماز آخر روز پیوستہ تعمیر همه روز ببرکات خواهد گردد آخر شب الگارلد نماز صبح با نماز اول شب پیوستہ کار تعمیر همه شب خواهد کرد اگر این مصلحة سراسر

مصلحة و منفعة عباد و بظاهر موهم انهماک اوشان بکار خدا وند باداد بود باعث برین اعتیاض نبودی خدا وند داد اگر بوجه عدم صلاحیت نماز ازاں جمله چار ساعة بهر نهج اغماض فرمودند و نوبة طرح نصف واخلد نصف نرسید و بالجمله وجوه مذکوره بالا همه مقتضی آن بودند که هر بنده ناتوان یازده رکعة فرض کرده شود شاید بهمین وجوه در اول امر در اوقات چار گانه سوائے مغرب دو دو رکعة فرض کردند و در وقت مغرب سه رکعة تجویز نمودند مجموعه این رکعات همان یازده می شود و میدانی که تا آنزمانه و ترنیفروده بودند تا احتمال چارده رکعة موجب پریشانی شود دلیل این معنی که در اول امر دو دو رکعة بودند همان حدیث حضرت عائشه رضی الله عنها ست که در صحاح عن عائشة رضی الله عنها قالت فرضت الصلوة رکعتین رکعتین فاقرت الصلوة السفر و زید فی صلوة الحضر اخرجه النسائی و کذا فی البخاری بمعناه. ۱۲ ﴿ دیدہ باشی باقی ماند آنکه وتر از ملحقات ست نه از اصول صلوات دلیلش اگر می طلبی در لفظ امدکم و امثالش که در شان نزول وتر فرموده اند بنگر و غور را کار فرما باز بگو که همین التحاق زبر او زیر این پرده می برآمد یا چیزی دیگر باز چون سید الانبیاء والمرسلین صلوات الله علیه و علی آله و صحبه اجمعین دیدند که قیام لیل اگر بفرائض پنجگانه منسوخ شد بوجه تخفیف منسوخ شد نقصانی باعث نسخ نشده که اصل استحباب را برکنده برد بحکم کمال عبودیه چنانکه مذکور شد امثال بامر سابق لازم دیدند و هم نظر بر آنکه ضعف عباد باعث این تخفیف شده باین قوه و فتوة خود که مسلم است مخاطب

این تخفیف نفهمیدند بیاد قاعده نسخ که دیده بودند و از نسخ ملل سابقه و بعضی احکام لازمه فهمیده و آیه "ما ننسخ من آیه او نسیهات بخیر منها او مثلها" از آن خبر همداده در قیام لیل هم همه در یازده را مرعی داشتند اکنون سخنی باید شنید بعد استحضار اینکه اقتضاء اصل قسمة دو از ده بود و طرح یک رکعة ازان درست که بست و چار ساعه روز و شب که نصف ازان بحصه خدا وند تعالی افتاده هم وزن بست و دو ساعه است که نصف آن همین یازده است چنانکه دانسته و این طرف و تربودن خدا وند کریم نیز خواستگار تناسب بود مرد فطن ذکی الطبع را خود بخود لا یش می شود که قیام لیل همانسان بر آنحضرت صلی الله علیه وسلم فرض بود ورنه طرح یک رکعة معنی نداشت چه تخفیف بوجه ضعف یا نقصان بعض آوان ازان خویش خود بریں امر گواه عدل است که قیام لیل در حق آنحضرت صلی الله علیه وسلم منجمله مطلوبات و مکلف بهاست هان در حق امة فقط بوجه اقتداء و اتباع همین قدر لازم افتاد نشیده که قصر در سفر فقط مخصوص بفرائض ماند و در سنن و نوافل راه نیافت وجه این تفرق و اختلاف حکم بجز این چیست که فرائض مطلوب از حق الدو به نسبة سنن و نوافل طلبی ازان طرف نرسیده شاید همین باعث است که در سنن روایب همه عدد دو از ده بجائی خود ماند و تخفیف یک رکعة مثل فرائض از دو از ده بیازده کار را نیفکند اگر این دو ازده سنن را چیز جداگانه بذات خود مستقل پندارند چنانچه بعض روایات منطوق آن فقط همین قدرست که هر که در شب و روز دو ازده رکعة برائے

خداخواند خانه درجته برائے او بنا کنند بر آن دلالت دارد عدد دوازده باین طور موجه است که گویند حضرت صلی الله علیه وسلم بوجه کمال معرفه که دانی و کمال عبودیه که دانسته چون دیدند قاضی الحاجات خالق کائنات ست مصرف دو ازده ساعه باقیه نیز که خداوند کریم بهربنده بگذاشته بود همان نیاز و نماز خدا وندی دیدند و حسب هدایت خدا وند هادی که در فرائض دیده بودند این جانیز بجائے هر ساعه نمازی نهادند و به اتمام عبودیه و عبادة استادند اکنون یازده رکعة فرائض نظر بر کرم خداوند اکبر همان کار دو از ده خواهند کرد چنانکه بست و نه روزه رمضان در ثواب کارسی روزه می کنند پس چنانچه شش روزه شوال که با رمضان پیوسته کار صوم تمام سال میدهند ایام رمضان بست و نه باشند یا کامل سی هم چنان دو از ده سنن رواتب بایازده فرائض بهم آمده ثواب بست و چار رکعة که عبادة شب و روزش باید گفت در پس خود خواهد آورد و اگر این سنن رو از مکملات فرائض دارند چنانکه در پس و پیش فرائض انداختن خود دلیل آنست تا هم یازده فرائض را هم سنگ دو از ده قراردادده چنانکه مذکور شد به دو از ده رکعة سنن کامل می توان کرد لیکن بجانب اتمام عبادة و عبودیه یا نحاء شتی راه نمودند یکے به تسنن دو از ده رکعات و آنهم بالنحاء شتی گاهی به تخیر در اداء دو ازده رکعة در شب و روز هر وقت که خواهند و گاهی به وجیه فرائض تا کاهلی عباد باعث فوت مقصود نشود اگر از امثال امری بوجه کاهلی یا اشتغال دنیوی بستوه آیند باری امر دیگر موکشان بجانب اصل مقصود کشد

دیگر بزیاده کردن فرائض از دو تا چار درسه وقت باز بالحاق و ترناشش رکعة زائده در فرائض و سه رکعة وتر که جمله نه رکعت می شود با یازده رکعة سابقه فرائض به بست رسند و بعد طرح چار ساعه معلومه که بوجه مطالبه که لازم فرضیه است قابل طرح بودند چنانکه دانسته این بست رکعة همسنگ عبادة مدت العمر شوند و آنکه در اول امر دوساعه طرح کردن و در امر ثانی همگین چار ساعه معلومه را طرح دادند و جهش بزعم احقر هیچمدان اینست که در اول امر عمر را بر دو حصه تقسیم کرده نصف خود گرفتند و نصف به بنده دادند دران صورت گنجایش استبدال جزء ناقص به جزو کامل بے شائبه ظلم متصور بود چه آن اوقات ناقصه اگر ناقص بودند در ادائے کار خدا وندی ناقص بودند نه در کارر وائی بنده باین نصف از اوقات ناقصه کان لم یکن پنداشتند و از حساب انداختند چنان که همین دم گفته شد و در امر ثانی همه عمر را فراگرفتند و بجا گرفتند و کارروائی بنده در حقیقت بکار سازی رحمت تامه و کار پردازی قدرة کامله حق می شود نه بهمت و قدرة بنده وساطة بنده جز بهانه نامش بیش نیست هر که میدانند این را خوب میدانند و هر که این قدر هم نمی داند هیچ نمی داند غرض آنچه بهر کار بنده بگذاشته بودند نظر بظاهر بگذاشته باشند و اگر بحقیقة بنگرند باید که همه عمر از آن خدا باشند قاضی الحاجات نام اوست و کارروائی خلاق کام او عمده و اعظم حاجات عباد که رزق است بر خود گرفته می فرماید "وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا" قضاء دیگر حوائج که از ذرائع و وسائل یا تفاریع و آثار

همین قضاء بس مستبعد است که ببلائی مبتلا سازد و طرح نجات ازان نیند از د آیات تفصیل نعم را اگر بغور بینی بداننی که کار ساز همه کار اوست اگر اقتضاء کرمش کفیل جمله حوائج نمی شد جا بری برو نبود که چار ناچار کار فرمائی قضاء حوائج محتاجان میشد بالجمله اندرین صورت گنجائش استبدال و بنده را مجال تدارک این محال نبود لازم آمد که همه آن چار سعه را از حساب یکسونهند و خراج سرکاری برباقی زنند چون این قدر محقق شد بیاد مقدمات معروضه که در معیار بودن فرائض و قیام به نسبة یک دیگر و تا کد تراویح بکار آمده اند رعایه عدد بست در تراویح خود محقق شد باین همه بنکته دیگر که بس نفیس ست مذاق خوش فهمان شیرین میکنم همه تن فهم شده بشنو که رسول الله صلی الله علیه وسلم به بشاره "من ۛ عن ابی هریره قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من صام رمضان ایماناً و احتساباً غفر له ما تقدم من ذنبه و من قام رمضان ایماناً و احتساباً غفر له ما تقدم من ذنبه الخ (اخرجه البخاری والمسلم ۱۲ منه) صام رمضان ایماناً و احتساباً غفر له ما تقدم من ذنبه و من قام رمضان ایماناً و احتساباً غفر له ما تقدم من ذنبه"

امتیان سراپا اخلاص و نیاز را بشاره لطیف به بست رکعة خوانده اند تفصیل این اجمال اگر می طلبی بشنو که افعال منقسم بدو قسم می نمایند یکی آنکه آنی باشد مثل ضرب که همی وقوع آله ضرب را بر مضروب می گویند و دانی که چقدر دیر می خواهد دوم آنکه زمانی باشند مثل قیام و قعود این قسم را ممتدات نام باید نهاد و این قسم از افعال به منزله اسماء واجناس ست که بر قلیل و

کثیر اطلاقش توان کرد پس اگر این قسم بجانب زمانه محدود متعدی باشد و لفظ فی مذکور نبود آن وقت آن زمانه معیار آن فعل می بود و استیعاب لازم آید همان اگر زمانه غیر محدود بود مثل لفظ زمان و حین و قبل و بعد که در ظروف از اسماء اجناس اند معیار بودنش بظاهر هم رنگ قسم اول نمی باشد اگرچه در واقع در بر دوجا طرز واحد است اعنی در قسم اول استیعاب آن زمانه ضرور است اما در قسم ثانی بوجه آنکه ادنی ما یطلق علیه آن قسم فرد کامل آن حقیقه می باشد فقط استیعاب ادنی ما یطلق علیه لازم می آید نه استیعاب جمیع افراد و جمیع اجزاء آن که این استیعاب فردی نیست استیعاب افراد یست بالجمله چون صیام و قیام در افعال از قسم ثانی است و هم چنین رمضان زمانه محدود لا جرم استیعاب آن لازم باید پنداشت غرض فعل از ممتدات و افعال اجناس است و زمانه اسم جنس نیست استعمال آن بدو طور در کلام عرب یافته می شود، گاهی بی واسطه حرفی آن فعل آن مفعول رازیر تصرف خود میگیرد و گاهی لفظ با یافی امداد و می کند و آن فعل را بآن مفعول می رساند در صورت اول آن مفعول بتمامه و کماله و بجمیع اجزائه مفعول آن فعل می باشد و در صورت ثانی این استیعاب بدست نمی آید آرے کارے که بمعونه دیگران می باشند همچنین می باشد و اگر باور نداری همین کلام را بنگراز من صام رمضان ایماناً و احتساباً غفر له ما تقدم من ذنبه همین استیعاب می برآید و ازهر که خواهی بهرس همین استیعاب خبر خواهد داد ورنه بصوم یک دو یوم هم از عهده برون آمدند می آرے اگر من صام فی

رمضان می فرمودند هرگز باین احتمال خیال نمی رفت و بدل
 کسی این احتمال جانمی گرفت غرض در صورة اول آن زمانه معیار
 و مقدار آن فعل می باشد و در صورت ثانی ظرف آن فعل می بود و
 خود دانی که ظرفیه را عظمة ظرف از مظروف لازم است و رنه
 احاطه که کار ظرف است چگونه خواهد کرد مثل "فعدتهن ثلاثة
 قروء و یتربصن بانفسهن اربعة اشهر و عشرا او لبثت یوماً او بعض
 یوم و قمّ اللیل الا قلیلاً و فکیف تتقون ان کفرتم یوماً" و شواهد این
 دعوی از کلام الله و حدیث بسیار میتوان برآورد باقی آنکه اگر
 همین استیعاب ست لازم بود که لیالی رمضان هم مثل ایام رمضان
 زیر این امساک که حقیقه صوم است سر نهادندی و این اجازه اکل
 و شرب شب معنی نمیداشت جوابش اینست که لاریب مقتضاء این
 کلام بلکه مطابق حکم این اعلام همین بود که نه درروز خردندی
 و نه در شب دست به طعام بردندی و همین ست که صوم و صال
 راهر قدر که دانی حصه از جواز بدست آمد و رنه مستند جوازش
 کسی بفرماید که چیست فعل نبوی اگر سندست برائے ماست خود
 رسول الله صلی الله علیه وسلم را نیز سندی باید و الله اعلم هان
 امتیان ضعیف البیان طاقت امثال این امر کماهی نداشتد چنانکه از
 شب و روز دو ازده ساعة به بنده داده بودند نیمه از رمضان هم
 از حساب انداختند تا اکل و شرب شب وسیله امساک روز شود و
 دانی که ذرائع و وسائل را حکم اصل مقصود عارض می شود انتظار
 صلوة را صلوة گفته اند باین همه وقت خوردن و نوشیدن یا فقط
 روز است چنانچه در ولایت عرب حجاج دیده باشند یانیمه همه از

رزق بروز و نیمه ازان بشب فرومی برند بهر حال اگر اوّل را اصل
 قرار دهی امساک روز بطور دیگر هم امساک تمام رمضان است و
 اگر بر ثانی بناء کار نهی تا هم ترک خورد نوش به نسبت ترک
 خورد نوش شب دو چند توان شناخت چه حرکتها که در روز نه کنی
 و طعام را هضم نسازی و چه انتظارها که بروز نکشی و بتحلیل
 جسم به غم پردازی در شب بگو که ازین خرخشا چیست و ازین
 غم ها کیست تن براحت جان باستراحت از کشمکش کاروز
 خمهائے افکار میرهند و آسودگی ها میگیرند نظر برین به نسبت
 امساک شب امساک روز مضاعف بلکه زیاده می نماید علاوه
 برین روز به شهادة جملة لتبتغوا من فضله و جملة و جعلنا النهار
 معاشا و امثال ذالک برائے تحصیل دنیاست نه شب و غرض از
 روزه چنانکه دانسته و خواهی دانست ترک دنیا ست پس در
 صورتیکه نیمه برگیرنده نیمه برگزارند اولی همین است که روز را
 بهر روزه گیرند و شب را بهر بنده گزارند تا بالمعنی امساک تمام
 رمضان چه روز و چه شب بدست آید غرض امساک روز در حق
 امتیان امساک شب و روز فهمیده شده ان جناب سرور عالم صلی
 الله علیه وسلم متحمل این مشقت می توانند شد مگر اندیشه اقتدا
 در سر داشتند یک دو بار بصوم وصال پرداخته از اصل صوم
 آگاهانیدند و بازپاس امة با ازین و دادی کشیدند صلی الله علیه
 وسلم عدد ما رحم بنا و ابقی علینا القصه مقتضائے اصل کلام مذکور
 همین بود که امساک جملة شب و روز رمضان فرض گردد و ازین
 جاء ربط لعلکم تتقون با ما قبل خود در آیه صوم و صحة و جوب

امساک مائة کامل ازین ربط در یافته باشی اعنی چنانکه میگویند بمرگش گیر تابه تب راضی شود می فرمایند که بر شما امساک مطلق که بی امساک شب و روز صورۃ نمی بندند چنانچه آیه " فمن شهد منکم الشهر فلیصمه " نیز بر آن دلالة دارد فرض کرده شد تا شاید فقط امساک ایام رمضان بجا آرید و نیز اگر آن قصه را یاد کنی که در اول اسلام تناول موجبات الطار اگر حلال بود بعد مغرب قبل خفتن حلال بود تا هم بشرط فهم اشاره بامساک شب و روز می برآید چه انسان مثل دیگر حیوانات برابر نمی خورد یک بار خورده تا زمانه دراز دست بنان نمی برد هان در مقدار شب یا روز چند بار می توان خورد و به خوردن بار بار در لیل یا نهار می توان گفت که همه روز یا همه شب میخورد چنانکه این چنین کسان را بامثال این اقوال یاد می کنند و درین قدر که ما بین مغرب خفتن است اکثر زیاده از یک بار اتفاق نمی افتد و مقدار وقت خوردن نیز معلوم است که چه قدر است پس این وقت قلیل که بصرف خوردن آمد بمنزله طرف زمانه است که اعتبار نشاید اندرین دورۃ شب و روز که بست و چار ساعه است گویا همه بامساک بزگشت و ازین جا فهمیده باشی که بعد " فمهن شهد منکم الشهر فلیصمه " فرمودند فلیصم انابه چرا فرمودند بالجمله تعدی فعل متدبجانب مفعول که از قسم زمانه محدود باشد استیعاب را میخواهد اندرین صورۃ معنی من قام رمضان همین استیعاب شب و روز رمضان بقیام خواهد بود مگر دانی و همه دانند که این کار کار اُمتیان ضعیف الاقتداء نبود در تخفیف لازم اُلتاد مگر هر کار را معیار و هراُمر را مقدار می باید

تاکار از کارخانه حکمت بدر نیفتد در فرائض بنجگانه بجائے یک
ساعة یک رکعة نهاده بودند این جا نیز همان یک رکعة قائم مقام
عبادة یک ساعة شد مگر از بست چار ساعة معلومه چار ساعة چنان
بود که این کار بحکم پروردگار دران چار نتوان کرد آن چار را
طرح داده معامله برست افگندند "فسبحان الله العليم الحكيم" و
ازین نکته قلم تافته بنکته دیگر مشام جان طالب مستهام را معطر می
نمایم صوم که حقیقتش ترک دنیا ست ذریعة یاد خدا وند اکبر که
عمده مظاهر آن همین نماز است و بس اگر هنوز نفهمیده باشی
بگوش هوش بشنو که خورد نوش و مجامعت بلکه فقط خوردن از
أصول لذائذ دنیا است باقی لذائذ یا ذریعة ازد یاد این لذة اندیا
بشرط این لذة لذیذ مینمایند تفصیل این اجمال حواله بفهم سامع
کرده پیشتر می روم که خداوند حکیم چون بنده گرفتار هوا و
هوس را ازین لذتها بازداشت هر که ازو شان ماده فهم داشت
بفرست خود دریافت که این لذتها اگر ممتوع عنها ست دیگر
لذتها بدرجۀ اولی قابل امتناع است و هم بفهمید که این نهی و منع
بذات خود مقصود نتوان شد ترک چیزے که جز عدم آن بد امان
خود ندارد قابل آن نیست که پیش موجود مطلق درجه مقصود یا
بدلا جرم چیزے دیگر زیر این پرده نهاده باشند آن چیز بجزیاد خدا
وندی دیگر چه باشد خواهش بنده ورضاء خدا ولد متعارض افتاده
اند ترک یکی تحصیل دیگرے می خواهد بالجمله بایماء عقل راز
آشنا در یافتیم که مقصود از صوم باد محبوب حقیقی ست و دالی
که عمده مظاهر آن یاد همین نماز ست این سنت اینک دو مضمون

را بیک سلک کشیدند اعنی اول من صام رمضان ایمانا و احتسابا فرمودند ثانیاً بارشاد "من قام رمضان ایمانا و احتسابا" راه نمودند و دانسته باشی که فرائض باشد یا سنن و نوافل کارآمد خداوند اکبر نیست او غنی است و مستغنی بعبادة عباد عظمه او نمی افزاید و بمعاصی عصاة نقصی به کارخانه او نمی آید اگر نفعی است بهر ما ست و اگر مضر نیست برماست هرچه باخوانده اند نفعی بهر عباد درونهاده اندا و هرچه ازان رانده اند به سبب ضروری رانده اند اندرین صورت هرچه نافعترموکد تر باشد و این طرف اعظم منافع صوم که بالیقین فرض است مغفرة جمیع ذنوب یافتیم یاد خدا وندی که عمده مظاهرش قیام بهر نماز بود و مقصود از صوم شمر این ثمره چون نبود همین است که رسول الله صلی الله علیه وسلم مصرح ازان خبر داده اند نظر برین بیاد آنکه در تحدید بست رکعة همین دم عرض کرده شد مثل صوم کم از کم قیام بست رکعة فرض می شد بلکه زائد ازان گویند بجاست ازین جا اندیشه فرضیه قیام لیالی رمضان که از رسول الله صلی الله علیه وسلم ما ثور است موجه دریافته باشی لاریب نظر به ضعف عباد د شوار دیدند تخفیف فرمودند اگر مسارعة عباد به تراویح بدستور می نماید از سهولة امر خبر میداد به مقتضائے اصل امر فرض می شد بالجمله اقتضاء اصل حقیقة آن بود که تراویح به درجه اول از صوم فرض می شد لیکن چون از طرف خداوند ذوالجلال ارشادی مصرح درین باره شنیده شد بحکم "وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا" بندگان ضعیف البتیان را گنجانش ترک بدست آمد هان حضرت سید المرسلین

صلوة الله عليه و سلامه و على آله اجمعين كه وقف اسرار بودند نظر بمنفعة مذكوره مسنون فرمودند چنانچه خود فرموده ﴿اخرج ابن ماجة برواية عن عبدالرحمن ان رسول الله صلى الله عليه وسلم ذكر شهر رمضان فقال شهر كتب الله لكم صيامه و سنت و لكم قيامه الخ﴾ اندكه روزه رمضان خدائے تعالیٰ فرض فرمودند و من قیام آن را سنة نمودم اگر اوراق صحاح را خواهی گردانید این روایة را ان شاء الله تعالیٰ خواهی یافت لیکن همیندم گفته آمده ام كه هر كار را میعار می باید بهر تسنن این سنة ضرورة اندازه اقتاده به خیال آنكه صوم ذریعة تراویح است چنانچه گفته شدوهم بوجه اشتراكش با صوم در منفعة معلومه و تاكد صوم تاكدش لازم آمد آری بوجه چشم پوشی خدا وندی كه بتصریح بسوئی اونخواهنده اند میدانیم كه از فرضیه پایه فروتر باشد لا جرم سنة موكدہ خواهد بود چنانچه اهتمام جماعة كه از خلیفه راشد دریافته برین امر خود گواه ست چه سنت خلفاء راشدين سنة نبوی ست چنانچه پیشتر گفته شد و این طرف اهتمام جماعة از خصائص موكدات است بلکه سواء تراویح اگر تداعی جماعة ست در فرائض است یا در عیدین و صلوة کسوف و استسقاء اگر ضرورة مطرحید باشد و میدانی كه صلوة عیدین خود از واجبات ست و صلوة کسوف بدلالة جمله "فالرغوا الى الصلوة" كه در بعضی روایات صلوة کسوف مندرجه بخاری ست و هر کمال تاكد دلالة دارد از موكدات باقی ماند صلوة استسقاء اگر قوه تدبر باشد هویدا می شد كه صورة مرقومه بالا نماز موكد می شود و جهش چنانكه واضح ست این ست كه امساک نیز همچو کسوف

منجمله تخویفات خداوندیست که رجوع الی الله را می خواهد و خشوع و خضوع قلبی را می طلبد و عمده مظاهر خشوع و خضوع همین نمازست چنانچه درجمله مواقع خضوع نماز مقرر فرموده اند و چون نه فرمایند که کار خاشعان همین است چنانچه می فرمایند و انّها لكبيرة الا على الخاشعين الذين يظّلون انهم ملاقور بهم و انهم اليه راجعون و ازیں جا بکنه سنة موکده رسیده باشی اعنی از تساوی ثواب صوم رمضان که فرض ست و ثواب قیام لیالی رمضان که فرض نیست و باز تاکید فرمودن حضرت صلی الله علیه وسلم که منجمله وعدة این ثواب ستو ارشاد سنتت لکم که درین باب فرموده اند فهمیده باشی که حقیه سنة موکده در اصل حسن با فرائض بیک پله می سنجداما صدور امر خدا وندی یکی را فرض گردانید و دیگر هم چنان بر اصل خود ماند و بدرجه فرضیه نرسید و این سخن هر چند اول از خامه این هیچمدان برآمده باشد مگر هر که عقلی بودن حسن و قبح و شرعی و حرمة رابشناخه و این طرف پخته کاری حضرت رسول الثقلین صلی الله علیه وسلم را دریافته بی تامل و تردد بشهادة دعوی این هیچمدان خواهد خاست مگر ندانی که خداوند کریم در شان آن قدوة انبیاء صلی الله علیه وسلم چه می فرمایند جائی به ثنائی "هو الذی بعث فی الامیین رسولا منهم يتلوا عليهم آياته و یزکیهم و یعلمهم الكتاب والحکمة" ستوده و جائی تعریف آن سرور مرسلین صلوات الله و سلامه علیه و علی آله و اصحابه اجمعین باین طور که "الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذین یجدونه مکتوبا عندهم فی التوراة والانجیل یا مرهم بالمعروف

و ینهاهم عن المنکر“ فرموده پس هیچ این صورت می آید که این چنین معدن علم و حکمة اهتمام کاری کند که نه شائسته این چنین اهتمام باشد و این چنین پیشوا ء دین ارشاد راهی بتاکید فرماید که سالکش هم چنان ناکام هماندمی باید وبالضرور می باید که هر چه آن معلم الحکمة مؤکد فرماید درخور تاکید بود هر چه ازاں باهتمام بازدارد لائق احتراز باشد هان اگر عقلیه حسن و قبح اعنی عقلی بودن آن نزد اهل عقل مسلم نبودی ممکن بود که ”کیف ما اتفق ارشاد فرموده اندو بهرچه پیش آمد راه نموده اند مگر هر که درین دو آیه مسطوره بدیده معنی بین دیده دانسته باشد که وصف حکمة از تعلیم مقدم ست و صفة معروفیه و غیره از امر و نهی سابق و همین است مراد کسانی که بعقلی بودن حسن و قبح راه نموده اند و بشرعیة وجوب و حرمة ارشاد فرموده اند یعنی حُسن و قبح حقائق افعال که از لوازم اوصاف معلومه از حکمة و معروفیه و منکر به است از نزول شرائع سابق است و وجوب و حرمة آن حقائق بدمه مکلفان که از آثار ایجاب و تحریم است بامر و نهی لاحق و همچنین آیه ”وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا“ نیز بگوش اهل هوش می دهد که افعال اوشان هر چند بوجه قبح آن از پیشتر سرمایه تعذیب اوشان بودا ما چون تعذیب به مقتضائی کرم و ابسته بایجاب و تحریم ست که بی ارسال رسل و امر و نهی شان صورت له بندد از جرائم آن شان فساد در گزر لازم الفتاد و درین قدر همه اهل حق متفق اند و آنکه مخالفة امام ابوالحسن اشعری شنیده باشی هر چند در بادی النظر نزع حقیقی می نماید اما هر که میداند

داند که مرادشان از حسن و قبح موجب ثواب و عقاب ست مثلاً و این خود ظاهر است که مفاد طاعة و معصية ست که باجماع اهل حق شرعی است و چون این قدر فهمیدی که بهر اهتمام و تاکید آن سرور انبیاء صلی الله علیه وسلم اول لیاقت آن کار این چنین اهتمام و تاکید را ضرور است این خود فهمیده باشی که تاکید یکبار در سنن موکده می باشد بی آنکه در اصل حسن هم سنگ فرائض باشد درست نمی آید و راست نمی نشیند این عتاب را که بر ترک سنن موکده بشنیده با چیزیکه نه این چنین باشد اگر سروکار بود این خطاب لطف آمیز ” یرید الله بکم الیسر ولا یرید بکم العسر “ چه کار خواهد آمد بلکه این وقت تصحیح معنی ” ان الله لا یظلم مثقال ذرة “ دشوار خواهد افتاد چه امکان ظلم به معنی التصرف فی ملک الغیر از جناب باری تعالی خود ممتنع ورنه لازم آید که مالکی دیگر هم باشد که در صفة مالکیة شریک او تعالی بود خواه مملوک او مشترک بود یا منفصل و این خود بدیهی البطلان توحید حقیقی بے انتفاء مالکان دیگر صورت نه بنده و نیز ترانه الملك اليوم که لا جرم روزی شنید نیست چسان زیابودنی بلکه چگونه ممکن الوقوع باشد اگر مالکی دیگر مالک حقیقی است این صفت مالکیتش زائل نتوان شد به نسبة دنیا باشد یا آخره و اگر مالک دیگر مالک حقیقی نیست بلکه مالک مجازی است آن ملک او خود راجع بسوئی خدا باشد والی الله ترجع الامور و ظاهر است که امر ممتنع الوجود رابه صیغه مضارع که لا جرم مشعر از تجدد است والافان فن فصاحت وبلاغت ادا کرده زیر نفی نمی کشند تابه

آنحضرت تعالیٰ و تقدس چه رسد و وجهش همین است که این چنین نفی اگر دلالة دارد بر عدم وقوع فعل دلالة دارد بر امتناع وقوع دلالة ندارد بلکه باعتبار مفهوم مخالف بر امکان آن دلالة میکند البته ظلم را اگر بمعنی فعل نامناسب اعنی معامله مخالف استحقاق قابلية گیرند از و تعالیٰ باعتبار قدرة و بے نیازیش ممکن گو نظر بحکمتش این هم محال باشد اندرین صورت از مفاد آیه مسطورہ اطمینان قلوب مطیع و عاصی مدنظر است تا مطیع را اندیشه بی نیازی از فوز و فلاح نا امید نگرداند و عاصی را احتمال مزید عقاب بر عکس امید عفو مایوس نه نشاند پس اگر حقائق سنن موکده قطع نظر از ایجاب و امر شریک نوع فرائض در حسن و منافع مقصوده نباشند باز کدام وجه یا مسببی از اسباب است که موجب عتاب گردیده امر خود مسلم است که نیست بجز آنکه سنن موکده در حسن و منافع مساهم فرائض باشند و این طرف اقتضائے علم فطری را که آیه " فطرة الله التي فطر الناس " علیها بر آن خبر گواه است و معرفت طبعی را که عارف معروف بودن دینیات از آن آگاه است و محبت ذاتی را که حدیث " اذا سرتک حسنتک و ساءتک سیتک فانک مؤمن " رمزی آن است و علم خداداد را که " استفت قلبک ولو التاک المفتون " تصدیق این بیان ست درباره علم و عمل کافی شناسند دیگر چه گفته آید و چون این قدر علم و اطلاع بشرطیکه فساد طبعی عارض نشده باشد درباره مواخذه بشرط انصاف قدر کافی بود در حق الباء علیهم السلام خصوصاً سرور انبیاء صلی الله علیه وسلم که از غشاو طبیعة بشری نور باطن

و قلوب شان همچو شمع که از پس پرده فانوس هم در تنویر اشیاء مبصره تقصیر نمی کند کاشف اسرار و حقیقه هر کار بود این قدر علم و آگاهی موجب مواخذه شدگو بوجه دیگر جان نثار بهائی شان که از سر اخلاص سر زده بار سال پروانه " انا فتحنا لک فتحاً مبیناً لیغفر لک الله ما تقدم من ذنبک وما تأخر " که از در گزر کلی خبر می دهد هر گونه مطمئن فرموده باشند آری هم چو ما گرفتاران هوس و هوا را که حب دنیا تعبیر از انست و محبوسان قفس خطا را که تن ناپاک تفسیر آنست باین وجه که غشاوه طبیعت بشری که بر عکس انبیاء پرتو افتاده نور ضعیف باطن مارا پس ازان که هر دم بدم بادلرزان ست و هر لحظه مردن آن آنچنان پوشیده که مثل نابینا یان که آفتاب نیمروز هم پیش ایشان هم رنگ تابه سیاه است تمیز حق از باطل دشوار نیست بلکه ممتنع گردیده اطلاع پر حقائق افعال و تمیز مراتب حسن بی آگاهی تازه و اعلام دیگر متصور نبود و خود فرموده اند که "وما کنا معذبین حتی نبعث رسولاً" و غرض از ارسال رسل تفصیل حق و باطل و علم خیر از شرمی باشد پس تا وقتیکه انبیاء علیهم السلام شمع هدایه را نیفرورزند " و یعلمهم الکتاب " اشاره بدانست و بتوجه همه که آتش انگیز محبت است غشاوه طبائع مارا نسوزند و یزکیهم عبارة ازان رهروی این راه ما عوام دل سیاه را دشوار است لهذا دست مواخذه بطور عقاب باشد یا عتاب بآنکه حسب ایماء " وما کنا معذبین الخ " گونیا فریب بود که بما آویزد از سرما کشیدند و ما گنهگاران را لائق در گذردیدند باقی ماند اینکه ترب عتاب که عتاب نیز نوعی از انست

برای جاب و تحریم ست نه بر حسن و قبح تا لازم آید که اطلاع انبیاء علیهم السلام به حسن و قبح افعال مستوجب عقاب در حق شان شود و بیان شان خواه بزبان خواه بعمل که بحکم "لقد کان لکم فی رسول الله اُسوة حسنه" ملحق بآنست باعث عقاب یا عتاب دیگران شود باین همه اگر سرمایه تعذیب و مواخذة نفس قبح افعال است و علم بدان شرط آن چنانکه ظاهر ست لازم بود که میان فرائض و سنن باعتبار ترتب ثواب و عقاب هم فرقی باشد و اگر موجب مواخذة امر و نهی است و علم بدان شرط آن ازیں سخن چه سود که سنن موکده در اصل حسن با فرائض برابری میکند چه این وقت مصداق فرضیه امر و نهی خواهد بود نه حسن و قبح گو بضرورت مراعاة حکمة منشاء امر و نهی همان حسن و قبح شده باشد زیرا که فرض همان ست که برناکردنش اندیشه عقاب بود جواب این اندیشه می باید شنید حسن و قبح افعال بدو گونه است و علم بدان نیز بدو نوع اعنی چنان که نوعی از حسن و قبح از لوازم ذات مقتضیات ماهیات آنهاست و نوعی عرضی که پس از صدور امر و نهی ازاں جانب عارض می شود همچنان علم باو امر و نواهی متعلقه به حسن و قبح نیز بدو نوع است یکری فطری و اجمالی دیگری شرعی و تفصیلی چون تفصیل احکام پر تفصیل این اجمال توقفی دارد اول شرح این معما می کنم حسن و قبحی که از لوازم ذات افعال ست و بحواله آیات اول اشاره بهمان رفته مقتضاء صورة نوعیه و هم صورة شخصیه آن افعال می باشد و چنان که صورة نوعیه انسانی و غیره و صورة شخصیه از افراد انسانی و غیره لا جرم

مشمول بر قدری از حسن و قبح می باشد زیرا که صورة همین تقطیع را گویند که به حاصل افترا و وجود ماده و عدم آن که در اطراف مشهود است تعبیر توان کرد و این خود ضرورت که حسن آن منظرها کریه المنظر باشد هم چنین ماهیات العال و صور شخصیه آن را ضرورت که با افترا و وجود و عدم که ممکن را ازان ناگزیرست ورنه ممکن نباشد واجب بود یا ممتنع کیفیت پیدا کند که پس از حصول در قوه دراکه مطبوع طبع التذ یا مکروه نماید و ازین جا چنانکه لزوم ذات این قسم حسن و قبح هویدا شد عقلی بودن آن نیز پیدا شده باشد مرتبه دوم از حسن و قبح آنکه چون امر و نهی به نسبة فعلی از افعال صادر شد باین وجه که اطاعة رب خلاق نیز از حسنات است و حسن آن لازم ذات و آن هم آنچنان که عاقلی از عقلاء دران متامل نتوان شد و قتیکه آن فعل به نية طاعة ادا کرده شد لباسی دگر از حسن در بر میکشد و وجهش آن که چون مفهوم طاعة از آن فعل عارض شد حسیکه لازم این مفهوم بود لازم است که آن فعل را عارض شود مگر چون صفة عارضه اولاً و بالذات اعنی در اصل صفة واسطة فی العروض می باشد آری در نمائش گاه شهادة تهمتی بنام معروض می نهند لا جرم این حسن که لازم ذات مفهوم طاعة است در حق افعال عرضی باشد مثل حسن و قبح اول لازم ماهیت آن نبود پس این حسن و قبح چنانکه در حق مفهوم طاعة عقلی است بحساب ماهیات افعال شرعی باشد چه این قسم حسن و قبح از تفریعات امثال اوامر و نواهی و عدم امثال آنست که بی صلور اوامر و نواهی محال و امر و نهی را میدانی که عین شرع

است از این جا دانسته باشی که اختلاف فیما بین ما ترید یه و اشعریه اختلاف لفظی است هر یکی ازین بزرگواران بشرح و بسط یکی ازین دو جهت پرداخته و جهت دیگر را همچنان گذاشته نه آنکه بانکار قسم دوم ساخته بالجمله حسن و قبح ثانی شرعیست و حسن و قبح اول عقلی باین معنی که عقول عقلاء را قبل ورود شرع شریف گنجایش ادراک آن ست اگرچه افراد معدوده باشند که به کمال عقل رسیده اند یعنی انبیاء و کمل اولیاء پس گویا اوشان درین باره هم چو بینا یان اند که بی اطلاع کسی اشیاء مبصره را بشرط نور و عدم حیلولة چیزی ادراک می کنند و همانا مصداق کلمه أولوالابصار هستند که شنیده باشی یا باین معنی که ادراک آن حسن و قبح بدیده بصیرت است اگرچه بواسطه نصوص شرعیه باشد و این چنان باشد که سوزنی باریک با چیزی دیگر همچنین پیش نظر کسی افتاد باشد که نظرش چندان تیز و صاف نباشد مگر چون وجودش نه چنان است که خود نمایان شود و شاهد وجود خود شود و نظرش نه چنین که حاجت اعلام و تنبیه دیگران نبود اکثر همین است که باخبر بینایان صافی نظر ادراک این چنین اشیاء چنین کس را میسر آید مگر این ادراک تا هم ادراک چشم خویشین است همچو استماعات محضه که چشم را هیچگونه دران دخل نبود تقلید محض نیست که هرچه مخبران گفتند گفتند غرض بطور منع خلو هرچه ادراک آن عقلی ست ازین دو احتمال خالی نیست چون انقسام حسن و قبح بدو قسم مسطور و مقرر شد وقت آنست که انقسام علم نیز بدو قسم واضح کرده شود باید دانست

که علم حسن و قبح ذاتی که همانرا عقلی باید گفت نیز بدو نوع است یکی طبعی دوم شرعی اول بشانی اشاره میکنم باز بیان اول خواهم کرد خود جناب باری تعالی و تقدس در کلام پاک ارشاد می فرماید "ان الله یامر بالعدل والاحسان و ایتاء ذی القربی و ینهی عن الفحشاء والمنکر والبغی" و هم در کلام پاک ارشاد است "قل ان الله لا یامر بالفحشاء" و هم در شان نبی صلی الله علیه وسلم می فرمایند الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونه مکتوبا عندهم فی التوراة والانجیل یا مرهم بالمعروف وینهاهم عن المنکر و یحل لهم الطیبات و یحرم علیهم الخبائث و ینزع عنهم اصرهم والاغلال التی کانت علیهم" پس هر که عقل صائب داشته باشد و از مذاق سخن آشنا بود خود می شناسد که مقصود از این آیات بیانات بیان عادات خداوندی و طبیعت محمدیست صلی الله علیه وسلم غرضم اینست که عاده مستمره خداوندی اینست و طبیعت مستقره محمدی صلی الله علیه وسلم همین همین است که صیغه مضارع اختیار فرموده اند تا دلالة برتجدد کند که از ضروریات عادات مستمره و طبیعیات مستقره است و هر ظاهر است که استمرار این افعال و استقرار این خصال بے انتفاء صدور اضداد آنها که امر بالمنکر و غیره است متصور نیست و این هم هویدا است که حسن باوصاف معلومه از عدل و احسان و غیره که در آیات مسطوره بآن اشاره رفته هم آغوش است و قبح باضداد آنها که هم در آیات مرقومه بآن ایماء فرموده اند همدوش پس باین طریق بحسن و قبح هر فعل و قول و هر خیال و حال و هر خصله و عادت

پی توان برد و باین وجه این علم را تفصیل می توان گفت چنانکه علم شرعی می گویند باقی ماند علم طبعی که آنرا علم اجمالی هم نام نهادن زیاست آن هم با اشارات نقل ثابت ست چنانکه بشهادت عقل به ثبوت می پیوندد بیانش اگر می خواهی بشنو که معروف و منکر را معروف و منکر گفتن خود بر این قدر دلالة دارد که عقل را با معروف سابقه آشنائی ست و از منکر همه نهج نا آشناچه معروف در لغة عرب همان را گویند که از پیشتر دیده و دانسته باشند و منکر آن را که نشناسند و ندانند و هم حدیث مرقومه بالا " اذا سرتک حمتک و ساء تک سیتک فانت مومن " نیز باین جانب مشیر ست که قلب انسانی با معروف و منکر نسبتی دارد که ذائقه زبانی با شیرین و تلخ چنانکه ذائقه دران زبان بی سابقه بیان خوبی و زبونی شیرین و تلخ در اول بار که شیرین و تلخ را بر زبان نهند ازیں خوش حال و ازان پراگنده بال می شوند همچنین معروف و منکر را به نسبت اهل دل بشناس که این چنان ست و آن چنین باین همه هر کس را می بینی که از خدائے علیم بشنود یا از مرد حکیم هر چه باشد از عقل خود می پرسد اگر تصدیق کرد مطمئن می نشیند ورنه شکها اگر چه زیر پرده ایمانی باشد می آفریند بهر طور اگر عقل باشد آن اشارات زبانی و این شهادات روحانی بر این قدر گواه است که طبیعت انسانی با معروف رابطه پنهانی دارد و مرادم از علم طبعی همین قدرست و اجمالی بودنش به نسبة علم شرعی که تفصیلی است هویدا است احتیاج بیان وجهش نیست اکنون می باید شنید که امر و نهی و وجوب و حرمة نیز همین طور بدو گونه است

طبعی و شرعی و اجمالی و تفصیلی اوامر و نواهی که بلسان الغیب زبان فیض ترجمان انبیاء علیهم السلام بنی آدم را سرمایه و ایجاب و تحریم گردیده آن خود هویدا است منکرش کیست و حاجة اثبات او چیست فقط بغرض آنکه اختلاط احکام روند هداین قسم حکم را تفصیلی نام می نهم و وجه تسمیه خود ظاهر ست مگر قسم دیگر که احکام اجمالی ست بیانش ضرور است می باید شنید که هرچه حسن ست رغبت بقدر حسن او و هرچه قبیح است نفرت بقدر قبح او در جذر فطرة هر کس نهاده اند مگر این اقبال حالی و این اجتناب اجمالی خود ازیں قدر خبر می دهد که بزبان حال پنهان ازاں طرف امر و نهی میرسد گو بقدر ذکاوت خود اذکیاء پس ازیں اجمال فطری گونه تفصیل نیز در خود دیده باشند دلیل بر این دعوی اول خود فطرة هر کس ست مگر باین نظر که وقت فساد طبیعت فطرة راجه اعتبار مقتضایش در چنین اوقات ظاهر نمی شود مناسب آنست که چیزی دیگر گفته شود اول این ست که علم و جوب اطاعت امر و نهی اگر شرعی باشد و ریا تسلسل لازم آید لا جرم عقلی و طبعی باشد مگر دانی که بناء این جوب و حرمة بجز حسن و قبح برامری دیگر نیست پس هر جا که حسن درج باشد همچنین باشد چه لوازم ذات را تبدل و تغیر نیست دوم اینکه جملة "هدی للمتقین" صاف براین امر دلالة دارد که صفت اتقاء در متقین از نزول قرآن شریف سابق است چنانچه پوشیده نیست مگر قبل نزول قرآن تقوی باین معنی که هر چه غیر مرضی خدا بود آن را غیر مرضی حق فهمیده بگذاشته باشند متصور نیست ورنه حاجت انزال

کتاب چه باشد لا جرم بمعنی قصد احتراز باشد مگر چون قصد احتراز را ضرور است که یک نوع تقاضا بود شرعی باشد یا طبیعی عقلی باشد یا نقلی چنانچه ظاهر است و این جا از جانب شارع از پیشتر هیچ خبر نیست ورنه هدایت چه معنی داشتی بالضرورت تقاضاء پنهانی از راه طبیعت انسانی باشند اکنون اطلاق هدی نیز به کتاب الله درست آید و دعوی فطریه امر و نهی اجمالی هم راست گردد بالجمله پس ازین سوال حال که از لفظ متقین می تراود چه دلالت بر نوعی از طلب دارد بتقاضائی وعده "ادعونی استجب لکم" بدمه رحمة عمیمه لازم آمد که بیان مقصود اصلی طبیعت انسانی کرده آید و حسن از قبیح و خیر از شر جدا جدا کرده شود بدین سبب انزال کلام الله ضرور افتاد و هدی گفتش سزاوار شد اعنی راهی که می طلبیدیم دیدیم و این ظاهر است که بناء این احتراز بر قبح اشیاء است یا آنکه خلاف مرضی خداست تعالی و تقدس اگر اول است چه حاجت که دلیل بیاریم و اگر ثانی بنایش آخر کاربری میداریم که آن قبیح است ورنه اگر بر امر و نهی دیگر مبنی داریم دور لازم آید یا تسلسل باقی ماند اینکه بر وجه باشد این امر ممکن بود اگر خداوند کریم حکیم و علیم نه بودی باقی کتاب را باین معنی که انجام کار باعث دخول جنه و موجب رضاء خدا خواهد شد هدی للمتقین گفتن بخواب خفتگان ماند این معنی و این لفظ این جمله را باین معنی چه کار سوم اینکه در آیت "اتبعوا احسن ما انزل الیکم من ربکم اشاره لطیف است باین طرف که در طبیعه السالی رغبتی بجانب حسن نهاده اند اندرین صورت لا جرم نفرتی از قبیح نیز در

جلد طبیعتش ودیعه باشد ودانی که مصداق رغبه و نفرة همان تقاضاء پنهانی ست که گفته ایم و در امر و نهی به جز تقاضاء و طلب دیگر چه باشد چارم اینکه کار پردازى هدایه که بلمه خود گرفته اند چنانچه می فرمایند "ان علينا للهدی" و هم ازین جهت انبیاء و رسل و کتب و صحف را فرستاده اند چنانچه فرموده اند "هو الذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق الخ" یا "ان هذا القرآن یهدی للتی هی اقوم" اگر دیدۀ باریک بین بودهمین جانب مشیر ست که آن طرف علم اجمالی قبل ازین تفصیل است و چون نباشد اجمال قبل تفصیل می باشد تفصیل این اجمال آن ست که هدایه را گم کردگی راه ضرور افتاد و گم کردگی راه را طلب راه مقصود لازم اگر طلب راه نیست راه را چه گم کرد باز هدایه دواء کدام مرض الغرض بوجوه کثیره وجود طلب اجمالی مقررست اگر طالب ذکی است مطلب جلی ست زیاده نوشتن چه حاجت این قدر هم بس ست وقت آنست که باز پس رویم و به بیان فرق احکام که موعود است متوجه شویم باید دانست که بشهادة کریمه "وما خلقت الجن والانس الا ليعبدون" و آیه "وما امروا الا ليعبدوا الله مخلصین له الدین" مرادت از جن و انس همین عبادۀ است باقی ماند اینکه عبادۀ چیست در بادی النظر چنان می نماید که مصداق عبادۀ فعل ست لیکن دانی که اگر حقیقه عبادۀ همین افعال بودی مخلص و منافق و کامل و ناقص همه بیک پله سنجیدندی و بیک مرتبه رسیدندی چه صوم و صلوة و حج و زکوة همه بیک صوره می باشد لا جرم مصداق عبادۀ قصد اطاعة خواهد بود چنانچه آیه "لا یستری القاعدون من

المؤمنين غير اولى الضرر والمجاهدون في سبيل الله " نیز بریں قدر شاهد است چه مفهوم مخالف غیر اولى الضرر همین ست که اگر باعث قعود ضرر اعنی مرض وغیره علری قابل اعتبارست استواء مدارج قاعد و قائم ضروری است و انتساب قعود بجانب ضرر وقتی متصور است که قصد داشته باشد اما مرضی مثلاً مانع تعلق قصد بفعل است ورنه آن قعود بوجه عدم القصد خواهد بود آن عدم بهر وجه که باشد و کتابه ثواب و وظیفه که مرض مانع ازاں شده چنانچه احادیث بر آن شاهد است نیز مؤیداین سخن است و همچنین حدیث "انما الاعمال بالنيات" و حدیث "تبلیغ به مرتبة شهادة" کسی را که تمنائے شهادت داشت و بآرزوئی خود نرسید و بظاهر این دولة نیافت مدد این دعوی میفرماید لیکن ازاں جا که هر چیز را در تحقق خود از شرائط وجود خود ناگزیرست لازم آمد که مدار ثواب و عقاب که در حقیقة ثمره عبادة است چنانکه دانستی بر علم اجمالی باشد چه علة موجهه برائے قصد همان علم اجمالی است و بس هان اگر پس از علم اجمالی حالة منتظره در تحقق قصد و ظهور عزم بودی جائی عنر بود چون علم اجمالی بنسبة وجوب و حرمة در تحقق قصد کافی است باز چه حاجت که انتظار علم تفصیلی کرده آید هان این قدر مسلم که تعلق قصد بکاری تا وقتی که علم تفصیلی نداشته باشد محال لیکن تعلق چیز دیگر است و تحقق چیز دیگر بالجمله ماده وجوب و اصل فرضیه همان علم اجمالی است و آنچه واجب ست همین قصدست و بس لیکن چون تعلق قصد موقوف بر علم تفصیلی است بعد وجوب سقوط رو میدهد مگر

ظاهر ست که سقوط خود دلیل وجوب است بی وجوب سقوط
 صورة نه بندد و بعد آنکه قصد بفعلی متعلق شد صدور فعل حسب
 عادة خدا وند خالق لازم بالجمله نفس وجوب بر علم اجمالی می
 آید و وجوب ادا پس از علم تفصیلی قرار می گیرد و ازین جا معنی ”
 وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا“ دانسته باشی غرضم این ست که
 این کلام بشرط ذوق برتحقق استحقاق عذاب قبل بعث رسل هم
 دلالة دارد این چگونه باشد صورتش همین است که عرض کرده شد
 بالجمله ثواب و عقاب بر قصد است و علم اجمالی علة تحقق
 اوست و علم تفصیلی واسطه تعلق اوتا و تکیه علم اجمالی است
 و نوبة علم تفصیلی نرسیده فقط وجوب است و در صورتیکه علم
 تفصیلی بدان منضم شده از وجوب بوجوب ادانوبة می رسد اکنون
 می باید شنید که اگر شخصی ذهن سلیم و طبع مستقیم چنان داشته
 باشد که قبل نزول وحی حدود و هیاکل بعض افعال اور امنکشف
 می شود چنانچه نبی را اکثر و بعض اتباعش را گه و بیگاه این چنین
 پیش می آید و این دعوی به نسبت حضرت رسول الله صلی الله علیه
 وسلم از قصه تسنین قیام رمضان و دیگر سنن هویدا است و دیگر
 هویدا خواهد شد ان شاء الله باقی ماندند دیگران حضرت بلال را
 رضی الله تعالی عنه تحية الوضو در دل التاد و حضرت خبیب را
 رضی الله عنه نقل قتل بدل آمد و حضرت عمر رضی الله عنه در اکثر
 امور قبل ورود شرع و نزول وحی دل بدان سو رفت که حقیقة الحال
 بود این چنین اشخاص راشائبه از وجوب ادا درمی گیرد اگر آن
 اعمال از قسم اعمال واجبه باشند ورنه هر قدر از حسن که داشته

باشند مناسب آن عزیمت بدانسور و خواهد نهاد و دلیلش همان است که پیشتر گفته شد مگر چون در علم انکشافی بجز علمیکه بواسطه وحی باشد هر علم که بود در محل خطرست ممکن که از طبیعت یا از شیطان و وسوسه خاسته باشد و هرچه بذهن آید خطائی اجتهادی بود در ورود وجوب همان قدر کمی است نبی باشد یا ولی غرض بقدر تفاوت اذهان و تفاوت انکشافات در وجوب هم تفاوت می باشد علاوه برین ایجاب حسن و تحریم قبیح بذمة خداوند احکم الحاکمین واجب نیست بمجرد اطلاع حسن و قبح چیزی بندگان مطیع فرمان را کار بندی آن لازم آیدمی توان شد که بگرداند حسن را حرام و قبیح را واجب سازدهان این قدر مسلم که در باب ایجاب تحریم عادة خداوندی همین ست که بهرچه حسن است امر می فرماید اگر امر میفرماید و ازهر چه قبیح است منع می فرماید اگر منع می فرماید چنانچه آیت ”ان الله یامر بالعدل الخ“ و آیت ”قل ان الله لایامر بالفحشاء“ اگر ذوق فهم باشد بر این قدر دلالة دارد و اختیار صیغه مضارع که برائے تجدد موضوع است عمده اشاره بآنست لیکن ازین چه لازم که اختیار از دست قادر مختار رفته باشد بلکه کاربندی وعده و پابندی عادة خود دلیل است بر اختیار در صورت عجز از کاری وعده کردن و ناکردن هر دو بے هوده سری می باشد که تنزه خدائی قدوس ازاں لازم و واجب بالجمله تعطیل عباد و قلب قصه وجوب و حرمة ازاں بے نیاز مطلق ممکن و چون نباشد گنہگاران را از همین بے نیازی امید درگزرست و فرمان بردار آلرا از همین بے پرواهی زخم در جگر

فقط نظر بر حسن و قبح چیزی را واجب بوجوب حتماً یا حرامش
 همچنین نتوان گفت و تا آنکه نص قاطع برسد امثال یا احتراز
 ضروری نباید پنداشت البته وجوب طاعة و حرمت معصية همچو
 حسن و قبح طاعت و معصیت عقلی است چنانکه گفته شد و رنه
 دور لازم آید یا تسلسل لیکن در مفهوم طاعت و معصیت خود
 بر تحقق امر و نهی دلالة موجود است چه طاعت و معصیت همین
 امثال امر و نهی و مخالفة امر و نهی را گویند اندرین صورة طاعة و
 معصیت را تقدم امر و نهی لازم افتاد هان معروضات مفهوم طاعة و
 معصية که ذوات افعال حسنه و قبیحه است قبل عروض مفهوم طاعة
 و معصية اعنی پیش ورود شرع شریف و نفاذ امر و نهی و نزول
 اجلال و حی ازیں لزوم دور دورمی روند نظر براین ایرابراین قیاس
 نمودن راه و سواس پیمودن است و اگر کسی را این اندیشه در فکر
 اندازد که موجب اطاعة امر و نهی فقط حسن است چنانکه دانسته
 شد پس چه فرق بمیان آمد که اتباع اوامر و نواهی لازم افتاد و
 اقتداء حسب اقتضاء حسن و قبح لازم نشد جوابش این است که
 حسن ابتغاء مرضات الله که عین اتباع اوامر و نواهی است از حسن
 ماهیات افعال بدرجها قوی است چه منشاء حسن ابتغاء مرضات الله
 محبوبية خداست و منشاء اقتداء و مقتضاء حسن و قبح افعال بر
 محبوبية آن افعال است و فرقیکه میان خالق متعال و افعال است
 هویدا است و پس ازیں مخالفة اوامر و نواهی با مقتضاء مذکور
 ممکن و مخالفت اوامر و نواهی با اوامر و نواهی دیگر متصور نیست
 نظر براین قبل از ورود شرع شریف مطمئن نتوان شد ممکن است

که قصه بر گردد در پس از ورود شرع شریف اندیشه انقلاب از میان برخاست اکنون فهمیده باشی که آنچه حضرت عمر رضی الله تعالی عنه بعد نزول آیه "و یسئلونک عن الخمر و المیسر قل فیہما اثم کبیرٌ و منافع للناس الخ" فرموده اند "اللهم بین لنا بیان شفاء" چنانچه در ترمذی شریف در تفسیر سورة مائده مرویست بناء آن بر همین نکته دقیقه است والله اعلم اگر وجوب و حرمة یا استحباب و کراهت بطور مذکور لازم حسن و قبح بودی درباره ایجاب و تحریم بیان قلت منافع و بزرگی مضار خمر و میسر کافی بودی باز استدعاء بیان شافی چه معنی داشته اکنون باید شنید میدان و همه می دانند که ارسال رسل و انزال کتب و تفصیل احکام از حلال و حرام و تمیز خیر از شر موافق اعتقاد اهل حق بلمة خدائے برحق واجب نیست چه حق کسی بلمة خود ندارد و وجوب حق را ضرورست که از جانب مستحق نفعی بجانب مستحق علیه رسیده باشند حق را اگر مقتضاء چیزی گویند که خود در جانب او تعالی باشد مثل صفة رحمة و غیره که آثار خاصه معلومه را مقتضی است البته میتوان گفت که ارسال رسل و انزال کتب و غیره و اعطاء ثواب مثلاً حق است البته میتوان گفت که ارسال رسل و انزال کتب و غیره و اعطاء ثواب مثلاً حق است یا عدم تعذیب بشرطیکه بندگان مشرک نباشند حق بندگان برخداست مگر این چیزی دیگر است و حق مقتضی وجوب چیزی دیگر مع هذا وجوب را موجب بکارست و حرمة را محرم درکار اگر وجوب را بلمة خدا خواهند الداخت موجب از کجا خواهند آورد بالائے خدائے رفیع الدرجات لا

شریک له خدائے دیگر نیست که توهم ایجاب و تحریم و وجوب و حرمة بدل راه یابد و چون از اصل ارسال رسل و انزال کتب در جمله احکام و تفصیل و تمیز حسن از قبح یک دره بذمه خدا واجب نشد اگر تفصیل اکثر حسان از افعال قبیحه کرده وحی را بازدارند و از تفصیل بعض حسنات و سیئات سکوت ورزند میتو اندشد پس اگر ماهیتی از ماهیات افعال چنان باشد که در محاسن با ماهیات فرائض می سنجد اما از جناب او تعالی و تقدس پرده از حقیقه آن حقیقه نبرداشته اند موافق وعده صادق "وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا" تارک او مثل تارکان فرائض معذب نخواهد شد اگرچه حضرت رسول کریم صلی الله علیه وسلم حسب انکشاف خود از حقیقه حال و محاسن و مآل آن افعال خبر داده باشند چه انکشاف انبیاء خصوصاً سرور انبیاء صلی الله علیه وسلم و هر چند درباره صحت و تیقن شریک آن وحی باشد که از جانب او تعالی و تقدس بطور رساله و پیام رسانی فرود آمده اما از قسم رساله و پیامش نتوان گفت اندرین صورت این بیان واجب الاذعان آن سرور دوجهان صلی الله علیه وآله وسلم متعلق به منصب رساله آن رساله پناهی صلی الله علیه وآله وسلم نخواهد بود بلکه منشاء آن خیر خواهی و حقیقه آگاهی آن قبله گاهی صلی الله علیه وسلم خواهد بود که در آیه "لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم" ازاں خبر داده اند مگر این هم هویدا است که به مقتضاء همچو ماهیات اگر عقاب خواهد بود عتاب را که کم تر ازاں ست و داخل دران بدرجه اولی اقتضاء

خواهد نمود پس در صورتیکه عقاب را برداشتند و درباره نفی عتاب هیچ نفرمودند درباره عتاب همچو ماهیات بر مقتضاء خود خواهند ماند پس اینکه شنیده باشی که تارک سنة موکده معاتب است نه معاقب ازین جاست که معروض شد علاوه برین در صورت تاکید کم از کم عتاب از لوازم ترک است و نفس تاکید اتباع سنة از آیه " قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی یحببکم الله و یغفر لکم ذنوبکم والله غفور رحیم " و هم از آیه " لقد کان لکم فی رسول الله اسوة حسنة لمن کان یرجوا الله والیوم الآخر و ذکر الله کثیراً " اگر فهم سلیم باشد هویدا است درین آیه شرط " ان کنتم تحبون الله " و دران آیه صله " لمن کان یرجوا الله والیوم الآخر و ذکر الله کثیراً " این دو کلمه بر بے ایمانی تارکان دلالتی دارد که مسپرس دلالة ثانی ظاهر است باقی مانند دلالة اول اگر آیه " والذین امنوا اشد حباله " را باین آیه فراهم آرند و باز نظر بر گمارند آنچه گفته ایم صاف هویدا می شود و این انداز بے نیازی که لرزه بر اندام نیازمندان عبودیه شعار می افکند اگر عتاب نیست بگو که چیست سخنی قابل گوش زدن مانده آن اینکه عتاب راجه ضرور است که ماهیتی از افعال باشد چنانکه گفتی و باز نوبه مطالبه از جانب او تعالی هم نرسیده باشد فقط حضرت رسول اکرم صلی الله علیه و آله وسلم از حقیقه حال مطلع شده فرموده باشند می تواند که حسن و قبح از قسم کلی مشکک باشد و همین است اگر عقل سلیم و ذهن مستقیم باشد درجه از حسن و قبح منشاء فرطیه و حرمة بود و درجه دیگر که فروتر از آن باشد موجب تاکید و کراهه و حسب مدارج

محاسن و قبائح امر و نهی خدا وندی بدان تعلق یافته ثمره ترک فرائض عقاب و نتیجه ترک موکدات عتاب بود لیکن همه از جانب خدائے تعالی بود نه آنکه آن از جانب خدائے تعالی است و این از طرف رسول الله صلی الله علیه وسلم بجواب این سخن سخنی دیگر بشنو ما نمی گوئیم که هرچه تارک آن معاتب است همین طورست که ماهیتش هم سنگ فرائض است در محاسن و امر خدا وندی بدان تعلق نیافته فقط تاکید نبوی (صلی الله علیه وسلم) بطور خیر خواهی که مبنی بر انکشاف حضرت ایشان ست صلی الله علیه وسلم باعث بر آن گردیده نه بلکه هرچه سنة است آنچنان است که گفتیم ماهیتش چنان و کیفیت تعلق امر و نهی بدان چنین و ظاهرست که سنة همان ست که بآنحضرت صلی الله علیه و آله وسلم فقط انتساب خطاب دارد ورنه اگر نظر به مجرد عمل نبوی صلی الله علیه سنة تام نهادن رواست در فرائض چه نقصان است که سنة نام نمی نهند بلکه به مقابله سنة می نهندهان تعریف بعض اکابر اگر بر قسم مذکور از مامورات خدا وندی راست آید من نمی گویم که جمله تعریفات سنة جامع و مانع است آخر تعریف بالاعم هم در بعض مواقع جائز می شود باین همه اگر نزدیکی قسمی از افعال باعتبار تعریفی مسمی بسنة باشد و نزد دیگری باعتبار تعریفی مسمی باسم دیگر مثل نفل یا مستحب یا اسمی ندارد انجام آن بخبر نزاع لفظی چه خواهد بود بالجمله کلام مادرین است که هرچه سنة است این چنین است چه مفهوم سنة چنانکه دانی انتسابی خاص بلدات پاک حضرت لولاک صلی الله علیه و علی آله وسلم می

خواهد که بے طور مذکور برابر راست نمی آید مگر آنکه در تسمیه لحاظ مفهوم سنة نکنند یا گویند که احتمال مذکور فقط احتمال عقلی است در نقل یافته نمی شود اگرچه یافته شود و گویند لا مشاحة فی الاصطلاحات بالجمله فرض و سنة موکده باعتبار حسن ذاتی از یک نوح می باشند فرق اگر می باشد فقط همین قدر می باشد که درباره یکی پروانه سرکاری رسیده و بدین حساب تارکش محل عقاب گردیده و بنسبة دیگری همچنان گذاشته اند مگر چون این مضمون بی آنکه از شرح نوع فرائض چیزی زیر قلم کشیده شود و استطرادا از ماهیة واجب هم چیزی عرض کرده شود از هم نمی کشاید و کار نمی بر آید این قدر خود محقق است که خداوند تعالی علیم و حکیم است و هم متحقق است که فعل الحکیم لا یخلوا عن الحکمة درین باره زبان درازی و سخن پردازی تطویل لا حائل است آنانکه بهره از دین و علم دین میدارند می دانند و بابیهوده سران کارنداریم نظر بر این ضرور است و پر ضرور است که هرچیز را به مرتبة خود نهاده باشند و این طرف هوشیاران این راه را معلوم است که در دینیات اگر یکے مقصود بالذات است در برابرش امری مقصود بالعرض هم نهاده اند و چون بناسد در عالم اسباب هرچه هست دین باشد دنیا علاقه سیئه و مسیبه را اضمین کرده اند و کاری را بکاری گره داده اند تا دالی غنی عن العلمین همونست که همه را آفریده بالجمله عالم اسباب را که همانا عالم امکان است قطع نظر از احتیاج الی الواجب باحتیاج دیگر که مابین یک دیگر لغیه فرموده اند حاجت افتاده تا واحدالیه او تعالی

درباره غنا عن العلمین بجائے خود ماند این قضیه هر چند بدیهی است مگر با کسانی کار می افتد که دم را از سر نمی شناسند تا به تمیز مسبب از سبب و موقوف از موقوف علیه چه رسد تا وقتی که بیک دو مثال اطمینان خاطر نکرده شود اذعان نخواهند فرمود بدین وجه بطور مشتی نمونه از خرواری یک دو مثال اول عرض کرده می شود و باز در ضمن تقریر اصل مطلب مویدات این مطلب معروض خواهد شد علم را همه دانند که مقصود بالذات نیست فقط ذریعة تعبد است و بذات خود از تعبدات هم نیست چنانکه بدیهی است ورنه هر نوع علم که باشد عبادت شدی باین همه تعبد را ضرور است که متضمن تعظیم دیگر می باشد چه تعبد از اضافیات است و تحقق مقابلات تقابل تضائف را لازم است که یکی دست به گریبان دیگر می باشد اعنی یکی بر دیگر می متحقق نمی توان شد و مقابل تدلل خود تعظیم دیگری خواهد بود نه امر دیگر و ظاهر است که علم ازین قصه خبر ندارد در تحقق علم وجود عالم و معلوم و تعلق مبدء انکشاف عالم به معلوم کافی است به تعظیم و تحقیر خویش یا دیگران سروکاری ندارد بالجمله علم هر کجا که باشد ذریعة احوال و با وسیله افعال می باشد آن احوال و افعال حسنات باشد یا سینات از دین باشد یا از دنیا اندرین صورت مابین آن احوال و افعال همین علاقه سببیه و مسببیه خواهد بود همچنین رفتار مسجد و غیره و گفتار پند و غیره و اعداد آلات جهاد و غیره از اسباب و ذرائع قریبه یا بعیده تعبدات است نه از اصل علم تعبدات و این هم ظاهر است که مقصود بالذات درین اقسام تعبدات است نه ذرائع باعتبار عقل

این قضیه محتاج دلیل نیست و باعتبار نقل اگر بینی آیت " وما خلقت الجن والانس الا ليعبدون " و آیه " وما أمروا الا ليعبدوا الله مخلصين له الدين " بهر اثبات این دعوی کافی است مگر دانی که مقصود بالذات از اشیاء مرکبه هیئۀ اجتماعیۀ می بود و نظر اولی در ترکیب بر هیئۀ حاصله می باشد و اجزاء آن اشیاء مرکبه باین نظر که متممات و مبادی و ذرائع و وسائل آن هیئۀ می باشند مطلوب می گردند بذات خود لیکن چنانکه اجزاء شکل و صورت انسانی مظاهر و آلات کمال پنهانی اوست چه گوش مثلاً مظهر و آله قوت سامعه و چشم مثلاً مظهر و آله باصره است هم چنین ارکان این صلوات و غیرها مظاهر احوال روحانی و کیفیات پنهانی است که در مقابله عظمه و علو که مثلاً در رکوع و سجود ملحوظ می باشد افتاده و وجهش چنانکه دانی ظاهر است زیرا که عبادت و تعبد نام همین احوال و کیفیات است هر قدر که باشند این افعال و رنه در مخلص از منافق چه فرق بود و همین است که " لا صلوة الا بحضور القلب " یا " انما الاعمال بالنيات " فرموده اند لیکن چنانکه در شکل انسانی علاوه هیئۀ اجتماعیۀ مطلقه که بی این ترتیب معلوم و اوضاع معلومه هم پیدامی توان شد هیئۀ اجتماعیۀ خاص هم مطلوب است که در تحصیل از مقادیر معلومه اعضاء و اوضاع متعینه اجزاء ناگزیرست همچنین در اعمال تعبدیه وراء هیئۀ اجتماعیۀ مطلقه که با اجتماع کیف ما اتفاق قیام و قعود و رکوع و سجود حاصل می توان شد هیئۀ دیگر خاص مطلوب است که بعد لحاظ مقادیر خاصه که معبر باطمینان است و اوضاع مخصوصه که مفسر بترتیب آن

بدست توان آورد و چنانکه از کمالات انسانی مورث جمال هیئت ثانی است در افعال نیز مصداق جمال همانست لیکن پیدااست که دو کمالات مخصوصه اعضاء معلومه که باعضاء معلومه نسبة روح بآبدن دارد تناسب اگر هست آن چنان ست که در اجزاء نسخه باعتبار کمیت اوزان می باشد که منشاء تناسب مدارج کیفیات آن اجزاء می بود نه باعتبار وضع مخصوص هم چه وضع را قابلیت وضع ضرور است و وضع این جاچنانکه دانی مفقود و اگر باعتبار وضع هم باشد بلحاظ تقدم و تاخر طبعی خواهد بود که مارا درین قصه ازان کاری نیفتاده تا حرفی ازان زیر قلم کشیم اندرین صورت اعضاء معلومه راده پهلوی برآمدیکی کمالات معلومه دوم هیئات مخصوصه و آن هم در مواقع متعینه باعتبار اول از آلات کمالات است و باعتبار ثانی از مبادی و متممات جمال اگر بالغرض چشم و گوش را باین هیئت که می بینی نه بینی یادین مواقع که می یابی نیابی باعتبار اول کمی و نقصان را نخواهی یافت اما جمال صورت نخواهی یافت مثلاً اگر چشم در مقدار و هیئت مثل چشم مگس و گوش چون گوش خرباشد یا ازین مواقع که دران واقع است گردانیده بجائی یکی دیگری را نهند یا بجائی دیگر برند هرچند باعتبار کمالات مخصوصه نقصان پیدا نشد اما باعتبار جمال اگر دیده کشاده بینی بدانست که آن دولت از دست رفت لیکن این هم دانسته باشی که نظر بر چشم اولاً باعتبار اول ست اگر باین هیئت خوب و این اسلوب از قوه باصره تهی باشد بحساب تو غلوة چشم مضغه گوشت بیش نیست بالجمله صورت اگر مطلوب است

اگرچه محبوب باشد بس از کمالات معلومه مطلوب است و چون نباشد رتبه آله بعد رتبه فاعل است چه از توابع اوست و مرتبه مظهر بعد مرتبه ظاهر و دانی که حقیقت انسانی ظاهر درین مظاهر است که عبارت از اشکال جسمانی است و این کمالات او فائض ازین آلات است که معبر باعضاء است چون این قدر بشنیدی گوش را نزدیک تر کن که نتیجه این همه مقدمات بر تو عرض کردنیست بشنو که نفس چشم و گوش قطع نظر از هیئات مخصوصه و مواقع معلومه و مقادیر متعینه از ضروریات حقیقه انسانی است چه نظر اول بر کمال است چنانکه دانستی اگر خدانخواستہ یکی هم ازین اعضاء و اجزاء نباشد از کمالی بیش بها که واقعی از متممات حقیقه انسانی است محروم ماندی چه حقیقه انسانی نام مجموعه همین کمالات است مثلاً ظاهری باشد یا باطنی باین اعتبار این اجزاء و اعضاء را اگر ارکان یا فرائض خوانند بجاست و اگر اعضاء معلومه همه باشند اما این چنین نباشد هیتی دیگر یا محل دیگر بود خللی به کمالات نمی رسد اما جمال صوره از دست می رود باین اعتبار اگر ترتیب معلوم را از ضروریات حقیقه انسانی که باطن آنست شناسند از مکملات حسن ظاهری داند و بهر فرق مراتب و تمیز حقائق یکی از دیگری این قسم را واجب نام دهند زیباست و مراد از واجب آن دارند که از مکملات و متممات صوره مقصوده باشد که مصداق جمال است و عدم آن مصداق قبح که بمکروه تعبیر توان کرد چه اگر گویند که ما را مثلاً این شئی یا آن شئی مکروه می نماید مراد همین باشد که قبیح و زشت و زبون می نماید که در یک مفاد

شریک اند لیکن هرچه این چنین است از ضروریات جمال است که بدرجه ثانیه مطلوب و ضروری نه از ضروریات کمال که بدرجه اول مقصود و لا بدی است بدین سبب ضروری شد اما در درجه ثانیه و همچنین عدم او از مفسدات جمال مذکورست نه از مفسدات کمال مسطور و مبطلات او بالجمله کمال هم ضروریست و جمال هم ضروری عدم اول مفسد حقیقه است و عدم ثانی مبطل صورۀ چندانکه در حقیقه و صورۀ فرق است همی قدر در فرض و واجب فرق باید دید و هم چنین در احکام وجود و عدم هر دو تمیز باید کرد بالجمله هر چیز را درین عالم معنی است و هر معنی را صورۀ باز در اشیاء مرکبه مقصود بالذات باعتبار معنی هیئۀ اجتماعیۀ معانی متعدده و باعتبار صورۀ هیئۀ اجتماعیۀ صور متوعه می باشد پس باعتبار اول معانی متعدده که با اجتماع آن هیئۀ مشار الیها پیدا شده از ضروریات است و عدم آن معانی از مبطلات آن و باعتبار ثانی صور متوعه که با اجتماع آن صورۀ اجتماعیۀ مشار الیها پیدا شده صور متوعه از ضروریات است و عدم آن از مفسدات آن بالجمله ما هیئۀ اجتماعی را از معنی کمال و از صورۀ جمال نام نهادی می گوئیم که مقصود بالذات از اشیاء مرکبه درین عالم فقط کمال و جمال است و بس و هرچه جزاین است متمم این است یا مکمل آن چه مراد از مقصود بالذات آنست که آله تحصیل امر دیگر نبود بلکه امور دیگر آله تحصیل آن باشند و این چنانکه دانی در کمال و جمال متحقق است نه ذرائع و وسائل و آلات و متممات آن مگر چنانکه پیشتر دانسته مصداق کمال کیفیت اجتماعیۀ حاصله است

که بعد اجتماع اجزاء چند خود بخود پیدامی شود حاجه تحصیل دیگر نمی افتد و همچنین مصداق جمال هیئة و اجتماعیه حاصله است که پس از اتصال مقادیر چند باوضاع چند بی انتظار امر دیگر خود بخود عارض میگردد و ضرورت استحصال تازه نمی افتد نظر برین فقط نظر بر اجزاء و متممات و مکملات آن و این کردند و مدار کار طلب بر استحصال اجزاء کمال و تحصیل جمال نهادند مگر چون اول بذات نظر بر کمال است و ثانیاً و بالعرض نظر بر جمال چه اگر چشم نیکو منظر باین شوخی و وضع و پیکر که دانی از نور نظر تهی باشد بحساب صاحب چشم مضغه گوشت است و مغربی پوست لهذا حال مکملات کمال و متممات جمال نیز درباره مد نظر بودن بهمین نسبة باشد اکنون می گوئیم که در مجموعه دین نظر کنیم یادر نوعی ازان مثل صلوات خمسہ یا در فعلی خاص مثل صلوة ظهر و عصر و غیره لا جرم بنوعی از کمال و جمال مشتمل خواهد بود ورنه دعوی احسن الخالقین بودن خدا وند تعالی دعوی صرف باشد نعوذ بالله و همچنین ارشاد ”واتبعوا احسن ما انزل الیکم من ربکم“ یا وعدة ”ولیکن لهم دینهم الذی ارتضی لهم“ که هر دو بر احسن و مرتضی بودن این دین دلالة دارد تغلیط محض باشد تعالی الله ”عن ذلک علوا کبیرا“ اندرین صوره هر چیز یکہ از مکملات کمال است اگر از طرف شارع مطلوب خواهد بود بدرجہ غایت مطلوب خواهد بود چه مدار کار تحقق حقیقة مطلوبه که همالا آن هیئة کمالیه است بر همانست اگر هست هست و اگر نیست نیست زیرا که هیئة اجتماعیه را باجزاء مکمله خود ہمیں طور ارتباط است

چنانکه پیدا است و بدین وجه اگر آن را فرض یا رکن خوانند بجا باشد و هم چنین آنچه که از متممات جمال است اگر از طرف شارع مطلوب خواهد بود بدرجۀ فروتر از اول مقصود خواهد بود چه برهست و نیست این قسم اگر موقوف ست وجود و عدم جمال موقوف است و آن خود اگر مطلوب ست در درجۀ ثانیه مطلوب است اعنی بناء حسن صورة بر آنست نه ایتنا کمال حقیقه تا بوجود و عدم آن تحقق و بطلان اصل لازم آید بدین وجه اگر بهر فرق مراتب این قسم ارکان را واجب نام نهند مستحسن باشد و چون مقابل تحقق بطلان ست و مقابل جمال قبح به تحقق قسم اول وجود حقیقه که در حقیقه ما به التحقق و سرمایه تحقق همانست و به عدم بطلان حقیقه و بتحقیق قسم ثانی تحقق جمال و بعدم آن قبح صورة لازم خواهد آمد و همین مفاد فرض و واجب چه فرض صلوة مثلاً رکوع و سجود اگر میسر آید نماز میسر آید ورنه نماز باطل شد و واجب صلوة مثلاً ترتیب و غیره اگر میسر آید فیها ورنه مکروه شد که بعینه ترجمۀ قبیح است و چون قبح در مقابل جمال افتاده لا جرم در صورت اداء واجبات بجائے قبح که ترجمۀ کراهة است جمال خواهد بود غایة ما فی الباب ما رادیده ادراک این کمال و جمال و این حسن و قبح نداده باشند مگر ازیں قدر انکار این معنی نتوان کرد نابینا یا ن راهم دیده بسر نهاده اند و نور بصر نداده اند مگر بینایان صادق هر کرا حسن و قبیح می خوانند او شان همچنان می دانند و ازیں جا کمی واجب از فرض اعتقاداً و تساوی آن با فرض عملاً نیز بشناخته باشی چه واجب هم چنانکه دانستی از

ضروریاتست ورنه قبح لازم خواهد آمد که انجام آن بر عدم قبول است و عملی که مقبول نیست بودن و نابودنش برابر است مع هذا این جا کلام در صورة است نه در حقیقه چه صوم و صلوة و غیر اعمال دینی و افعال مخصوصه هر یکی ازین همه از قسم صورة است اگر فرق ست همین قدرست که بعضی اشیاء مثلاً رکوع و سجود مظاهر کیفیات خفیه باشند چنانکه چشم و گوش انسانی مثلاً مظاهر قواء پنهانی است و بعضی امور مثلاً ترتیب و غیره مظاهر کیفیات قلبیه نباشد چنانکه اوضاع چشم و گوش اعنی این ترتیب و این مقدار مظاهر کیفیات پنهانی نیست چه اگر بالفرض این وضع و این ترتیب نباشد در کیفیه کمالیه نقصانی راه نمی یابد آن هیئت کمالیه بدستور قدیم می ماند و بزبان حال "الآن کما کان" می گوید مگر ازین فرق بجزاینکه فرق مراتب ضرورت پیدا شد دیگر چه هویدا است بالجمله صورة از ضروریات است فقط نظر بر حقیقه نیست ورنه حجة افتراض صوم و صلوة و رکوع و سجود چه بود غایه ما فی الباب صورة اگر مطلوب شد بغرض ظهور حقیقه مطلوب شد اعنی حقیقه را بهر کاری ساخته اند که اگر این مظاهر نباشد آن کاروآن آثار ظاهر نمی توان شد چنانکه از مثال چشم و گوش روشن شد مگر چون صورة بغرض کمال یا ظهور کمال ضروری شد جمال که بے غرض همجو کمال مطلوب است چون ضروری نخواهد شد فرق اگر باشد در مراتب ضرورت باشد آنکه از سرحد ضرورت خارج شده به مرتبه فروتر افتاده مگر این فرق خود در فرائض موجود است نه بینی که صلوة به نسبت دیگر عبادات زیاده تر

ضروری است بالجمله این فرق اعتقاد و تساوی عمل در فرض و واجب و فرق بطلان و قبح در ترک آن هر دو که بشنیده باشی بطور یکه عرض کرده شد موجه شد و حاجة تفریع بر ثبوت قطعی و ظنی نماند بلکه احکام مذکوره را اگر بغوردیده شود بدل همی ریزد که مدار آن بر آنست که این هیچمدان بیان کرده نه بر آنکه از قصه ثبوت قطعی و ظنی بگوش تورسیدهورنه اگر فرق اعتضاد و تساوی عمل بطور مذکورراست می آید فرق بطلان و کراهه و وجوب تکرارادا در صورة ترک واجب عمداً و اکتفاء بسجده سهو در صورة سهو چسان منطبق خواهد آمد چه مفاد ثبوت ظنی فقط همیں قدرست که علم این معلوم مثل علم فلان معلوم قطعی نیست مگر دانی که این فرق اگر هست بجانب علم ست نه بجانب معلوم تا فرق احکام مذکوره که واقعی احکام معلوم ست نه علم لازم آید و این بدان ماند که در آب مشکوک به نسبة آب طاهر یا نجس فرق می باشد چه این فرق در مرتبه علم ست نه در مرتبه معلوم در مرتبه معلوم اعنی در واقع آب مشکوک هم ازیں دو قسم ست طاهر ست یا نجس قسم ثالث نیست تا فرق احکام مرتبه معلوم لازم آید و فرق احکام علمی فقط همیں است که در قطعية انسان مخاطب با احتیاط نیست و در ظنية مخاطب با احتیاط است پس مقتضاء احتیاط در صورة ثبوت ضرورة فعلی بطرز ظن آن بود که اگر آن فعل متروک شود بازاعاده کنند سهواً ترک کرده باشد یا عمداً چنانکه پیدا است نه اینکه سجده سهو در سهو تلافی کنند و در صورة عمد مکروه دارند اما اصل را ثابت و متحقق انگارند مگر

آنکه فهم نارساء این نابکار به مقصود اکابر نرسیده باشند و ازیں هم در گذشتیم مگر این راجه باید کرد که رسول الله صلی الله علیه وسلم نیز سجده سهو کرده اند پس اگر بناء سجده سهو بر ترک واجب ست چنانکه مسلم است و واجب آنست که بدلیل ظنی به ثبوت پیوسته حاصل کلام آن شد که رسول الله صلی الله علیه وسلم را هم باین تابع وحی و تساوی اجتهاد نبوی صلی الله علیه وسلم با و در تیقن هنوز در بعض احکام علم یقینی حاصل نبود الغرض اگر فرض مذکور راست می آید به نسبة امة مرحومه راست می آید اما به نسبة رسول الله صلی الله علیه وسلم این قسم فرق متصور نیست والله اعلم بالصواب بالجمله اگر عقل صاف و دیده انصاف باشد پس از مشاهده یا استماع تقریر مسطور ناظر و مستمع را درین امر تأملی نمی ماند که مجموعه دین را بهیئة اجتماعی گیرند یا انواع مخصوصه را مثل صلوات خمس و آنرا هم مجتمع باعتبار زمانه مخصوص معتدبه لحاظ کنند چنانکه صلوة یک دوره از ادوار فلک دوار غنی نماز هائے لیل و نهار یا باعتبار افعال داخله دران از قیام و قعود و رکوع و سجود بهر حال مثل دیگر ماهیات مرکبه حقیقتی دارد و صورتی که مظهر آن حقیقه می باشد باین طور که ارکان آن صورة مظهر کمالی از کمالات آن حقیقه بود چنانکه چشم و گوش از صورة انسانی مظهر آثار قوه باصره و قوه سامعه می باشد که از کمالات نفس ناطقه انسانیست پس هر فعلی ازیں مجموعه که بدین صفة باشد به نسبة صورة آن مجموعه فرض است اگر به نسبة آن مجموعه طلبی ازاں طرف بدین تاکید رسیده

که اگر بجا آور دید لبها ورنه فکر خود باید کرد که سامان عذاب مهیا ست و چون در مطالبه این چنین ارکان اولاً نظر بر ظهور کمالات باطنه می باشد لحاظ اشکال معلومه و مقادیر معلومه و مواقع معلومه رکوع و سجود و غیره ضرور نیفتاد چنانکه اعتبار اشکال معلومه و مقادیر معلومه و مواقع معلومه چشم و گوش و غیره ضروری نیست چه اگر چشم و گوش بنی آدم بدین شکل و صورت که می باشد نباشد بشکل چشم و گوش خوک و خربود و بدین مقدار که می دهندند هند بمقدار چشم و گوش مگس و فیل دهند و درین مواقع که واقع است ننهند زیر و بالا ازین مواقع نهند در ظهور کمالات مربوطه بچشم و گوش هیچ نقصانی نمی رسدهاں اگر ترتب کمالات بطوری بودی که نقشه هیئت باطنی برین نقشه هیئت ظاهری سراپا منطبق آمدی و مواقع کمالات باطنه مقابل مواقع اعضاء ظاهره افتاد می آن وقت این ترتیب هم فرض شدی چه اندرین صورت ظهور کمالات بی تطابق نقشه ظاهر و باطن محال بود غرض بلحاظ ظهور جمله کمالات صلوة که عبارة از کیفیات باطنه مخصوصه رکوع و سجود است و همانا حقیقة صلوة است فقط مجموعه ارکان مطلوب است بهر طور یکه میسر آید این ترتیب باشد که نباشد و این مقدار و این شکل بود که نبود کیف ما اتفاق اجتماع جمله ارکان باید چنانکه برای ظهور کمالات پنهانی انسانی کیف ما اتفاق اجتماع چشم و گوش می شاید مگر چون قریب ترشیده آمده که مقصود از اشیاء مرکبه کیفیه حاصله و هیئت اجتماعیه می باشد چنانکه در نسخه های مرکبه شنیده باشی که

مدنظر طبیب کیفیت امتزاجی کیفیات جمله ادویه می باشد که مزاج مرکبش گویند نه خواص جداگانه هر دوا بدین وجه خود فهمیده باشی که فصل بالاجنبی و تخلل افعال نا ملائم نماز از کلام و سلام و شرب آب و اکل طعام مفسد صلوة باشد زیرا که صورة جامعه و هیئت اجتماعیة کمالات باطنه نماز که بذات خود مطلوب است و هر کمال باطن که مقصود بود بغرض تحصیل آن هیئت مقصود بوده بذات خود بتخلل اجنبیات در هیئت اجتماعیة ارکان ظاهره از هم می باشد و وجهش چنانکه دانسته باشی این است که منشاء جمله افعال ارادیه عزم و اراده است که قلب را بجانب مراد می گردانند پس هر فعلیکه رو بداند ندارد اگر بمیان آید آن وقت قلب بدرگاه مقلب القلوب نه خواهد بود بلکه از درگاه آن محبوب روتا فته بدرگاه دیگر خواهد رسید اندرین صورة حقیقة صلوة فقط کیفیت امتزاجیه احوال خاصه نخواهد بود که پس از حضور اعنی ذکر صفات خاصه باری تعالی از عظمت و علو و غیره پیدا می شود و بارکوع و سجود رشته ارتباط دارد بلکه کیفیت امتزاجیه دیگر خواهد بود که بامتزاج احوال معلومه و این احوال دیگر پیدامی شود که اراده اکل و شرب و غیره را ضرورست چه عزم و اراده را در نشوونماء و حدوث خود ضرورة احوال هم چنان است که افعال ارادیه را ضرورة آن یا گویی که اگر در افعال ظاهره فعلی اجنبی بمیان آید شیرازه هیئت اجتماعیة ظاهره پریشان خواهد بود اندرین صورة این ارکان ظاهره بنسبة آن هیئت باطنه کمالیه چنان بیکار خواهد شد که چشم و گوش و غیره اعضاء انسانی را از هم جدا کنند و بنسبة رُوح باطنی بیکار گردانند

بهر حال حقیقه و رُوح نماز همان کیفیت امتزاجیه باطنه است و این هیئت ظاهره بمشابه جسم اوست اگر جسم صلوة اعنی این حرکات بی روح آن بود که آن کیفیات است چنانکه نماز ما باشد همچو جسم بی روح چه کار آمد نه ست ناقابل نذر و نیاز خدا و ندی باشد بالجمله هر کیفیت امتزاجیه را ضرور است که از ارکان آن کاهندونه رکنی دیگر افزایند و آنکه بتزائد رکوع بریک رکوع یا سجود بر دو سجده نماز فاسد نمی شود و جهش اینست که ظاهر هم چنان بر مقدار خود اما مظهر از مقدار خود افزوده یا ظاهر هم از حد خود پابرون نهاده اما پشت بر آن درگاه نداده روهم چنان بدانسو است اگر فرق ست همی قدر است که چشم کسی از مقدار متناسب کم و زیاده گردد اندرین صورت بجز قبح منظر دیگر چه نقصانی ست هم چنین در صورت مرقومه بالا جمال کمال باطن از دست می رود کیفیت امتزاجیه کمالات خاصه از دست نمی رود چه حالی دگر هم نه پیوسته غرض نوع همان ست و تشخص خاص چنانکه دانی مطلوب نیست ورنه بجز کسانی که آن تشخص بهم رسانیدند همه مقصر باشند و میدانی احوال هر کس بقدر ملکات و اندازه اوقات مناسبه می باشد و درین امر هر فرد بشر چنان متفاوت ست که در شکل و صورت چنانچه از مشاهده اوضاع اخلاق و امزجه بنی آدم هویدا است پس جمال کمال باطن از هم باشد با جمال ظاهر از دائره نوع مطلوب قدم بیرون نیفتاده و انجام زوال جمال بجز قبح منظر چیست که باکراهه دم ترادف می زند بالجمله باستماع تقاریر مسطوره بالا خوب هویدات که فرض در دین یا در اعمال همان ست

که مظهر کمالی از کمالات باشد که ذاتیات و اجزاء رُوح دین یا رُوح آن افعال بود که معبر به کمال است و واجب آنست که متمم تناسب صورة آن بود که مفسر بجمال ست بشرطیکه آن رُوح ازان طرف مطلوب بود و همچنین مبادی افعال را در مراتب آن افعال باید نهاد اگر فرض است مبادی آن فرض و اگر واجب ست مبادی نیز واجب خواهد گردید مبدء فعلی اگر امر واحد است ظاهر است ورنه اُمور چند بسبیل بدایه اگر مبدء چیزی می شوند چنانکه و ضو و تیمم به نسبة نماز اندرین صورة مصداق مفهوم هر دو از مبادی خواهد بود و اگر مطلوب نیست اعنی ایجاب شرعی بدان نه پیوسته پس هر فعلی که به نسبة آن از قسم اول ست اعنی مظهر کمالی از کمالات آن رُوح باشد آن راسنه مؤکده دانند و اگر از قسم ثانی ست اعنی فقط متمم جمال صورت آنست آنرا مستحب شناسند زیرا که مقصود بالذات بدرجه اول هیئة اجتماعیة کمالیة است و بدرجه دوم هیئة اجتماعیة جمالیة چنانچه مفصل و محقق دانستی پس هر چه جز این دو هیئة باشد و مطلوب بود مکمل کمال باشد یا متمم جمال غرض چون مقصود بالذات منحصر در دو قسم ست مقصود بالعرض هم ازدو قسم بیرون نخواهد بود و چون در هر دو مقصود بالذات در صورة ایجاب شرعی فرق ست اگر یکی فرض ست دیگر واجب در صورة عدم ایجاب نیز هم چنان فرق نزول خواهند کرد پس چون مشارکات نوع فرض سبب و موکده شدن مشارکت نوع واجب ازدرجه صفة موکده فروتر آیند و آن دالی کو همیں درجه استحباب ست و بس مگر چون سخن تازه اگر چه موجه

باشد هر کس را پسند نمی افتد و بآدنی خیال مخالف که همانا منشاء آن سوء فهم شان می گردد بردو آن کار برسر پیکار می آیند بطور دور اندیشی تطبیق این معنی بریک دو ماهیه واجب که بظاهر ازین معنی بر کران میرود لازم افتاد که میدانمی که علم از مبادی احوال است حالی نیست از درد فراق یا شوق و اشتیاق یا خوف و دهشة یارنج و راحت حلم و حیا یا بخل و سخا غضب و شدة و حشة و انسية و غیره که بے علم پیدا آید بیخ همه همین علم است اگر از محاسن محبوب مثلاً خیر نبودی و بوصل و فراق اطلاع نیافتی این درد فراق و شوق و اشتیاق از چه برخاستی و هم چنین قیاس کن اندرین صورت قرأة در نماز لاجرم از مبادی خواهد بود چه اوقسم علوم است نه از قسم احوال تا در سلک مقاصد اعنی عبادت در آید باقی مصود بودن عبادات نه علوم خود ازین دو آیه می برآید که پیشتر هم بغرض همین اشاره بدان دست آویخته شد اعنی آیه ” وما خلقت الجن والانس الا ليعبدون “ و آیت ” وما أمروا الا ليعبدوا الله مخلصين له الدين “ و این هم دانی که عبادة اعنی تذلل و تخشع از احوال ست نه از علوم پس جزاینکه از مبادی عبادة گفته شود دیگر چه گفته شود مگر این هم هویدا است که قرأة باستماع کلام خدا وندی اگر موجب حدوث تذلل در باطن انسان می شود بدو وجه می شود اول اضافه آن بجانب آن خدا وند بی نیاز دوم تضمن آن طلب تعبد راجه عظمة متکلم بالذات امثال او امر اتقاء مناهی آلامی خواهد مگر آیتی نیست که ازین غرض معرا باشد هان بعض آیات بتصریح متضمن طلب عبادة است که همانا تذلل و انقیاد

باشد و در هر دو صورت امتثال او امر و اتقاء معاصی ظهور میکند و بعض آیات بر تمهیدات باتفرنیات آن اندرین صورت هر آیتی که باشد در احداث این حالت اعنی تذلل و انقیاد که اصل عبادت و رُوح نمازست کافی است و از کلام رسول الله صلی الله علیه وسلم یا نائبان اوشان پس از لحاظ اضافه رساله و نیابة آن بجانب خداوند اقدس هر چند تذلل می زاید ما نماز را حضور هم باید تذلل غائبانه کافی نیست بلکه اگر عقل غائر باشد دانی که تذلل بر حضور صورت نه بندد آنکه در غیبه باشد آنرا خوف و ترش باشوق و اشتیاق گویند که وقت حضور باعث تذلل می شود مع هذا نماز را بیک حساب صورت اسلام باید پنداشت چنانکه من ترک الصلوة متعمدا فقد کفر ازین خبر می دهد و اسلام دانی که انقیاد و عزم امتثال او امر و نواهی را گویند پس گویا نماز حالتی است که پس از امتثال او امر و نواهی که متضمن است بوعده امتثال و انتظار امر و نهی و این کلام الله خوانی بیان مامورات و منهیات است بدین سبب تعیین کلام الله از جمله کلام ها لازم افتاد بالجمله درین قدر که مذکور شد جمله آیات مشارک اند فرق اگر باشد همین قدر باشد که آن حالت به پیکر هائے گوناگون و تشخصات بو قلمون ظهور می توان کرد عمده ترین پیکرها بعلمی خاص مربوط باشد که در آیتی خاص یاد در سورتی خاص و دیعه نهاده اند پس فاتحه را که امام اعظم رحمة الله واجب گفتند وجهش آلت که اول علم ذات و صفات را مشعل است که منشاء عبودیه گردیده اعنی رحمة و ملک روز جزاء چه موافق اشارات همجو آیه " العبدون من دون الله ما لا

يملك لكم ضرار ولا تفعا" مدار کار عبودية بر ملک نفع و ضرر است و در فاتحه الرحمن الرحيم اشاره بادل ست و جمله " مالک يوم الدين " بقرينه " لمن الملك اليوم " که از سلب کلی صفة ملک آن روز از همه خبر می دهد اشاره بثنائی و جون این دو عنصر علما اقتضاء عبادۀ بهم رسیدند مناسب افتاد که ازیں طرف اظهار انقیاد و عجز و نیاز کرده خواستگار بیان مرضی از نا مرضی شوند بدین وجه " ایاک نعبد و ایاک نستعین " که عین اظهار تذلل و عجز نیاز است عرض کرده " باهدنا الصراط المستقیم " الی آخره التجاء اوامر و نواهی می کنند بالجمله چنانکه نماز بیک نهج خلاصۀ اسلام بود فاتحه خلاصۀ نماز است پس پیکری بهتر ازیں بهر تذلل مطلوب نبود که مصداق جمال بوجود می آمد بناء علیه موافق قاعدة مسطورة بالا واجب شد و چون اتمام حسن انقیاد بی امثال و اتقاء صورة نه بندد و امثال و اتقاء بی أمر و نهی نقش توان بسمت قراءۀ سورة پس از فاتحه که همانا بیان اوامر و نواهی است چنانکه دانستی واجب آمد وی این طرف شاید در وجوب تقرر رکعات ثلاثه خدشه بدل ناآشنایان حقائق افعال افتد زین وجه رمزی ازیں هم گفتن ضروریست برادر من در اول اسلام بشهادة روایة حضرت عائشه رضی الله عنها که در بخاری و دیگر صحاح مرویست نماز حضر و سفر دو (۲) دو (۲) رکعة بود و بلحاظ بقاء نماز مغرب در سفر و حصر بیک حال ظاهر چنانست که نماز مغرب دران زمانه هم همین سه رکعة بود و وجهش چنانکه مذکور شد آنست که نصف از دورۀ شب و روز که دو از ده ساعة می باشد بوجه احسانات

خود خود گرفتند و دو آزه باقی به بنده گرفتار حوائج دادند غرض
 رعایه این دو جهت که بنده ازان خالی نیست فرموده در اوّل امر
 تقسیم علی السویه فرموده به مقابله هر ساعه رکعتی نهاده بودند و
 بازوبه تقاضاء تناسب و تریه خود که الله و تریح الوتر بیان آنست
 یک رکعه از دو آزه کاسته بودند چه در افزائش شائبه ظلم بود که
 خداوند عدل ازان منزّه است یازکه به تکرر مشاهدات دلائل
 توحید افعالی که عبارة از انتساب جمله افعال بجانب آن کبیر متعال
 ست و تواتر همجو آیات ”والله خلقکم وما تعملون وما تشاءون الا
 ان یشاء الله“ قاضی الحاجات بودن خداوند کریم باعتبار تیقن و دل
 نشینی در دینیات بدرجه محسوسات و بدیهات در معقولات رسید
 و این طرف بفتح متواتره که متضمن کسر شوکه دشمن و رفعة و
 ثروة و غناء اهل اسلام بود موانع را یکسونهادند و خوانن نعمه
 بروکشادند آن دو آزه ساعه که بهر کاربنده بگذاشته بودند بحکم
 انصاف بقرعه خداوندی آمده تعمیر آن بطاعات ضروری شد مگر
 بجهة دیگر که دیدیم حساب رکعات از شانزده نمی افزود چه
 اقتضاء عبودیه چنانکه گذشت بدوجه ملک نفع و ملک ضرر
 مربوط بود بدین جهة دو رکعه راهم پیوستند و تنها یک رکعه
 ممنوع شد چنانکه روایة نهی عن التبراء او کما قال برآن دلالة دارد
 مگر نفع بدو قسم است اوّل احسانات سابقه که عبارة از ایجاد بنده
 و اعطاء ملکات روحانی و جسمانی است دوم احسانات لاحق که
 مفاد قضاء حاجات بشریست بدین وجه در ظهر و عصر از دو (۲)
 رکعه بچار رکعه رسانیدند باقی ماند مغرب هر چند نظر بظاهر این

جا هم چار رکعة می بایست اما بشنو که مغرب را حضرت رسول اکرم صلی الله علیه وسلم و ترالنهار فرموده اند بدین وجه این نماز را از صلوة نهاریه قرار داده اند و این قرار دادن بے جا هم نیست چه این وقت در بقیه کار روزانه صرف میشود و همین است که در خواب که غرض اصلی از وضع شب است چنانکه جمله لتسکنوا بر آن دلالة دارد دهم قدری از نور که شفق از آثاران است و ابصار آن وقت هر قدر که می باشد مستفاد از آن اندرین صورت ابتناء این رکعات بر نفع و ضرر روزانه باشد که به شهادة لتبتغوا من فضله همین کسب معیشة است مگر هویدا است که نفع کسب معیشة وقتی بانجام خود می رسد که هر چیز یک به هم آورده بمصرف آن صرف نمائی اگر نان ست بخوری و اگر آب ست بنوشی و بلذة و راحت که در آن نهاده اند بررسی لیکن پیدا است که این لذة و راحت که مثل حرکات اکل و شرب غیر قارالذاة است و از اقسام متجددات ست که هم رکاب زمانه میرود قارالذات نیست که باز گرفته شود پس احتمال سلب آن که همانا ترجمه ملک ضررست مرتفع شد محالش خوانی یا غیر معتاد فقط جهة ملک نفع ماند و ازین جا وجه سه رکعة بودن و تر اللیل هم دانسته باشی فقط این قدر قابل بیان ماند که راحت شب سکون و خواب ست و اندران حاله دانی که اداء شکر این نعمة نتوان شد باین نظر که در روز هم اگر نظرست بر منافع بالقوة است نه بر منافع بالفعل ورنه بساکس است که داله هم فرو نمی رود تا به سیری شکم چه رسد و قطره هم نمی نوشد تا بدفع تشنگی چه رسد درین جا هم احکام را بقوة دانستند و

به انتظار فعلیه نه نشستند مگر چون حساب هر دو نصف که پیشتر بدان اشاره رفته بر نماز عشاء تمام می شود چنانچه دانسته و به نظر وجه تعیین دو رکعة در اول و افزون دو رکعة در آخر هویدا است که در یک نماز گنجایش زیاده از چار نیست و نماز صبح چنانکه در وقتی افتاده که نه از شب توان گفت و نه از روز و همیست که وتر اللیل را پیشتر ازاں نهادند هم چنان نه از نماز ها شبش توان خواند نه از نماز هائی روز چه بعد لحاظ تقسیم علی التناصف که مذکور شد و گرفتن نصف نصف از روز و شب و دادن نصف نصف به بنده هویدا است که نماز روز ظهر و عصر است یا ظهر و عصر و مغرب و نماز شب مغرب و عشاء یا فقط عشاء اعنی اگر مغرب را بحکم آنکه حضرت رسول اکرم صلی الله علیه وسلم آنرا وتر النهار فرموده انداز نماز روز شمارند نماز شب فقط نماز عشاء خواهد ماند و نه ظهر و عصر نماز روز و مغرب و عشاء نماز شب بالجمله نصف اخیر روز که در قرعة خدا و ندیست آن دو نماز است و در نصف اول شب که ازاں خدا تعالی اسب این چار نماز را باین خیال که دو ازاں در اول و آخر نصف روز افتاده و دو باقی را در اول و آخر نصف اول شب نهاده اند و خوبی اطراف پیش گرم پیشگان ذریعه چشم پوشی از تنفیر حال وسط میگردد و وقتی که قائم مقام صلوة دو از ده ساعة گیرند و این گرفتن باین وجه بجاست که باعتبار زمانه گونیا اتمام حق گرفتند پس گونیا نماز صبح باعتبار زمانه زائد از حق خود است که همالا بهر اظهار حسن القیاد بنده مقرر فرمودند تا ظاهر بینان دانند که بنده بوجه الفرائش از ماوجب

مستحق ثواب زائد از حساب ست و این حجة ظاهری در نظر ملائک که وقت استخلاف آدم علیه السلام بنی آدم را بنظر حقارة دیده بودند و زبان طعن بروشان کشیده یادرنظر دیگران هم ار ابناء جنس شان اعنی کفار و فجار موجب عنایت پروردگار شود و قطع حجة دیگران از ابناء روزگار کند که بحکم "کان الانسان اکثر شئی جدلاً از ملائکه هم درین راه دو قدم پیش پیش می روند هان باین اعتبار که نصف آخر روز که بحصه خدا وندی افتاده از اول و آخر ناقص ست چه در ساعة اول ازان نصف از زوال و در ساعة آخر غروب تمام و کمال نهاده اند بدین حساب گویا نقصان دو رکعة ماند چه مقدار معتدبه بهریک رکعة چنانکه دانستی یک ساعة است نه کم گو بنظر تخفیف بقراءة آیتی چند در رکوع و سجود رسمی قناعت فرموده باشند باین نظر معاوضه دو ساعة بحکم عدالت ظلم نبود بنظر شفقة مستحسن به نمود چه باعتبار آنکه پیش کرم پیشگان حسن اطراف کافی ست اگر در اداء ظهر و عصر ابهام تعمیر نصف آخر روز و در اداء مغرب و عشاء ابهام تعمیر نصف اول شب بود این جا باعتبار مذکور به لحاظ آنکه وقت صبح و قیست که هم در آخر شب ست و هم در اول روز بانضمام عبادة آن وقت بعبادة نصف آخر روز محصول عبادة همه روز حاصل خواهد شد و بافتران نماز آن وقت به نماز اول شب حاصل نماز تمام شب به حصول خواهد پیوست بالجمله این وقت که بظاهر زائد از حساب می نماید اگر گرفته اند بعوض آن دو ساعة که مذکور شد گرفته اند و ازین جاست که در صبح صادق تا طلوع تقریباً همین قدر می باشد

چه وقت صبح تخمیناً یک ساع شب می باشد و دانی که در اکثر بلاد شب زائد از چاره ده ساعه اعنی گهنبه نمی باشد اندرین صورت فقط در بعض ایام عوض تام بدست خواهد آمد ورنه بنده باین طور هم در نفع است بالجمله تقرر نماز صبح بیک وجهه که مذکور شد خود زائد از حساب است تا بافزایش دیگر چه رسد و بیک وجه بعوض نقصان معلوم است که امکان تزائد بر آن معلوم علاوه برین رعایه جهة قضاء حاجات اگر مستدعی تکمیل است پاس ضعف همته بنی آدم ملتجی تخفیف و تسهیل از استیعاب زمانه بدگشتند و باتمام تعداد بگذاشتند اعنی فقط بربست رکعة که حکماً عبادت شب و روز است اکفاء فرمودند و مشغولی شب و روز واجب نمودند مگر چون باعث افزایش تعداد اندرین صورت همان قضاء حاجات است می باید که در وقتی که افزایند حاجتی هم از حاجات دنیوی روانمانند ورنه وضع الشئ فی غیر محله لازم آید که تنزیه خداوند قدوس از آن لازم و واجب و میدانی که این وقت نه وقت کارروائی روزست نه وقت کارروائی شب آلاء شب که خواب راحة است حسب عادة اکثر بنی آدم و طبیعه شان بر صبح تمام می شود و بعشاء روز که کسب معیشت است اگر شروع می شود بعد طلوع شروع میشود پس این وقت اگر افزایند بکدام حجه افزایند و ازین جا ست که وتر اللیل را که رکعة ثالث آن مشیر به جهة ملک نفع شب است چنانکه فهمیده باشی پیش از صبح داشتند تا وضع الشئ فی غیر محله لازم نیاید بالا این همه پیش رحمة خدا وندی دو ساعه قابل افتراض زیاده از دو رکعة نیست چه مقدار یک ساعت

معیار یک رکعة است چنانکه دانسته‌هان اگر بنده از طرف خود دو رکعة دیگر بخواند چنانکه می‌کنند گویا از حسن صنعة و کمال مشق اوست که در وقت قلیل کار طویل بجا آورد بالجمله در ظهر و عصر و مغرب و عشاء بوجه مذکور و در صبح بوجه مسطوره گنجایش افزایش نبود سر رکعة جداگانه افزودند و ازیازده بست نمودند تا صورة عبادة شب و روز هم نقش بندد مویذ این سخن اینست که وترية اعنی لحاظ عدد وتر در هر معدود بذات خود محبوب ست چنانکه دانستی پیشتر که یازده رکعة بود دران زمانه این قدر را عبادة نصف دوره قرار داده باشند که بیک اعتبار واحد ست آن وقت وتر واحد اعنی نماز مغرب کفایة کرد اکنون که بست رکعة نمودند گویا همه شبه و روز را فراگرفتند این وقت این همه عبادة بدو چیز که یکی ازان شب ست دوم رومنسوب شدند و بوجهایی دواضافة گویا دو حقیقة متبائنه و دو معدود مشخص و محدود شدند جدا جدا که لحاظ تعدد و تشخیص آن باعث اعتبار دو وتر شد تاهر عبادة بجائے خود و تر باشد چنانچه مغرب را وتر النهار فرمودن بدین جانب اشاره هم دارد علاوه برین بناء یازده رکعة سابق بر جهة ملک نفع و ضرر سابق بودو ابتاء رکعة لاحق بر جهة ملک نفع و ضرر لاحق اعنی نظر در اول براחסانات سابقه داشته‌الد که عبارة از عطاء وجود وقواء وملکات و آلات خلقی از زمین و آسمان و عناصر و غیره است که همانا سامان معیشت انسان است و نظر در ثانی بر قضاء حاجات که مرادم ازان تجدد منافع وراحات است و چون امور متجدده را اعاده نیست گویا قابلية

ملک ضرر بعد اتمام راحة و ایصال منفعة نماند لهذا از مغرب که آخر نماز هائے روز ست بطور مشارّ الیه و از و ترک آخر نماز هائے شب است چنانچه فرموده اند عن عبد الله بن عمر رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال اجعلوا آخر صلوتکم باللیل وترا. (اخرجه البخاری. ۱۲) جعلوا آخر صلوتکم باللیل وترا یک یک رکعة کم فرمودند ازین جاداسه باشی که علاوه نقصان چار ساعه از بست و چار بھر تقریر بست رکعة باعث این هم است که بقیاس سابق افزائش هم بقدر بازده می بایست بوجه مذکور کمی کمی دو رکعة از بازده هم مناسب افتاد غرض این وقت نظر هم بر ملک و نفع و ضرر اول ست و هم بر ملک و ضرر ثانی یا گوئیم این وقت هم نظر بر احسانات سابقه است و هم بر احسانات لاحقہ بانتساب این دو جهة متباینه هم دو عبادة متفائره کشتند لحاظ و تریه در هر نماز منجر بتزائد عدد مفی بر مقیس علیه می شد جمله برد و مجموعه تقسیم کرده هر یک را بونری جداگانه ممتاز فرمودند و بازیک مجموعه را بروز و دیگر را بشب نسبت دادند تا عدد مقصود هم محفوظ ماند و رعایة امتیاز منافع روز از منافع شب هم از دست نرود این سخن پایان ندارد باز پس سی روم اعتبار احسانات سابقه و انعامات لاحقہ که همیں دم بشناخته به نسبة عبادة شب و روز به منزله رُوح است و عدد بست رکعة که بیگ اعتبار عبادة شب و روز است به مرتبة جمال صورة اوچه عدد دیگر در دلالة برانمام عبادة بعدد بست نمی رسد ورنه نفس القضاء القضاء احسانات سابقه و احسانات لاحقہ آن بود که از شب و روز وقتی بغفلة

نگزارد ورنه ازین هم چه کم که بلحاظ انضمام نماز صبح با نماز هائے اول شب نماز هائش شب و روز رنگ عبادت شب و روز پیدا کند و می دانی که این قدر باداء ظهر و عصر و مغرب و فرض عشاء و دو رکعة صبح که همه شانزده می شود بدست می آمد آری آن جمال صوره یا این کمال معنوی نمی پیوست و همین است آنکه درپنی اثبات آن بودیم چون از تطبیق مفهوم واجب که مذکور شد برفاتحه و سورة از ارکان صلوة و بروتر از عبادات فراغه یافتیم و تصحیح اطلاق واجب بطور مذکور بر همین دو مصداق و امثال آن دشوار بود و این طرف انطباق مفهوم مذکور بر ترتیب و اطمینان که نوع عظیم واجبات است بدیهی بود لازم آنست که این قصه را بگذاریم و روبسوی مطلب آریم چه این قدر که گفتم شد فهم رادر رهبری این راه مستقیم کافی است بشنوجون دانستی و خوب دانستی که سنة موکده بافرض درحسن و منافع همدوش است عمده معیار برائے شناختن مراتب افعال بدست آمد هر فعلیکه درقدر منفعة برابر فرضی از فرائض باشد و خود مطلوب از طرف خدا نیست لا جرم سنة موکده باشد خواه رسول الله صلی الله علیه وسلم آن فعل را بطور مواظبة کرده باشند یا نباشند و همچنین جمله خلفاء بآن عمل اهتمام کرده باشند یا نباشند در این تعریف جمله سن موکده را در آغوش میگیرد ان شاء الله باقی بشرط عدم موانع مواظبة نبوی صلی الله علیه وسلم یا ترک یک دوبار خود از آثار این و احکام این حقیقة ست چه انکشاف نبوی (صلی الله علیه وسلم) و اطلاع آن حضرة صلی الله علیه وسلم بر تساوی مرتبة آن با

فرائض اگر بحکم امر باطنی و طبعی موجب مبادرة است تخفیف " وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا " که گویا متضمن نسخ و جوب امر طبعی است مستدعی ترک گه و بیگاه هم است تا غیر مامور به خدا وندی با مامور به خدا وندی برابر نگردد دو از حد مرتبه خود بدر رفته موهم تعدی حدود الله بنسبة حضرت صلی الله علیه وسلم نشود خصوصا وقتی که از شاد "لقد کان لکم فی رسول الله اسوة حسنة" لحاظ کنیم چه بتقاضاء این فرمان واجب الاذعان هرگز تفاوتی در فرض و غیر فرض باقی نخواهد ماند و از اول تا آخر از هر طرف وجوه دلالة تساوی فرض و غیر فرض خواهد برخاست و هر که سرمایه دین و ایمان اعنی کلام الله و حدیث را دیده و فهمیده باشد میداند که این امر چه قدر زبون است بالجمله بحق شرفیکه بوجه امر بدور رسیده فرض را استحقاق مزید عنایت بود در صورة تساوی عمل این حق بدو نمی رسد "والله لا یحب الظالمین" علاوه برین اگر رسول الله صلی الله علیه وسلم باوجود عدم ورود امر از جانب خدا وندی برسنن موکده مداومت فرمایند بحکم فرمان واجب الاذعان "لقد کان لکم فی رسول الله" الایه امتیانراهم مداومة واجب افتد پس اندرین صورة فائده فرض نکردن او که همانا بوجه تخفیف بود چه باشد این امر وقتیست که بالاء مذکوره مانعی دیگر مثل اندیشه فرضیه که در بعضی افعال می باشد نباشد اگر این اندیشه سدراد بود آن وقت به ضرورة شفقة امة یک لخت ترک ضروری است و باعتماد وعده "وما کنا معذبین" الخ هیچ گونه اندیشه بمیان نرے مگر این ترک دادن هر چند نظر بظاهر دلیل

ترک تشدید است مگر بنظر غائر اگر بنگرند عین تاکید است چه این اندیشه خود برین قدر دلالة دارد که این ماهیه هم باعتبار ذات و هم به مقتضاء دیگر جهات قریب است که فرض گردد بالجمله از دیگر سنن فائق است و برائے فرضیه از همه لائق اکنون چون بنگریم در تراویح همیں صوره بنظر می آید باعتبار ذات اگر بنگریم با صوم رمضان که فرض است در منفعة هم سنگ و در حسن هم رنگ و اگر درین آیه غور کنیم ” شهر رمضان الذی انزل فیہ القرآن هدی للناس و بینات من الهدی والفرقان فمن شهد منکم الشهر “ اصل قرأة قرآن است و صوم متفرع بر آن اعنی ماه رمضان این چنین است که چنین نعمتی دران بر شمارزانی داشته اند پس این نعمت را بپذیر یرید و ترک دنیا گیرید اعنی روزه بدارید پس حیف است که روزه فرض شود و تراویح که برائے همیں قراءه و سماعة قرآن ترتیب داده اند فرض نشود این بدان ماند که چیز نیکو بکسی که کمتر ازان داشته باشد بنمایند و بگویند که آن را بگزار و این را بگیر چون آنکس آن چیز را ترک داده بگرفتن این چیز آید ازان باز دارند این وقت آن مرد ساده لوح از هر دو محروم ماند و هیچ گفتن نتواند . علاوه برین پیشتر گفته آمده ام که اصل در عبادات همچو نماز ازست و روزه و زکوة به منزله دفع موانع است اگر در وقتی روزه فرض شود نمازی به مقابله آن ضرور فرض باید شد چه از دفع این موانع در صورتیکه مقدار فرائض همان ماند که بود چه سود موانع مذکوره بهر این قدر مانع نبود غرض بدین وجه و خدا دادند که سواء این دگر چه قدر باشد نمازی بالائے نماز خمسہ قابل افتراض بود

این قابلیت و آن تساوی حسن و منفعة دلیل اول ست برینکه این
سته از دیگر سنن عزیز تر باید پنداشت و به هیچ گونه نباید گذاشت
باقی ماند تعین عدد اول این امور از لوازم مرتبه صورت اندنه لوازم
مرتبه ذات تا گفته شود که این عدد درین وقت قابل افتراض به
نسبتة این نماز بود چه اطلاق تهجد و قیام لیل بشهادة آیه "قم اللیل
الا قلیلاً الخ" و دلالة معمول نبوی صلی الله علیه وسلم از دو رکعة
گرفته الی غیر النهایة صحیح استندانی که بعد تعین وقت عمل
متعین نمی ماند چنانچه از مسائل متعلقه اجیر خاص فهمیده باشی و
ازین جا تعین وقت فرموده انداعنی گفته اند قم اللیل الا قلیلاً نه
تعین عمل و همچنین کمی و بیشی قیام شبی دیگر که در معمولات
نبوی شنیده برین امر گواه دیگر است هیچ به ذهنت می آید که
تعداد نوافل قبل عصر و عشاء و بعد مغرب بیان فرمایند و اگر بیان
نفرمایند تعداد رکعات تهجد را بیان نه فرمایند که بمراتب فائق ازان
است بجز این است که بهر تهجد به حیثیت قیام لیل عددی معین نه
فرموده اند بالجمله این طرف رابطه که میان صوم و صلوة است اگر
می خواهد همی خواهد که بقدر و قتیکه در صورت طلب و کسب
معیشت ضائع می شد در نماز گزارند و آن طرف مراعاة من قام
رمضان اگر می طلبد همی طلبد که فقط نگاه داشت مقدار وقت
مرعی دارند مگر چون فتوریکه هر چه کسب معیشة در اعضاء انسان
راه می یافت و بوقت شب موجب غلبه نوم می شد وقت ترک دنیا
که مقصود از صوم است پیش نخواهد آمد و موجب غلبه نوم بوقت
شب نخواهد شد تادربارة تعین شب مانع شود و لحاظ این صعوبة

موجب سهولة گردد و این طرف بشهادة " ان ناشئة الليل هي اشد وطأ و اقوم قیلاً " مناسب بهر قرأه و قیام بود و قیام نهار بشهادة " ان لك في النهار سبحا طويلاً " دشوار و این دشواری هر چند بظاهر مخصوص بحضرت رسول اکرم صلی الله علیه وسلم می نماید اما چون بغور دیده شود مدار کار این ارشاد تربیت بنیاد و حکمة نهاد بر مشغولی است که دیگران را بمنزلة لازم ذات افتاده غایه مافی الباب مشغولی حضرت رسول اکرم صلی الله علیه وسلم از قسم هدایه باشد که کار دین است و مشغولی ما از قسم زراعه و تجارة و صناعة باشد که موجب غفلة نفس بد آئین است بالجمله باین وجوه تعیین وقت شب مناسب افتاد لیکن باوجود تخصیص وقت که بدین وجه مناسب شد تعیین عدد رکعات تآن زمانه نبود که حضرت رسول الله صلی الله علیه وسلم را اندیشه فرضیه مانع قیام دوام شد مثل جهاد که فرض است و صورتی معین ندارد اعنی وقتی یا عددی یا لباسی یا سلاحی یا جهتی معین نیست این نماز هم از عزائم بودا ما بلباس عددی معین نبود چنانکه دانستی آن وقت اگر رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم از ضمیر خشیت ان یفرض علیکم اشاره بجانب نفس ماهیه قیام لیل فرموده باشند مسقط اشاره آن حضرت صلی الله علیه وآله وسلم عددی معین نباشد بلکه اگر طبع علیه از جائی بدست آورند و کار بذهن مستقیم سپارند آنچه من می گویم ان شاء الله منکران هم گویند چه مورد فرضیه اگر هست همین تعبد است و میدانی که وقتی یا عددی بذات خود معروض وصف عبادة نیست ورنه آن وقت بهر طور و آن عدد بهر نوع معروض عبادة بودی

خواه ظرف و عدد عبادۀ شدند یا ظرف و عدد عصیان باین همه شب معراج اول پنجاه نماز فرض شدد بعد ازان نوبت به پنج رسید اما قبل ازان که حضرت جبریل علیه السلام تشریف آرند و پیش آنحضرت صلی الله علیه وسلم نماز گزارند عددی از رکعات و وقتی از اوقات معین نبود باز تأدیر بدو دو رکعة کار می رفت پس از عرصه همان پنج نماز رنگ دیگر گرفتند و از دو بجار رسیدند چون قبل تعین عدد فعلیه فرضیه ممتنع نباشد و بعد تعین عدد همان فرض اول در پیرایه عدد دیگر ظهور فرماید بهر قوه فرضیه که همانا از اندیشه فرضیه هویدا است چه ضرور است که اول عددی متعین باشد باز توان گفت که مبدا این نماز فرض گردد غرض بهر اشاره و ارجاع ضمائر ضرور نیست که مشار الیه معدود بعدی در صورت هم باشد بجانب ماهیه کلیه هم اشاره توان کرد و انهم درین چنین مواقع چه قابلیت فرضیه اولو بالذات اگر هست در ماهیه نماز ست عدد رکعة ازین مرحله فرسنگها دور است چه این پیرایه اگر زیاست بر قامت صورۀ زیاست باین همه این جا خود عددی متعین نیست اطلاق قیام لیل و تهجد بر نفس نماز شب بهر عدد یک باشد درست ست بحیثیه قیام لیل عددی متعین نیست پس آنرا مشار الیه ضمیر تکتب قراردادن خبر از منزله قدم می دهد الغرض اشاره نبوی صلی الله علیه وسلم با رجاع ضمیر بجانب عدد رکعات آن شب نیست که در آن شب اتفاق این ارشاد القاده نظر نبوی (صلی الله علیه وسلم) بجانب ماهیه قیام لیل است آری هر ماهیه را که در مرتبه فردیه ظهور کند ضرور است که پیرایه خاص از کم و کیف در

بر گیرد ازین جهت وقت اداء از تعیین وقت و تخصیص عدد و دیگر مشخصات ناگزیر است هان امریکه در اوقات مکرره پیش می آید اگر هر دم بعد دی دیگر ظهور می تواند اندرین صورت ممکن است که مثل تهجد این نماز هم بعددی مقید نبودی غایه ما فی الباب . جانب اقل را متعین فرمودندی یا اقل و اکثر محدود کرده اختیار دادندی و مثل قراءه که هر قدر بخواند در فرض محسوب شود اگر فرض به معنی معلوم بقدر معلوم است هرچه مافوق اقل یا هرچه ما بین اقل و اکثر بودی در فرض محسوب شدی و اگر در صورۀ تعیین اقل بطور مذکور فرض همان اقل بود چنانچه ظاهر می نماید تا هم گنجایش افزایش بهر طور بودی لیکن پیدا است که در فرض بوجه آنکه تداعی از لوازم آنست و تخفیف چنانکه دانی دران ضرور لازم افتاد که اگر این نماز فرض شدی مثل دیگر فرائض لا جرم موقت بوقتی و محدود بعددی می شد مگر عددیکه مناسب این نماز است همین دو عدد است یا زده رکعه یا بست چه اول این نماز شب است عدد یکه موهم احیاء لیل تمام و کمال باشد آن دوازده بود و بلحاظ و تریه یک مرتبه پس و پیش کردن در صورۀ فرضیه لازم آمدی در اختیار سیزده هر چند دلالة بر کمال انقیاد و حسن خدمت بود که اگر زیاده از استحقاق می طلبند و بارگران بر سر او می نهند سر از خدمه نمی تابند مگر خالی از نوع ظلم به معنی وضع الشئ فی غیر محله نبود اگرچه باعتبار تصرف فی ملک الفهر هیچ ظلم نیست "لله ما فی السموات والارض" و خدائے تعالی خود می فرماید ان الله لا یظلم مثقال ذرة لا جرم یازده اختیار الفتادی

باین همه علة تقرر یازده رکعة در فرائض نه بست یا بست و چار در اول امر همی بود که بنده گرفتار هوا و هوس را مثل ادائے حقوق خدا وندی برائے قضاء حاجات خود نیز وقتی باید باین نظر علی التخصیف تقسیم فرموده بوحوه مرقومه بالا از دو از ده بیازده آمده بودند غرض نصف خود گرفته نصف به بنده بذاگشته بودند چون در رمضان بوجه ترک دنیا که مقصود مقسوم امانست آن نصف هم فارغ ماند و بهمی جهة دریں وقت همکار گزاری عبادة لازم بود که عوض آن در وقت شب طلبیدند همان یازده رکعة که محصول نصف دیگر بود برسر افتادے غرض باین اعتبار قابل تعین و لائق دارو گیر اگر بود عدد یا زده بود و چون نظر قدرے بالا گردد بنگریه از یازده نوبه به بست می رسد چه این بست رکعة فرائض و وتر اگرچه بحساب عدد نماز تمام روز و شب است چنانچه پنداشتی اما باعتبار زمانه اگر بنگریم در همان نصف دوره متفرق نهاده اند باین اعتبار نصف باقی هم که اکنون فارغ از مشاغل دنیویست قابل همی قدر محصول باشد پس هر نماز یکه عوض خدمه این وقت باشد لا جرم محدود بهمین عدد باشد خصوصاً در زمانی که خزائن کسری و قیصر دست گردان اهل اسلام و شاهزادگان ایران و روم و شام خدام خاص و عام این امت نیک انجام شوند در آن زمانه کدام حاجتی است که سرمایه پریشانی شان می خواهد بود الغرض این نماز اگر فرض شدی بظاهر ازین دو عدد خالی نبودی و یحتمل که ازین هم نسبة در کاشتی الدران صورة چه عجب که بسی و شش یا بجهل چنانکه بیشتر دالستی حد بنسبت

ای مگر وجوه سی و شش و چهل را اگر بینند چنان می نماید که در
 صورة فرضیه دور معلوم مثل فرائض این نمازهم تنها بودی یا
 مکملات خود بودی و مثل فرائض خمسہ مع مکملات بسی و شش
 یا چهل نوبه رسیدی تنها فرض نماز معلوم مثل فرائض خمسہ همان
 بست بودی اندرین صورة جمله بست رکعة تراویح موکد باشند اما
 یازده ازان موکد ترو نمونه درین باب همیں بست رکعة فرائض
 خمسہ و وتر است که همه ضروریست مگر یازده ازان ضروری ترو
 در فرضیه زیاده آخر نه بینی که در اول همان یازده بود و باز در
 سفر همان یازده ماند و تخفیف قراءه هم دران نیست بنظر این همه
 وجوه هویدا است که اگر بالفرض امر شارع این بست رکعة فرض و
 واجب نفرمودی آن قاعده که درباره سنت عرض کرده ام مقتضی
 آن بود که این همه سنت موکده بودندی و چنانکه درین وقت در
 فرضیه باهم تفاوت است آن وقت در سنیه هم باهم شدید و ضعیف
 بودندی ازین جا دانسته باشی که امریکه مفهوم از علیکم است در
 علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین من بعدی اگر باعتبار تفاوت
 مراتب سنة درباره طلب کلی شک باشد و لاریب همچنین است
 تا هم حرجی نیست زیرا که این وقت مطالبه بقدر محاسن خواهد بود
 و همیندم شنیده که این نماز در کدام مرتبه از حسن است هم باعتبار
 نفس ماهیه و هم باعتبار صورة اعنی تعیین عدد اندرین صورة اگر
 حضرت عمر رضی الله عنه درین باره چیزی از حضرت رسول اکرم
 صلی الله علیه وسلم شنیده یا دیده بودم و هوالمرا دور نه خود
 حضرت عمر رضی الله عنه اگر این عدد مقرر فرموده باشند و از

مدح فراست شان و ادنی است که چسان از معدن حکمة کلام الله و حدیث بحکمة این عدد پی بردند و چه قدر لباس زیبا باین حسنة سپردند جزاه الله احسن الجزاء بهر حال از حضرت رسول اکرم صلی الله علیه وسلم دیده شنیده باشند یا از اشارات خدا وندی یا نبوی صلی الله علیه وسلم فهمیده باشند بطوریکه باشد بدعة گفتنش بدعة و سنت را بدعة گفتن است چه اگر از حضرت رسول الله صلی الله علیه وسلم دیده یا شنیده اند و چه عجب که دیده یا شنیده باشند و بما آن روایة نرسیده و بظاهر همین است و باز آن را بدعة گفته شود مصداق بدعة قول و فعل نبوی صلی الله علیه وسلم خواهد بود باز ندانیم سنت کدام چیز باشد و اگر از اشارات نبوی فهمیده اند و فهمیدی که بجا فهمیده اند باز چه حرج که خود رسول الله صلی الله علیه وسلم بتعمیم و تخصیص توثیق فهم و فراست شان فرموده اند و اتباع شان اشاره کرده اند اکنون حاجتم نیست که در پنی اثبات این امر شویم که مفاد الف لام الخلفاء درین حدیث علیکم بسنتی و سنت الخلفاء الخ مفاد کل افراد نیست نه کل مجموعی چه بطوریکه ما گفته ایم سنة تراویح سنة نبویست فقط حضرت عمر رضی الله عنه مروج آن هستند نه موجد آن تا گوئندة گوید که این سنة عمریست فقط مامور الباعان سنتیم که سلوک جمله خلفاء باشد اگر حضرت ابوبکر رضی الله عنه نیز شریک این کار خیر می شدند اتباع این سنة لازم می آید باین همه میگویم اگر غور کرده شود جمله "علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین من بعدی" در مفاد خود همنان جمله "اطيعوا الرسول واولی الامر منکم" است

دلیلش اگر می‌پرسی در آیه 'الذین ان مکنا هم فی الارض اقاموا الصلوة و اتوا الزکوة و امروا بالمعروف و نهوا عن المنکر بنکر مگر بديده الصاف بنکر که بجه معنی می‌رساند این آیه دلالة دارد بر آنکه غرض از تمکین فی الارض اعنی اولى الامر گردانیدن اقامت صلوة و ايتاء زکوة و امر بالمعروف و نهی عن المنکر است هر کرا این نیست از اولى الامر هم نیست اگرچه بظاهر از اولى الامر باشد و ازین جا دانسته باشی که سنة خلفاء لاجرم درین چار امر منحصر باشد پس اگر لام الخلفاء برائے معنی مذکور باشد لازم آید که در اطاعة اولى الامر منکم همین کلیة مجموعی ملحوظ ماند و حسن و قبح این لحاظ درین آیه خود ظاهر است ماچه گوئیم و این را هم بگذارند ما می‌پرسیم که عدد خلفاء معین نفرموده اند و این چار بزرگ را که خلیفه راشد می‌گویند مراد گویندگان این نیست که دیگران راشد نیستند پس لازم آید که وقت انقراض این عالم که دم باز پسین عالم خواهد بود این طاعة واجب شود چه اکنون متحقق شد که خلیفه راشد از خلفاء راشدین نماند که ظهور نکرد لا اقل تا ظهور حضرت امام مهدی رضی الله عنه انتظار باید کرد آن وقت اگر سنتی یابند که معمول بها همه خلفاء است و کجا خواهند یافت عمل کنند ورنه نه سبکدوش روند و این را هم نشوند اگر کسی گوید که لام بهر این معنی نمی‌آید از اول تا آخر کلام الله موجود و صحاح سته و غیره ها از کتب احادیث صحیحه بکثرة علاوه صدها دوا دین جاهلان عرب و علماء عربیه در مدارس استعمال اطفال سواء این موضع که هنوز محل نزاع ست موضعی

بنمایند که محتمل این معنی توان شد و اگر همین است و عده "ان الله يحب المتقين" و امثال آن و وعید آن "ان الله لا يحب الكافرين" و امثال آن همه بیکار خواهد رفت نه این مورث شوق خواهد بود نه آن موجب خوف چه باین احتمال که مفاد این لام کلیه مجموعی باشد حضرت انسان را که "کان الانسان اکثر شیء جدلاً" در تعریف اوشان ست گنجائش گفت و شنود پیش رب و دود و حضرت رسول الله صلی الله علیه وسلم و نائبان شان بهم خواهد رسید پس عذاب بکدام حجة و عتاب بکدام دلیل خواهد شد و اگر مدار کار بر وضاحت مقصود یا تسلیم اکابر ست درین حدیث کدام خفاست و این حدیث ازان آیات در وضاحت مقصود چه کم و همچنین از اکابر کدام کس ست که مفاد کل مجموعی را درین حدیث و الف لام را بمعنی کل مجموعی گرفته بالجمله اتباع هر هرخلیفه راشد مقصود است هرخلیفه که باشد و حضرت عمر رضی الله عنه بالضرور از خلفاء راشدین و این سنة تراویح هم بالیقین سنة اوشان به روایة موطا و توارث اهل اسلام سلفا و خلفا بیاد حضرت عمر رضی الله عنه دو گواه عادل برآنست باقی ماند بوجه نه دریافتن یزید بن رومان زمانه حضرت عمر رضی الله عنه در روایة موطا قدح کردن و بجهة خواندن بعض سلف پس از حضرت عمر رضی الله عنه یازده رکعة در توارث قدح کردن بدان ماند که از شکم سنور بیضه برآرد عزیز من کارمحدث دیگر است و کار اصولی دیگر و کار فقیه دیگر منصب محدث فقط همین است که مراتب احادیث را از صحة و ضعف و الواع آنرا از انقطاع و

اتصال و اسناد و ارسال معین نماید ازین بعد، کار اهل اصول است
 اعنی آنکه این حدیث حجة است و آن نی ازین بازدر حدیثی که
 اصولی ترا قابل احتجاج گفت فقیه مینگرد و مسائل مکنونه می
 برآرد درین حدیث هم بهمین ترتیب از هر یک سخنی باید شنید و
 درباره کاریکی از دیگر نباید پرسید از محدث همین قدر پرسیدنی
 ست که رواة آن چه قسم اند و متصل است یا منقطع و اگر منقطع
 است از کجا منقطع است درباره رواة احدی را گنجائش لب
 کشائی نیست که ستودگان امام مالک رحمة الله علیه اند پیش
 توثیق اوشان دیگران را چه مجال که حرج کنند اگر گویند
 همین قدر گویند که یزید بن رومان زمان حضرت عمر را رضی الله
 عنه نه دریافته ماحصل این گفتگو فقط این باشد که مرسل تابعی
 ست زیاده ازین از محدثان پرسیدنی نیست آری از اهل اصول باید
 دریافت که مرسل تابعی قابل احتجاج و لائق استخراج مسائل است
 یا نیست امام اهل اصول امام اعظم رحمة الله علیه اند و امام مالک
 رحمة الله اوشان مرسل صحابه و مرسل تابعین را حجة گفته اند و
 حجة گرفته اند اکنون کدام است که قواعد موسسه اوشان را ساقط
 الاعتبار و کان لم یکن فی حد الاعتبار گرد اند پس ازین مرتبه
 فقاهت است درین مرتبه هیچ فقیهی را درین قدر کلام نیست که
 مفاد این روایة سنیه بست رکعة است باقی ماند توارث در توارث
 ازین قدر رخنه نمی افتد که فلان صحابی یا تابعی یا بزرگی دیگر
 یازده خوانده یا می خواند آری اگر ازین بزرگواران کسی رانشان
 دهند که قیام بست را در زمانه حضرت عمر رضی الله عنه انکار

کرده باشد مضائقه نیست بلکه امام شافعی رحمه الله علیه که مرسل را حجة نمی دانند بشهادة امام ترمذی بست رکعة را مسنون می دانند اگر توارث را هم تسلیم نکنند بکدام حجة بست رکعة را مسنون خواهند گفت چه سواء روایة موطا درین باره بزعم منکران روایتی نیست که به پایه ثبوت رسیده باشد و اگر هست فهو المراد که هم ثبوت بست رکعة بروایة بدست آمد و هم تشدید توارث صورة بست و اگر ازمن پرسی بشنو که دیگران هم بست رکعة روایة کرده اند "عن عبدالعزيز بن رفیع قال کان ابی بن کعب یصلی بالناس عشرين رکعة و عن عطاء قال ادركت الناس یصلون ثلاثة و عشرين رکعة بالنوتر وعن ابی البختری انه کان یصلی خمس ترویحات فی رمضان باللیل بعشرين رکعة و یوتر بثلاث و یقنت قبل الركوع و عن ان علیا امر رجلاً یصلی بهم فی رمضان عشرين رکعة هذه الروایات کلها فی مصنف ابن ابی شیهة و فی سنن البیهقی عن عبدالرحمن السلمی ان علیاً دعا الفراء فی رمضان فامر رجلاً یصلی بالناس عشرين رکعة و کان علی یوتر بهم" و یاددارم که بعض فقهاء در کتب خود از بیهقی روایتی از سائب بن یزید درباره خواندن بست رکعة در زمانه حضرت عمر رضی الله عنه سواء این روایة موطاء روایة کرده اند هر چند پس ازین حاجتی نماند که قلم را دیگر بفرسائیم مگر بهر تفریح طبع ناظرین شاهی دیگر بر اعتناء عدد بست پیش می کشیم درباره عبادة شب را از روز جدا کرده اند و همین است که حاجة بدو وتر اعنی نماز مغرب و وتر شب افتاد اگر این همه را یک عبادة قرار دادندی دو وتر که بهم شده زوج

گردیده و گردانیده اند نبودندی و چون نباشد دو دو رکعة از آخر رباعیات مبنی بر ملک و نفع و ضرر لا حق هستند و دانی که این قسم منافع روز دگراند و متافع شب دگر و چون ضرر از عدم النفع خیزد چنانکه واقفان واقف اند ضرر نیز بهمین دو قسم منقسم شد لا جرم عبادۀ روز از عبادۀ شب جدا افتاد و ازین جا فهمیده باشی که در زمانۀ پیشین که یازده رکعة بود و منشاء عبادۀ ملک نفع و ضرر یک نوع همه نماز هائے پنجگانه یک مجموعه بود چه تا آن زمانه نظر بر ملک نفع و ضرر سابق بود که همیں اعطاء وجود و آلات تکمیل آنست و آن خود دانی که نوع واحد است الغرض عبادۀ شب از عبادۀ روز جداست باز در روز و شب که نگریستم هر نصف از هر دو جدا جداست اگر یکی برائے عبادۀ است دیگری برائے کار یا برائے راحة بدین وجه هر نصف از روز و شب شانے جدا پیدا کرد و نظر شارع بهر یک ازاں انصاف اربعه بالاستقلال افتاد و در هر یک ازین انصاف بست رکعة نهاد در نصف آخر روزه ده رکعة فرض و سنة موکده ظهر با چار فرض عصر پیوسته چارده شدند و چار رکعة فی الزوال بادو رکعة قبل ظهر که در بعض روایات دیده یا شنیده باشی اتمام بست رکعة کردند مگر چون این شش رکعة چندان مهتم بالشان نبودند که خواهی نخواهی ادا نمائی بهر مراعات بست رکعة چار رکعة قبل عصر و دو رکعة بعد ظهر سوائے دو موکده که در بعض روایات دیده یا شنیده باشی نهادند تا اگر از یکے محروم ماند باداء شش دیگر سعاده اداء بست دریا بدو ازینجا دریافته باشی که مصداق مفهوم مردد ما بین شش اول و ثانی

دربارهٔ اهتمام به مرتبهٔ واقع است که تنها یکی ازین دو بآن مرتبه نرسیده و چون نماز هائے نصف آخر روز بیک حساب همه بجانب همه روز منسوب اند چه نظر بر آلاء تمام روز است تخصیص نصف اول یا ثانی نیست پس گویا عبادۀ تمام روز بر عبادۀ نصف مسامحه فرمودند این تردید را که در شش رکعة فی الزوال و دو رکعة اول ظهر و در شش رکعة دیگر که دانی واقع است و اسع کردند اعنی شش رکعة دیگر غیر مهمم بالشان در اول روز افزودند و شش رکعة مطلوب را مابین این مجموعه هائے سه گانه دائر فرمودند یکے ازان دو رکعة اشراق دوم چار رکعة چاشت که در بیان تکمیل عدد پنجاه رکعة تذکرهٔ آن شش رکعة پیشتر هم بگوش تودمیده ام و اگر روایه هشت رکعة ضحی را که اشراق و چاشت هر دو را شامل می نماید یاد کنیم وجد تخییر در دو رکعة و چار رکعة قبل عصر هم هویدا می شود اعنی اگر در اول روز بر شش رکعة دو رکعة افزوده هشت کردند در آخر روز فقط ضرورةٔ دو رکعة ماند ورنه همان چار بلکه درین صورهٔ تخییری ما بین دو رکعة اول ظهر و دو رکعة بعد ظهر که علاوه دو مؤکده می خوانند دو رکعة از چار رکعة قبل عصر هویدا خواهد شد و اهتمام مفهوم مرد و بنسبةٔ غیر مرد و معلوم خواهد گردید اکنون حال نماز شب بشنولماز هائے شب را هم دو اعتبار است یکی آنکه همه را بجانب همه شب نسبه کنند دوم آنکه بنام نصف نصف زنند باعتبار اول که بهر کاهلان است نماز مغرب وعشاء و سنن آن هر دو و تر و سنة و فرض صبح همه در نماز شب داخل خواهد باقی در دخول نماز صبح ترددی باشد اول ما بین که

قبل طلوع واقع است و ظل ارض که در حقیقه منشاء تیرگی شب همان ست هنوز سایه افکن دوم و عدة ثواب احیاء تمام لیل بر جماعه عشاء و صبح یاد کرده فاعلند مسامحه در احیاء تمام وقت بتعمیر اطراف آن وقت یاد آر که بردخول نماز صبح در نماز هائے شب صاف دلالة دارد اندرین صورة پنج رکعة مغرب و شش رکعة عشاء باسه رکعة وتر و چار رکعة صبح شیرزده رکعة می شوند باز مفهوم مردومابین دو رکعة اول عشاء دو رکعة بعد عشاء که در بعض روایات دیده یا شنیده باشی و ما بین دو رکعة بعد وتر که همه غیر مهمم بالشان اند اتمام بست خواهد کرد و باعتبار ثانی که برائے کاملان است این تقسیم بدو صورة است یکی آن بهر مغلوبان خواب است دوم آنکه برائے بیدار بختان برے تاب صورة اول آنکه بست رکعة صلوة اوابین که ابن ماجه تخریج آن کرده سواء این بست رکعة مذکوره ما بین مغرب و عشاء گذارند باقی همه شب در خواب گذارند دوم آنکه هر نصف را جدا جدا احیاء کنند اندرین صورة وتر و نماز صبح در نصف آخر خواهد افتاد و بجهة آنکه درین صورة در نصف اول و هم در نصف آخر سه سه رکعة افتاده عدم بست هیچگونه دست نخواهد داد چه دو وتر بهم شده در صورة سابقه زوج شده بودند بایک وتر حصول عدد بست که زوج است چگونه راست آید لا جرم کمی بیشی یک رکعة در هر دو جانب لازم است و همین است که این طرف پنج رکعة فرض و سنة موکده مغرب با شش رکعة اوابین و شش رکعة فرض و سنة موکده عشاء و چار رکعة اول باد و رکعة اول و آخر بست و یک رکعة می

یک رکعة هم خوانده باشند یا بروایة خوانده باشند چه عجب که وجه وجوب اگر بهم رسیده همین وقت بهم رسیده پس اگر آن زمانه که این اتفاق افتاد زمانه بست رکعة بود فيها ورنه ازین روایة همین قدر ثابت شد که پیش از وتر دو از ده رکعة ست وتر هر قدر که باشد یک رکعة باشد یاسه رکعة و قضاء دو از ده رکعة در صورت فوت تهجد نیز تائید این معنی میکند در روایة فضیلة دو از ده رکعة که از أم المؤمنین أم حبیبہ رضی اللہ عنہا در نسائی منقول است تقویة دگرغنی فرماید مگر چون این زمانه زمانه بست رکعة است لاجرم وتر منحصر در سه رکعة شد و این دو از ده رکعة باسه رکعة وتر رکعة جمله پانزده شدند باچار رکعة فجر نوزده شدند اکنون اگر کسی را در اخذ سه رکعة وتر بدین وجه تأملی باشد که از ابن عباس رضی اللہ عنہما درباره نماز شب منقول است که فرمودند که نماز شب سیزده رکعة است یا فرض کنیم در روایتی از روایات این حدیث بعد ثم اوتر لفظ بواحدة هم باشد اندرین صورت بالضرور وتر یک رکعة بیش نباشد اند فاعش بااین طور ممکن است که حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ هرچه درباره تحدید فرموده اند بمشاهدة فعل نبوی صلی اللہ علیہ وسلم فرموده اند و آنچه دیده اند در زمانه دیده باشند که رکعات فرائض یا زده بودند اکنون که دواعی انحصار وتر در سه رکعة وتر فراهم آمدند و آن طرف فضائل دو از ده رکعة همان سان بحال خود متوافر لا جرم دو از ده رکعة تهجد با وتر پانزده رکعة خواهد شد و ازین هم در گزشتیم دو رکعة نفل که حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ

وسلم گه و بیگاه خوانده اند باسیزده رکعة پیوسته همان پانزده رکعة می شود که مطلوب ما است بالجمله اگر وجوه مذکوره بالا و شواهد مسطوره لحاظ کنیم و این طرف اهتمام بست بست رکعة که در نصف آخر روز و نصف اول شب مسلم شد بنگریم این لحاظ و نگرستن ما را بدین جانب می کشد که این جامم همان اهتمام باشد چه این نصف در کدام امراز نصفین سابقین کم است و این امر بے آنکه تهجد را دو از ده دارند و وتر را سه رکعة پندارند است نمی آید و باین توافق که دانستی و دلالة وجوه که پنداشتی معارضی نیست که اعتبارش مقدم شود اندرین صورت کار عقل همین است که گفتیم ازین جادانسته باشی که در بست رکعة این نصف و سه رکعة وتر باعتبار تضاد و تصدیق یک دیگر همان نسبت است که در روز روشن از احوال آفتاب خبر دهیم چنانکه نور نظر ما از آفتاب خبر می دهد آفتاب از نور نظر ما خبر می دهد و همچنین دیگر دلائل و مدلولات و شواهد و مشهود علیها که درین رساله خواهی دید در تصدیق یک دیگر بهمین نسبة خواهی یافت باقیمانده نصف اول روز هشت رکعة ضحی خود از حضرت رسول الله صلی الله علیه وسلم منقول است دوازده رکعة بطور دیگر بثبوت پیوسته اخرج الترمذی می صحیحه بسنده من انس بن مالک قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من صلی الضحی ثنتی عشرة بنی الله له قصرافی الجنة من ذهب ثم قال الترمذی حدیث انس حدیث غریب و هم دو از ده رکعة در روز بروایة أم المؤمنین أم حبیبه رضی الله عنها ثابت است این دو از ده با آن هشت بست رکعة می گردند

آری تعیین وقت اذان روایة أم حبیبہ رضی اللہ عنہا نمی برآید بلکه بجانب مطلق روزان دو اذہ را نسبتہ کرده اند لیکن ازانجا کہ دران روایة بردواذہ رکعة شب ہم همان ثواب وعده فرمودہ اند بلحاظ آنکہ دو از ده رکعة شب را در نصف آخر جادادند و باین همه وتر و نماز صبح را کہ باہم پیوستہ ہفت رکعة می شوند بجا داشتند چنان بلذہن ناقص می آید کہ عمدہ وقت اداء دو از ده رکعة نہاریہ نصف اول روز باشد و آن ہشت رکعة ہم بجائے خود باشد چہ این نصف را بانصف آخر روز عقلاً و ہم نقلاً مشابہتی تام است ازراہ عقل اگر می رسی ہمچو نصف آخر شب این نصف را برائے بندہ بگذاشتہ اند چنانکہ مکرر سہ کرر شنیدہ و اگر ازراہ نقل استماع ہوس داری ارشاد حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم را تجسس کن کہ می فرمایند اخرج ابو داؤد عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ يقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من نام عن حزبه او عن شی منه فقراہ ما بین صلوۃ الفجر و صلوۃ الظهر کتب لہ کأنما قراہ من اللیل.

الغرض کسیکہ از وظیفہ شب محروم ماند و قبل زوال خواند گوئیا بروقت خود خواند و این طرف خود از حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منقول است کہ نماز چاشت را بہ نماز تہجد تشبیہ دادہ اند باقی ہشت رکعة چاشت کہ از حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بروایة ام ہانی رضی اللہ عنہا منقول است و در بخاری وغیرہ موجود باین ہفت رکعة وتر و سنت و فرض صبح نسبتہ تساویست چہ کمی یک رکعة درین جانب بنا چاریست کہ وتر سہ رکعة بیش نتوان شد و باین خیال کہ فرمودہ اند "فاذا خفت

الصبح فوتر او كما قال“ و همچنین باین لحاظ که فرموده “اندا جعلوا اخر صلوتکم الخ“ سه رکعة وتر در آخر شب افتاد و صورة اتصال با چار رکعة صبح پیدا شد بدین وجه همه ذر آغوش یک هیئت اجتماعی آرمیدند و صورة وحدة در برکشیدند بآن هشت رکعة که صورة وحدانی از اصل دارد بآنکه چاشت و اشراق را بطور جمع صوری بهم پیوسته بودند مشابهة کلی پیدا کردند ازین جا خود بخود این نتیجه می برآید که اگر باوجود دو از ده رکعة تهجد وتر و صبح بجائے خود ماند این هشت رکعة هم بآن دو از ده رکعة که عمده ترین اوقات آن نصف اول است چنانکه عمده ترین اوقات دو از ده رکعة شب نصف آخر است بجائے خود ماند “والحمد لله علی ما هدانا“ این همه لطائف را اگر بغورخواهی دید خواهی دانست که بست رکعة بجائے خود چیزی مقصود بالذات است در کمی ازاں کمی از مقصود لازم می آید در قیام لیل رمضان که بناء آن بر تکرر عبادت است کم ازاں نباید هان زیاده را حدی نیست هر قدر که توانی بخوان اکنون باید شنید که از وجوه مذکورة بالا اگر ثابت است همین قدر ثابت است که کم از کم یازده در تهجد کم از بست در تراویح نباید خواند اما اینکه زیاده هم نباید کرد مقتضاء حکمت نیست هان سوء فهم را علاجی نیست فهم را یک سونهاد هر چه خواهند بفرمایند چون بااین همه در کمی رخصه دادند چنانچه از روایات گذشته دریافته در زیادتی اجازة چون نخواهد بود پس این چه برعکسی است که زیادتی را منع کنند و بکمی بدل و جان راضی باشند اکنون وقت آنست که قلم و کاغذ از دست الگنده شود مگر بر فائده که اتفاق تحریرش نشد از خیالی به خیالی مشغول گشته از مواقع تحریرش پیشتر رفتم

و همچنین بدل ماند و قلم بر آن نرفت اطلاع ضروری ست آن این است که روایات هزار رکعة خواندن امام ابو حنیفه رحمة الله علیه در شب اگر صحیح است والعهدة علی من یرویه "باعتقاد صحتش امام همام را بوجه تجاوز از یازده که تحدید آن سنة شمردہ اند مبتدع نتوان گفت و همچنین باعتقاد کمال امام در اتباع سنة نبوی علیه و علی صاحبها الف الف صلوة این روایات را اگر بدرجہ صحتہ نرسیدہ غلط نتوان پنداشت هر که این چنین کردہ گو بحر العلوم باشد خطا کردہ حق ہمیں ست کہ در قیام لیل باعتبار اصل عددی معین نیست تابندان ساختہ و پرداختہ شود بلکه تقنید بعدی اگر غور کردہ شود مثل تقنید اطعام طعام و اذکار و تلاوة کلام ملک العلام بقیود رسوم سوم و دهم و چہلم بدعة می نماید آری اقتضاء آثار نبوی صلی الله علیه وسلم اگرچہ از اتفاق وقت و اقتضاء عادی و ضروری طبع صادر شدہ باشد اگر بہ نية نیک است موجب سعادت باید فہمید تعمد حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اما کن بول و براز نبوی را وازار کشادہ دران اما کن نشستن اگرچہ حاجت نبود می حق پرستان را ازیں معما آگاهی میدہد لیکن این ہم مخفی مباد کہ این قدر اہتمام حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نہ باین اعتقاد بود کہ از ترک این چنین اتباع زیغ و بدعة میراید ورنہ ہمہ اکابر صحابہ خصوصاً خلفاء راشدین کہ بہ سبب کمال اتباع مقتداء دین شدند و تشریف "علیکم بسنتی و سنت الخلفاء" یافتند مبتدع می شدند نعوذ باللہ اگر توبہ این چنین اعتقاد رسید می این فعل اوشان از سرحد سنة بدر آمدہ داخل ساحۃ بدعة می شد و شاید ہمیں اندیشہ در سر افتاد کہ خلفاء راشدین در پی چنین امور نیافتادند پنداشتند کہ اہتمام "ما بحکم علیکم بسنتی الخ" موجب اعتقاد سنۃ این

أُمور بدرجه که ترک آن بدعة گردد خواهد شد و مداومت اوشان بر عدد یازده در قیام لیل اگر به ثبوت رسد نه باین جهة بود که این عدد از آثار بنویست اگر از اتفاقات سر زده بلکه بلحاظ همان تکمیل خمسين وغيره که مذکور شد خواهد بود که باعتبار آن تحدید این عدد از قسم ثالث میگرد فقط "اللهم ان كان حقا فمن عندك وان كان غير ذالك فانت تعلم اني ظلوم جهول". مکرر عرض فقیر این است که امید اسکات خصم درین زمانه نباید داشت هاں اگر بدان جانب انصاف است این تقریر پریشانم از جادة تسلیم رفتن نخواهد داد ورنه در تسوید این اوراق بجز پاس خاطر آن عزیز یا قبول خداوند اکبر اگر قبول افتد سودی دگر نمی بینم اگر پاس خاطر آن عزیز بخاطرم نبودی از من کاهل هیچمدان بااین تضيع اوقات شریفه و تشتت خاطر که بوجه بیماری حضرت واللّه داشتم این کارباین سرعت سر نمیزد مگر الحمدلله که این طرف این کاربپایان رسید و این طرف مزاج حضرت واللّه رخت بصحة کشید والحمدلله علی ذالک و هر چند اکثر این مضامین گوش خورده آن عزیزاند مگر اکنون کاربادیگران افتاد و این طرف بسیاری از نفائس بے تحریر مضامین مسموعة آن عزیز صورة نمی بست بالاء این همه این هم می خواستم که اگر دیگر می به بیند بدانند که این یک فعل آنحضرت صلی الله علیه وسلم چقدر حکمتها در بغل دارد و چون این یک فعل مصرف این قدر حکمتها و دانشها گردیده مجموعه دین بجه قدر حکمتها ء مبین ساخته باشند اکنون قلم از دست می الدازم و بنام خدا ختم می سازم.

(اواخر رمضان ۱۲۸۸هـ)

تمت بالخير

حاشیه متعلق صفحہ ۲۱

سطر پنجم و ششم

این جاء رسیده شاید بخاطر ناظرین این شبه خطور کند که اگر حقیقة صلوة همیں یک رکعت است می بایست که پنج رکعت فرض می شدنه یازده چه در شب معراج اول پنجاه نماز فرض شد و پس ازاں بوجه تخفیف از پنجاه به پنج رسانیدند و باز بقاعده "من جاء بالحسنة فله عشر امثالها" پنج نماز را برابر همان پنجاه شمردند چنانکه فرمودند: "هی خمس و خمسون" پس اگر حقیقة صلوة همیں یک رکعت است و نظر بریں کم از کم پنجاه رکعت در شب معراج فرض شده باشد اقتضاء قاعده مذکور بران دلالة دارد که پس از تخفیف پنج رکعة باقی می ماند نه یازده باین نظر تقریر ثبت کردن لازم افتاد که این شبه را از دل بر کند اول وجه افتراض پنجاه نماز باید دریافت مخدوم من علة عبادة صفت مالکیت است از صفات خدا وندی یا صفة جمال دلیل شق اول اگر می طلبی در آیه "العبدون من دون الله ما لا یملک لکم ضرا ولا نفعاً و امثال آن در آیات و احادیث غور فرما که از ارتباط باهمی مالکیة و عبادة خبر داده الدچه مفاد این اعتراض که از استفهام انکاری می برآید همیں است که در معبودان باطله شما صفة مالکیت نیست که

استحقاق عبادۀ دارد مگر دانی که نفع رسانی و احسان دو نام اند که بایک مسمی علاقه دارند غایه ما فی الباب فرق اعتباری باشد چنانکه در مفهوم و موضوع له و معنی مدلول است پس هر عبادتی و تذلی که منشاء آن احسان باشد داخل در مقتضیات صفة مالکیة است که بسرکردگی اسم نافع بهم می رسد و هم چنین هر نیازی که بناء آن قهاری و جباری آن بے نیاز مطلق بود داخل در مطلوبات همان صفة مالکیة است که بافسرے هم ضار بدست می آید بالجمله تصرفات مالکان به نسبت شی مستعار بدو نوع می باشد یکے آنکه به مستعیر عطا کنند دیگر آنکه باز گیرند عطا کردن و مسلم داشتن از کارپردازی هائے نافع است و باز گرفتن از نیرنگیها و ضار و هر چه بمای رسد از آن خداوند پروردگار که بما مستعار مدهد و فیکه می خواهد باز میگیرد بلکه از همین آمد و شد نعم پنداشته ایم که مالک همونست که میدهد و میگیرد چه این بدان ماند که در این عالهم می بینیم که مالکان اموال منقوله و غیر منقوله خود را گاهی باختیار خود بهر انتفاع بدیگران می دهند و باز وقتی باختیار خود از و شان می ستانند و این دادن و باز ستدن چنانچه از آثار و مقتضیات ملک اوشان است هم چنان در نظر دیگران دلیل مالکیت آنان ست و دلیل شق ثالی اگر می خواهی در آیت " وجوه یومئذ ناضرة الی ربها ناظرة " و امثال آن از آیات واحادیث بنگر که بعلیت صفت جمال و معلولیة عبادۀ این وعده محبوب بجز عبادت انعام کدام خدمت است که بنده به نسبت خدا ولد خویش کرده باشد لیکن چنانکه دانی وعده کردن خود دلیل آنست که امر

موعود مطلوب عابد آنست و این امر وقتی صورت بندد که محرک عبادت شوق دیدار می توان شد ورنه ازین زیاده چه بیهوده سری باشد که بابی غرضان بوعده هائے غیر مطلوبه چاهلوسیهها کنند " تعالی الله عن ذلک علوا کبیرا " غرض تا وقتی که کسی رارغبه بجانب چیزی نباشد که بدست کس دیگر است ازین طرف امید نیاز نباید داشت و بوعده آن چیز دلش را بدست نتوان آورد و آنکه در بعض آیات و احادیث بیان کمالات ربانی و اسماء حسنی کرده اند و غرض از آن همین دعوة عبادة می نماید قاذح این حصر نیست که علت عبادة یا صفت مالکیت است یا صفت جمال چه آن کمالات یا آلات نفع و ضرر اند که از نیرنگیها مالکیت اند مثل اراده و مشیت و قدرت و تکوین و رزاقی و احیاء و امات و اعزاز و اذلال و غیره یا از متممات جمال مثل صفات ثبوتیه سبعة حیات علم قلرة مشیئة اراده کلام تکوین که امهات صفات اند و هم دیگر تنزلات آنها و هم صفات سلویه از سبوحیت و قدوسیت و غیره گو بعضی از متممات جمال از آلات نفع و ضرر هم باشد و غرضم از تممیم جمال آنست که صفتی چند بهم پیوسته صورتی و هیئت اجتماعی پیدا کنند که خوش پیکرو نیک منظر بود چنانکه چشم و گوش بینی و غیره اعضاء بهم پیوسته صورتی نیکو منظر پیدا می کنند چون آن صورت حاصل اجتماع یک جمله می باشد آنرا جمال میگویند هم چنین صفات کمالیه خدا وندی بهم پیوسته صورتی پیدا کرده باشند که آنرا مصداق جمال قرار داده اسم جمیل که در حدیث الله جمیل بحسب الجمال وارد شده بلحاظ آن وضع کرده باشند و عجب

نیست که و خلق الله آدم علی صورته نظر بر همین صورة باشد پس هر صفتی کمالی از صفات کمالیه خدا وندی که در حصول هیئت اجتماعی مذکور دخل داشته باشد اگر در کلام الله یا حدیث ذکر کرده اندوه دستاویزی دعوی گردانیده طلب عبادت فرموده اند مغل حصر مذکور نیست چه آن کمالات لا جرم از آلات نفع و ضرر اند یا از متممات جمال اندرین صورت هر تذلی و نیازی که بوجه کمالی از کمالات خدا وندی باشد راجع بهمین مالکیه و جمال خواهد بود آری کمالات انسانی از جمال انسانی باعتبار عرف و مغائرت دارد که آن در باطن روح است و این در ظاهر بدن و باین وجه می توان شد که نیاز بوجه کمال جدا باشد و بوجه جمال جدا چنانکه درین عالم بوجه مالکیت جدا می باشد و بوجه احسان جدا لیکن خاص درباره خدا وندی معامله دگرگون است احسان از تفریعات مالکیت است و کمال از متممات جمال و جهش همین است که در ذات و صفات خدا وندی فرق روح و بدن نیست که در جمال و کمال تبائن پدیدار آید تفاوت مملوک و غیر مملوک نیست که احسان از مالکیت جدا افتد احتمال زوال مالکیت و ملک اوتعالی نیست که چیزی را بممکنات هبه گویند نه هر چه بماداده اند مستعار داده اند ملک اوتعالی همچنان برقرار است چنانکه در مستعار می باشد و همین است که از مالکیت خود لجملة اسمیه که دلالة بردوام و ثبوت دارد خبر داده اند می فرمایند "لله ما فی السموات وما فی الارض" و چون نباشد هر موصوف بالعرض را موصوف بالذات چنانکه دانی ضرور است لیکن عارض در عین

وقت عروض بر معروض قائم بهمان موصوف بالذات می باشد اگر تردّداری حال زمین در وقت نور افشانی آفتاب برروبنگر که نورش دراندم قائم بآفتاب است نه بزمین آری اگر واقع بر زمین گوئی بجاست پس ممکنات که وجود و کمالات وجود آنها همه بالعرض اند لا جرم محتاج موصوف بالذات خواهند بود که وجود و کمالات وجود از اوصاف ذاتیه آن باشد و آن کیست خداوند تعالی است که بعروض وجود و کمالات وجودش برحقائق ممکنه ممکنات از عدم بساحة وجود قدم نهاده اند و چون این همه اوصاف لوازم ذاتیه کمالات خانه زاد او تعالی هستند انفکاک چنان صورت بندد که احتمال هبه موجب خیال زوال ملک او تعالی تواند شد بالجمله احسانش بطور عطاء عاریت است که مستلزم مالکیت او تعالی است اکنون روشن شده باشد که موجبات عبادت منحصر در همین دو کمال است یکی مالکیت دوم جمال باقی هر کمالیکه خواستگار نیاز است یا بوجه کار پردازی ملک است یا بوجه تکمیل جمال چون این قدر فهمیدی بمقدمه دیگر نیز گوش کن برادر من نفع و ضرر رami بینم که هر یک جداگانه خواستگار اطاعة است نه بینی که اجیر و نوکر فقط با امید نفع اطاعت مستاجر و آقاء خود می کند و رعایا سلطانی یا مظلومان بری دست و پاء فقط باندیشه جان و مال محصول بسلطان و زر بظالمان می دهند و خلاف فرمان او شان نمی کنند اندرین صورت اسم پاک نافع و ضار از اسماء پروردگار هر یک بالاستقلال خواستگار عبادة باشد که کم از کم یک رکعة چنانکه خوانده خواهد بود مگر دانی که نفع رسانی و ضرر رسانی

ممکنات که بنی آدم هم ازان هاست اگر ممکن است بواسطه زمانه ممکن است چه احداث محدثات جوهر باشد یا عرض منتفع و متضرر بود یا خود نفع و ضرر وابسته بدست اراده خدا و ندیست که یک تعلقش بمرادی آن و تتابع تعلقاتش زمانست بالجمله چنانکه اراده مثل دیگر صفات بذات خود قائم و دائم است در جانب تعلق خود متجددست ورنه لازم آید که یا اراده خدا و ندی حادث باشد یا مرادات او تعالی قدیم باقی ماندند صفات و کمالات دیگر خدا و ندی چون عطائے آن بممکنات حواله باراده است تجدد آنها در ممکنات بالعرض باشد بتوسط تجدد اراده نه بذات خود و در اراده هم اگر همیں سان گوئید بهر اراده اراده دیگر باید آورد و پیدا است که این محال است چه اراده دگر اگر در ذات او تعالی باشد تسلسل یا دو ریا ترجیح بلا مرجح لازم آید و اگر اراده کس دیگر بود خدا را خدا مگو تعالی الله عن ذلک علواً کبیراً“ بالجمله اراده در جانب تعلق بذات خود متجدد باشد لیکن چون زمانه عین تجدد است و جمله تجددات دیگر از حرکات و ارادات ممکنات مظلوف آن لا جرم آن تجدد اراده خدا و ندی باشد که از همه تجددات بالاست اندرین صورت هر ضرور است که تعلقش را به چیز قیام و قرار نباشد ورنه لازم آید که آن قیام و قرار عرضی باشد یا آن تجدد بطلان شق ثانی همیندم دانسته باقی ماند شق اول اگر ثبات را بالعرض خوایم اگر از خارج رسیده خدائی کجاست که محل تصرفات دیگران و محل حوادث شد و اگر از باقی صفات آمده لازم آید که ابقاء ممکنات مثل ایجاد ارادی نباشد ایجابی بود

بالجمله در صورت تعلق اراده بمرادی ابقاء ممکنات اضطراری خواهد بود یا ایجابی و در بطلان ایجاب و اضطرار مذکور اهل اسلام را چه کلام باشد که اوشان جمله ممکنات را ارادی می دانند پس ابقاء ممکنات نیز که یکی از ممکنات است نزد شان ارادی خواهد بود اوشان هم چکنند از نصوص قرآنی که همه دیده یا شنیده باشند ناچار است باین همه مشاهده عقل باریک بین این است که صفات ذاتیه باهم حجاب یک دیگر نمی شوند آری هر شئی بضد خود محجوب یا مرتفع می شود سمع و بصر باهم حجاب یک دیگر نمی شوند و در وقت استماع ابصار بحال خود می ماند و وقت ابصار استماع بدستور خویش می باشد و آنچه در وقت اهتمام استماع کمی در ابصار و هنگام همه تن ابصار شدن نقصانی در استماع رومیدهد آن در حقیقه کمی و نقصان در مرتبه استماع و ابصار نمی آید بلکه توجه بمسموعات باعث کمی توجه بمبصرات می شود و توجه بمبصرات موجب نقصان توجه بمسموعات می گردد و توجهات شتی باهم اضداد اند یا بوجه تعلق بامور متبائنه که اضداد می باشند حکم اضداد می دارند و وجه تضاد متبائنات ظاهر است حجریه و شجریه به نسبت جسم حکم حمرة و صُفرة به نسبت همان جسم است چنانچه پیدا است الفرض یک ضد حاجب یا رافع ضد دیگر می باشد و ممکن نیست که صفات ذاتیه باهم متضاد باشند ورنه لازم آید که در یک ذات اجتماعیه اضداد بود و اگر بالفرض اجتماع اضداد باشد و یکی ازاں سائر دیگر بود چنانکه حمرة عارضه سفیدی جامه را که ذاتی می باشد زیر پرده خود می

پوشد لازم آید که در عینیه ذات به نسبت صفات خود تفاوتی باشد و میدانی که هیچکس جرأة این مقال بلکه این خیال ندارد که ذات وحدابی اقتران امر دیگر منشاء تشکیک باشد آری اراده اگر از صفات ذاتیه نبودی می توان گفت که باقتران امور دیگر این تفاوت بظهور آید بالجمله چنانکه در تحقق صفات ذاتیه گنجایش مداخله امر دیگر نیست احتمال تفاوت هم بخیال نباید آورد اندرین صورت لا جرم هر صفت خدا بشرط تقابل معروض و منفعل بکار خود باشد یک صفتی ممکن نیست که حاجب دیگر باشد نظر برین لازم است که اراده هم علی الانام بکار خود باشد که تجدید است آری این ممکنات که منفعلات اوست اگر از ساحت وجود برخاستی مثل دیگر صفات که تعلق بوجود خارجی ممکنات دارند اراده هم بیکار نشستی باقی ماند این بقاء مشهود که در ممکنات دیده باشی بقاء حقیقی نیست تجدد و امثال باشد که هم رنگ بقاء شئی واحد است بمثالی که بس روشن است اطمینان خود کن اگر شمعی یا چیزی دیگر چنین کوتاه مقدار راقابل آئینه که بس عریض و طویل باشد آورده از یک جانب بجانب دیگر کشیده برند در بادی النظر اگر بینی عکس شمع که دران آئینه افتاده باشد مثل شمع چیز است واحد که بمعیه شمع از یک طرف بطرف دیگر می رود لیکن اگر دیده عقل را بکشائی و بینی بیقین دانی که هر دم عکسی تازه دران آئینه می افتد له آلکه عکس واحد از اول تا آخر می رود چه اگر در وسط آئینه قلمی باشد یا باشد مگر چیزی دیگر مثل گل و لائی بررویش چسبان بود دران قدر عکس مذکور را

وجود و نمود نخواهد بود و جهش بجز این چه خواهی گفت که در حدوث عکس عدم الحجاب شرط است " فاذا فات الشرط فات المشروط " لیکن همیں کلام از طرف ما پذیراکن ما نیز می گوئیم که در حدوث عکس تقابل و محاذات شرط است " فاذا فات الشرط فات المشروط " و هویدا است که شمع را درحالة حرکت با جمله اجزاء آئینه یک تقابل نیست هر دم با هر جز تقابلی دگرست که موجب حدوث عکس دگر خواهد بود اکنون باز برسر مطلب میرسیم عزیز من چون هویدا شد که کار نافع و ضار زمانیست و از زمانه دانستی که ساعة مقداریست معتدبه که دران کاری معتدبه توان کرد نظر برین در ساعة اگر پروانه طلب عبادۀ از درگاه نافع و ضار رسد بجاست چه در هر ساعة نافع مقداری معتدبه از وجود و کمالات وجود با وعطا فرمود و باز ضار همه را واپس نمود چنانچه مقتضاء تجدد امثال همیں ست و پیشتر در گوش تودمیده آمده ایم که یک رکعة عبادت نیست معتدبها که اگر برآن اکفا فرمایند به حیثیة عبادت نقصانے نباشد چه همه اجزاء و ارکان صلوة را اکنون فراهم آمدند و صورت اجتماعی که همانان مقصود ازین اجزاست نقش خود بر وجود کشید و درباره کمال وجود مشابه به صورت انسانی گردید که پس از فراهمی جمله اجزائ معلومه و اجتماع آن بطور معلوم در نقش صورت انسانی نقصانی نمی ماند آرمی چنانکه غلام مشترک را هر روز از اطاعت هر دو مولی چاره نیست و باز در یک وقت خدمت هر دو متصور نیست و بدین سبب کار هر دو نوبه بنوبه می کند هم چنین بنده بے چاره را از عبادۀ نافع و هم

ضار ناگزیرست و همین دم دانسته که نفع و ضرر همچو زوج و فرد متعاقب و متلازم اند تفاوتی و نقصانی بمیان نیست زیرا که تجدد امثال بر فناء امثال ممکن نیست اگر مثلی حادث می شود مثلی دیگر فناهم گردیده دران فنا و این حدوث تا دمیکه دم می آید و می رود تفاوت یک دم هم نیست که در رکعات مطلوبه آن تفاوت باشد تا باداء حق یکی و هضم حق دیگری چه رسد و رکعة ثالث مغرب و وتر اگر فرد است نه باین وجه که حق یکی از مستحقان داده دیگر را جواب می دهیم نه بلکه وجهش این است که این طرف قاعده "الله و تریح البوتر" کمی بیشی یک رکعة می خواست و آن طرف بشارة سبقت رحمتی علی غضبی مستوجب مزید استحقاق نافع از ضارب بود نظر برین از درگاه رحمة کمی در حق ضار لازم آمد و معافی یک رکعة ضرور افتاد مع هذا انقلاب لیل و نهار مشابه انقلابی است که موت و قیامت خوانند خصوصاً وقتی که این هم پیش نظر دارند که شب وقت نوم است که حسب ارشاد "النوم اخو الموت" برادر اوست و میدانی که موت و قیامت از کار پردازائی اسم ضار است که سلب وجود و کمالات وجود می فرماید و فناء کلی رومیهد لیکن روشن است که از حق شناسان و زیرباران حقوق الثری و خبری نمانده که اضافت حق بدان تعلق پذیرد و نسبة حق متحقق شود بالجمله در آخر حال ضرور است که حق ضار ساقط شود فقط حق نافع باقی ماند برین تقریر و تبریدن نماز مغرب که آنرا وتر النهار فرموده اند خوب موجه شد آری در وتر داشتن وتر اللیل هنوز شبه باقی است اگرچه تقریر اول کافی است لیکن

اگر غور بکار بریم برین تقریر نیز موجه می شود تقریرش اینست که هرچند در شب به نسبت روز تصرفات ضاربه نسبت نافع زیاده تر است اما چندان که سلطنت و عمل داری نافع بالکلیه برخاسته باشدنی بلکه اکثر و نصف هم زائل نشده آری قدری قلیل از منافع بازداشته می شود لیکن آن بازداشتن بیک وجه نفعی و نعمتی دیگر است اگر محبوبی را حلوانی بیدو خوارند و چون سیر شود بازایستد تا آنکه نوبه سیری بنفرت و برگشتن طبع انجامد آن وقت اصرار و الحاح درباره خوردن و خوان حلوا را که آشیانه مگس و آستانه مورمی باشد همانا پیش نظر او کشاده داشتن از منافع و نعم نیست آری خوان از پیش او بردن و زمام اختیار باو سپردن و بهر خواب راحت و بجانب بالین استراحت اشاره فرمودن نعمتی ست که حقیقه شناسان کم از نعمت اول نمی شمردند نظر برین اگر شب در حق نعماء روز شب قیامت است روز در حق آلاء شب روز قیامت خواهد بود اکنون باز بر سر مطلب می آئیم و گزارش می نمائیم که چون در هر ساعه از ساعات دوازده گانه روز و دوازده گانه شب که مجموعه بست و چار می شود و پروانه طلب نماز یکی از درگاه نافع و دیگر از دربار ضار رسید لازم آمد که بامثال هر دو امر پرداخته شود لیکن پیشتر دانسته شد که حقیقه صلوة همین یک رکعة است و بس نظر برین کم از کم بحکم نافع و ضار دو دو رکعة در هر ساعه فرض می شد که مجموعه آن بچهل و هشت میرسد بالجمله مقتضاء مالکية خدا وندی که بواسطه زمانه بدو طور اعنی نفع و ضرر کار پرداخته است آن ست که در شب و روز چهل و هشت

رکعة از بنده ناچار گرفته شود اما اسم جمیل مثل نافع و ضار در مرتبة فعلية محتاج زمانه نیست که از زمانه و اجزاء زمانه حسابی کرده شود این اسم پاک او تعالی چنانچه وصف قدیم است و باین وجه در نفس قیام موصوف خود که ذات پاک او تعالی است همچو دیگر اسماء حسنی است اما لازم است نه متعدی مفرد است نه اضافی تا روبرو جانب دیگر نهد و در فعلية خود دست بدامان مفعول و مضاف الیه زند چنانچه بدیهی است بالجمله این جا از سرکار بمضاف الیه نیفتاده و تعلق به مفعول دست نداده تا بتجدد زمانی نوبه کشد چه مدار این تجدد همین اضافه و تعدد است آری ماوراء فعلية این جا هم تجددی دیگر متصور است مگر نه در مرتبة مصداق جمال و فعلية آن که آن خود در ذات او تعالی ممتنع است نه بلکه در مرتبة تجلی و ظهور اگر صاحب جمالی آئینه پیش خود دارد یا لباس نو پوشیده سراز خانه برآرد این نتوان گفت که جمالش از قوه به فعلية رسید و از ملکه نوبه بظهور آثار کشیدهان می توان گفت که جلوه دگر پیدا کرده و شانه دگر ایجاد نهاد مگر دانی که این تجلیات و ظهور شیون اگرچه از اوصاف همان جمال است لیکن زمانی است اکنون بتجسس افتادیم که این قسم انقلاب و آنهم چنان که موجب تجدد نیاز باشد در چندگاه به ظهور می آید التجاء بکلام ربانی آوردیم بجوابش فرمودند کل یوم هو فی شان نظر برین چنان پنداریم که تجدد شیون روزانه میباشد ساعة بساعة نمی بود آری این قدر ملحوظ داشتن ضروریست که در محاورات عرب در همچو مقامات یوم مع اللیل مراد می باشد اگر کسی لذر اعتکاف

یک روز یا یک شب می کند بهمین وجه اورا اعتکاف شب و روز لازم می آید بدین وجه می باید که از پیش گاه جمیل میعاد مهلت شب و روز بود و پس از مرور شب و روز عبادت طلبیده شود که موافق تحریر سابق در نوع صلوة یک رکعت است و بس لیکن چنانکه اسم مالک باعتبار کار پردازی هائے خودده پیش کار نافع و ضار می داشت همچنین اسم جمیل باعتبار تجدد شیون دو مظهر دارد صمدود دود که اول مشیر به برے نیازی و ثانی مشعر به چاره سازی است بالجمله این جا نیز دو شعبه است لطف و برے نیازی که مثل نافع و ضار هر یک علة موجب نیاز بالاستقلال است چنانچه رموز آشنایان محبت خود دانسته باشند پس چنانکه در هر ساعة دو مطالبه یکی از نافع و دیگر از ضار بود در هر روز و شب دو مصادره از صمد و دود بود بالجمله بهر شان قبض و انقباض عبادتے جدا و بهر شان بسط و انبساط صلاتے جدا باید نظر برین در شب و روز دو رکعة دیگر افزوده باشد و جمله پنجاه رکعة فرض فرموده باشد چون از وجه فرضیه پنجاه آگاه شدی از حکمت باز آوردن بیازده هم باید گفت بشنو که بناء این مطلب نیز بر تمهیدے است که بیانش اول ضروریست شاید از قواعد شرعیه یا قوانین عقلیه پی برده باشی که آثار اضافات بمضاف و مضاف الیه برابر میرسد نه بینی که اکل ربو و موکل آن و شاهد آن و کاتب آن همه برابر هستند بناء این تساوی بر همین ست که لعنت و غیره هرچه عذاب بهر این جریمه مقرر داشته اند بر تحقق این فعل مقرر داشته اند و فعل اضافتی و نسبتی است ما بین فاعل و مفعول اگر یکے هم ازین نباشد اضافه فعل

نقش وجود نپذیرد نظر برین هرچه در تحقق اضافیات از فاعل و مفعول و زمان و مکان مداخلتی داشته باشد بقدر مداخله خود مورد آثار اضافه هرچه از مدح و ذم و ثواب و عقاب باشد خواهد بود همچنین اگر نسبة و اضافه واحد است واحد المنسوبین یا احد المضافین متعدد درین صورت آن آثار همه منسوب و مضاف را برابر خواهند گرفت مگر غرضم ازین وحده و این تعدد نه این است که مبتداء یا خبر متعدد باشد فقط چنانچه گویند زید و عمرو قائم یا زید عالم و حافظ چه در امثال این جملها اگرچه بظاهر نسبة واحد است زیرا که جمله یک می نماید مگر در حقیقة جملها متعدد را بوجه اشتراک احد المنسوبین بصورة یک جمله آورده اند و نسبتها متنوعه را به پیرایه یک نسبة سپرده اند نه آنکه نسبة واحد است واحد المنسوبین متعدد بلکه مرادم ازین سخن آنست که فعل واحد از دو فاعل سرزده باشد یا بردو کس واقع شود مثلاً دو کس بهم شوند و یک مظلوم را بکشند یا یک کس دو مجرم را بهم کرده سرزند اندرین صورت اگرچه بظاهر در بعض صور افعال متعدد باشند مگر آنکه مصداق قتل است از وحده نگزشته شرح این معما آنست که قاتل اگر مجرم است و مستحق دية و قصاص و عذاب می شود باعتبار تسبب انزهاق روح مقتول می شود نه باعتبار صدور فعل ضرب ورنه بمجرد صدور این فعل اگرچه برکس واقع نشود و اگر واقع شود بر دیوار و اشجار واقع شود گردنش میزدند و مورد لعنت و غضب و مستحق عذاب می شدند غرضی بر جانگزائی مقتول نظر است و درین قدر هر دو قاتل چنان واحد اند که دو ذابح کار می

ربهم گرفته بر حلق مذبوح رانند پس چنانکه در صورة ذبح حرکه واحد از دو محرک سرزده همچنان حرکت روحانی مقتول که آن را انتقال و موت خوانند از دو محرک که همیں دو فعل این دو قاتل اند سرزده الغرض نظر بظاهر فاعل متعد دست و فعل واحد اما در حقیقه فاعل نیز همچو فعل واحد است و چون نباشد وحدة فعل را وحدة فاعل و تکثر فاعل را تکثر فعل لازم است لیکن چنانکه مرد زور آور را در بعض افعال خفیفه حاجت نصف زور می افتد که باور داده اند و در افعال قویه حاجت همه زور و طاقت می باشد و این تناسف و تضاعف زور موجب تناسف عددی یا تضاعف عددی آن افعال نمی گردد مثلاً فعلی که از نصف زور صادر شده آن را یک فعل و فعلی را که از همه بزور بوقوع آمده آن را دو فعل نتوان گفت هم چنین در بعض افعال زور یک کس و در بعض افعال زور دو کس کار میدهد و مصدر آن افعال حاصل جمع آن دو زور و آن دو قوه می باشد نه تنها تنها هر قوه و هر زور غایت ما فی الباب اهل قوه متعد باشند مگر دانی که تعدد اهل قوه بلکه خود تعدد قوت موجب تعدد فعل نمی توان شد چه مصدر افعال حاصل اجتماع قواء متعدده است نه خود قواء متعدده تا تعدد افعال لازم آید چون این دقیقه بشناختی حکمت لزوم و وجوب قصاص بر جمله شرکاء قتل مقتول و هم حکمت این حکم نیز دانسته باشی اکنون بشنو که نفع و ضرر آنها از یک صفة بوقوع لیاید لازم است که دو صفة از صفات خدا ولد مصدر نفع و ضرر شده باشند چه نفع و ضرر متضمن معنی اعطاء و سلب است و میدانی که اعطاء را چنانکه ضرورت معطی

و معطی له است و سلب را چنانکه ضرورت سالب و مسلوب عنه است همچنان ضرورت معطی و مسلوب ست که عطاء و عطیه باشد چنانکه زید مثلاً عمرو را درهم و دینار می دهد و این یک فعل باین مقومات ثلاثه متحقق و مقوم می شود هم چنین اگر خداوند معطی و نافع بممکنی عطائی می بخشد و نفعی میرساند این بخشش و عطا را نیز ازین ضروریات ثلاثه ناگزیر است علی هذا القیاس سلب خداوند را بسلب واقع فیما بین ممکنات قیاس باید فرمود مگر اعطاء بدو قسم می نماید یکی آنکه عطاء و سلب اعنی معطی (بصیغه مفعول) و مسلوب از مبیئات معطی (بصیغه فاعل) و سالب باشد چنانچه در اعطاء و سلب درهم و دینار هویدا است دیگر آنکه اعطاء و سلب از صفات معطی و سالب بود چنانکه در طلوع و غروب آفتاب هرچه از نور و ظلمت زمین مشاهده می افتد در حقیقه لحوق صفتی از صفات آفتاب که نور است بزمین یا انفکاک آن ازان می باشد لیکن اگر بدیده غور دیده شود در هر دو صورت اعطاء و سلب صفتی از صفات می باشد اگرچه در یک صورت اعطاء و سلب مبائی از مبائات نماید وجهش اگر بررسی این ست که در عطاء درهم و دینار نیز اعطاء حصه صفت مالکیت خود می باشد اگر مملوک دیگران بکسی سپرده باشد ثمرات داد و دهش که ثواب و خوش نودی رب الارباب است بدست ، لتوان رسید اگر حقیقه عطاء و اعطاء همین درهم و دینار و دادن آنهاست در هر دو صورت برابر است اگر فرق است همان فرق اعطاء مالکیت خویش و عدم آنست نظر برین مطمح نظر همین امر فارق باشد بالجمله

اضافتی که معطی را بنسبة عطاء حاصل بود و آن اضافت در حق معطی صفتی بود از صفات او و معطی له را عطاء می کند و این بدان ماند که سنگی بر سنگی نهاده باشد و نظر برین وضع سنگ بالا را به نسبت سنگ زیرین اضافتی و صفتی بود که آنرا فوقیه گویند پس اگر سنگ بالا از بالا کشیده بجایش سنگی دیگر یا چیزی دیگر نهند آن فوقیه سنگ اولی اکنون بسنگ ثانی منتقل شد نه آنکه در اصل فوقیه تغییری واقع شد چه مصداق فوقیه جهة فوقانی سنگ زیرین است و میدانی که آن همانست که بود الغرض چنانکه در مثال مذکور سنگ اول صفتی از صفات و اضافتی از اضافات خود بسنگ ثانی عطا کرده است هم چنین در اعطایات این عالم اگرچه عطا در بادی النظر مبائن از ذات معطی نماید یا صفتی از صفات معطی بمعطی له میرسد همان درین قدر شک نیست که در همچو مواقع صفتی که از معطی بمعطی له میرسد از صفات انتزاعیه می باشند از صفات انضمامیه و اضافتی از اضافات بودند مصداق مستقل بالمفهومیة و بهمین سبب کوتاه نظران اشیاء مبائن را که مصحح اضافه و یکری از دو حاشیتین این اضافه می باشند عطاء و عطیه می شناسند چون این قدر مسلم شد که عطاء بهرنج که باشد در صفات می باشد اگرچه در بادی النظر در مبائنات هم نماید برسر مطلب می آیم و عرض مطلب می نمایم که بهر تقویم اعطاء و سلب از سه امر ناگزیر است دو ازان بجانب معطی است یکی قوه اعطاء و سلب دیگر صفتی که عطاء یا سلب می فرمایند و یکی بجانب معطی له که آن را بقوة آخذه و قابله تعبیر کردن زیباست

پس باین نظر که نفع و ضرر معنی اعطاء و سلب را متضمن است لازم آمد که بجانب باری تعالی دو امر ازین ضروریات ثلاثه مذکوره تجویز کنند یکی را اراده نام می تهیم و دوم خزانه الرحمة می خوانیم مگر اضافتی که مابین نافع اعنی جناب باری تعالی و منتفع اعنی عباد واقع است اگر یک جانبش امر و احداث است اعنی ماهیه ممکنه عباد درین جانب علیا این دو منسوب و مضاف اعنی اراده و خزانه الرحمة واقع اند و حسب قاعدة مسطوره بالا بشناخته که احکام اضافه و آثار نسبت هم به منسوب و منسوب الیه برابر میروند و هم بشاخهائی این اطراف برابر میروند نظربراین دراستحقاق عبادة که از مقتضیات اضافت واقعه فیما بین نافع و منتفع و ضار و متضرر است اراده و خزانه الرحمة هر دو رامستقل باید شناخت و در هر ساعة از هر دو سرکار پروانه جداگانه در مطالبه یک رکعة که مقدار معتدبه درین نوع است صادر باید پنداشت اکنون لاجرم آن چهل و هشت رکعة که حق نافع و ضار بود مضاعف شده نبود و شش رسیدند و همین طور دو رکعة ازاں جمیل هم باین نظر که انقباض و البساط نیز مثل نفع و ضرر بدو در جز منحل می شود و بحکم قاعدة مذکوره هر یک ازاں در استحقاق مذکور علة مستقلة است از دو بهار پاکشیدند مجموعه این تضعیف صدر رکعة شد که پس از تقسیم بر الصاف اربعه شب و روز بست و پنج رکعة بحضة هر نصف از شب و روز آمد مگر شارع بجائے بست و پنج رکعة بر دو نماز ظهر و عصر در نصف اخیر روز و هم چنین بر مغرب و عشاء در نصف اول شب اکتفا

فرمودند یکی را ازین دو دو نماز در نصف اول آن نصف و دیگر را در نصف ثانی بلکه در شروع و آخر آن نهادند چنانچه از استحباب تعجیل ظهر و تاخیر عصر و تعجیل مغرب و تاخیر عشاء هویدا است و غرض ازین وضع و ترتیب چنانکه پیشتر گفته ایم که خوبی اطراف در نظر چشم پوشان کار خوبی همه اجزاء میدهد همان تعمیر این انصاف بود وسیله اطراف مگر به تخفیف و تسهیل اکنون آن قاعده را بیاد آر که احکام اضافه بهر دو طرف برابر میرسد و هر دو طرف در استحقاق آثار نسبة علة مستقلة می باشند و باز درباره حکمت تزیید ثواب جماعت از یک تا بست و پنج چنانچه در روایات بخاری و مسلم موجود موعود است اطمینان خود کن لیکن چنانکه باقتضاء انقباض و انبساط که از شیون جمال اندید و قوت بر پرده ایم یکی قابضه و باسطه دیگر مطاوع آن که آنرا منقبضه و منبسطه می توان گفت بهدایة مفهوم جمال در منقبضه و منبسطه تحلیلی دگریافتیم که اصول آن شش صفات انداز صفات سبعة سواء اراده که بقوة قابضه و باسطه معبر شد تفصیل این اجمال هر چند درخور این اوراق نیست که این قطره از دریاهم خواهد گزشت اما در سخنی که عاقل را بره آورد دریغ هم نباید کرد در هر احداث از خدا باشد یا از بنده از حیوة و علم و قدرت و مشیة و اراده و کلام نفسی که آنرا حدیث النفس هم اگر گوئیم بجاست و تکوین ناگزیر ست چنانچه بدیهی است اگر یکی هم ازین صفات سبعة نبا شد فعل اختیاری که سرمایه احداث و ایجاد بلکه عین ایجاد است صورت نه بندد و میدانی که این همه سامان در جانب محدث و موجدست که

با مفعول خود اعنی مُحَدَّث و موجد که باعتبار دگر آنرا حادث و موجود نیز گویند تقابل تضائف دارد پس این همه سامان در مقابله هر حادث اُفتاده است نظر برین اگر گوئیم که در پیش نظر ممکنات و از کمالات خود اگر آورده اند همین قدر آورده اند و اضافت مشاهده و مکاشفه اگر ممکنات را حاصل است بهمین قدر حاصل است بجا باشد مگر دانسته باشی که جمال هیئت است که با اجتماع یک جمله پیدا می شود همین است که جمال را جمال گفته اند بالجمله مصداق جمال هیئت اجتماعی است که هر هر جزو جمله مجتمعه مقوم آنست و جمال اگر موجب نیاز است باعتبار تجلی و مشاهده است نه باعتبار ذات پس هر جلوه که از حد تجلی و مشاهده بالاست خواستگار عبادتش میندازد این قدر که تقابلش دانسته اگر دلدادگان خود را بسخره کشد زیباست بالجمله جمالی که بنده را تا بمشاهده آن رسائیست و جلوه که مخلوق را بآن آشنائیست همین هیئت مجموعی امهات صفات سبعة مذکوره است و بس اندرین صورت بیاد قاعده مسطوره فهمیده باشی که هر یکی ازین صفات سبعة درخواستگاری یک رکعة علت مستقلة باشد چه جمال حقیقی که مبدء محبت عباد شده بر هر یک توقیفی دارد پس هر نیاز بکه بنایش بر محبة باشد بطرف هر یک ازین صفات سبعة رو خواهد داشت و هر یک را ازین صفات استحقاق آن نیاز جداگانه خواهد بود پس ازین اگر نظر بر الثبوت شیون بی نیازی و چاره سازی علل و معلولات را مضاعف کنیم علل هم چارده خواهند شد و معلولات آن نیز که همین رکعات اند به چارده

خواهند رسید بانضمام آن به نودوشش رکعة سابقه که باقتضائے تضعیفات نافع و ضاربهم رسیده بودند نوبت یک صد و ده رکعة خواهد رسید که پس از اختصار آن بقاعده "من جاء بالحسنة فله عشر امثالها" همان یازده رکعة بدست می ماند که اول در سفر و حضر فرموده بودند مگر چون این قدر دیگر لحاظ کنیم که جمله افعال و تجدیدات مربوط باراده اند چنانچه هویدا است و هم آیت "یفعل الله ما يريد" پرده از روئے این شاهد می کشد خود بخود لائح می شود که قبض و بسط که از قسم فعل است کار اراده است باقی ماند انقباض و انبساط پس ازین خود از احوال صفات سته باقیه خواهد ماند و میدانی علة قریبه نیاز همین انقباض و انبساط است چه رنج و راحة و محبة و أنسیة بفراق و وصال و خوشی و ناخوشی محبوب می باشد که همانا از اقسام انقباض و انبساط است نه از قسم قبض و بسط نظر برین نیاز و عبادة را اگر رابطه معلولیه است بهمین صفات سته است که پس از تضعیفیکه مقتضاء اثنیة دو شان انقباض و انبساط است نوبه بدوازده میکشد و پس از انضمام نبود و شش سابقه یک صد و هشت می کردند اکنون بحصة هر نصف از الصاف شب و روز بست و هفت رکعة خواهد آمد و بیاد قاعده مسطوره روایة ثواب بست و هفت رکعة که به نسبت نماز جماعة هم در بخاری و مسلم و غیره موجود است موجه می شود باقی ماند دو امر قابل تحقیق یکے آنکه در اختصار رکعات با عدد یک صد و ده رکعة کار افتاد و درباره تعمیر انصاف از اطراف عدد یک صد و هشت که ربعش بست و هفت است ملحوظ آمد وجه این فرق

چيست دوم اينكه ظهر و عصر هم چنين مغرب و عشاء اگر بهم شده كار تعمير يك يك نصف ميکنند باري نماز صبح بدو اعتبار كار تعمير دو نصف مي کند اگر نماز صبح را از نماز هائى شب انگارند چنانچه مقتضاء قبلتشان از طلوع همين است باعشاء پيوسته كار تعمير نصف اخير شب ميکنند و شايد همين است كه بر نماز عشاء و صبح كه با جماعت گزارده شوند وعده ثواب احياء همه شب فرموده اندو اگر از نماز هائى روز شمارند چنانچه اقتضاء بعد تيش از صبح صادق كه همانا مبداء روز ست همين است با نماز ظهر و عصر پيوسته كار احياء همه روز خواهد داد نظر برين مي بايست كه اگر ثواب ظهر و عصر وغيره ثواب بست و پنج ركعة بودمى ثواب نماز صبح به ثواب پنجاه ركعة برابر آمدمى و اگر ثواب ظهر و عصر وغيره به بست و هفت رسيدى ثواب صبح به ثواب پنجاه و چار خود را كشيدي اين چه سبب ست كه ثواب صبح نيز هم سنگ ثواب نماز هائى ديگر ماند به پنجاه يا پنجاه و چار نرسيد شرح معماء اول اين ست كه افعال متعديه دست بدو دامن آويخته انديكي فاعل كه باعتبار آن وصف صدور بدست آورده دويم مفعول كه بلحاظ آن صفت وقوع و تعلق بهم رساليد مگر چنانكه حركة قطعى در افعال ماز و قوعات متابعه صورت بندد همچنان زمانه در افعال خدا وندي از تعلقات متوارده بوجود آيد بلكه حقيقه زمانه حركة قطعى صفتى از صفات خدا وندي خصوصاً صفة وجود است كه مسافت آن همين امثال ممكنات است چنانكه از اشاره كه درباره تجدد امثال گذشته دانسته باشي بالجمله حقيقه زمانه كه

بیش از تجدد نیست از تعلقات متوارده صورت بندد ورنه در جانب صدور ثبات ووحدة است نه تكثر و تجدد آری متعلقات بصیغه مفعول کثیر اندو بدین وجه منشاء تجدد می توانند شد چون این قدر دانستی دیگر بدان که قبض و بسط کار فاعل است و انقباض و انبساط کار مفعول آنرا جهة صدور بکار است و این را جهة وقوع در کار آن بالائی زمانست و این زیردامان آن باوّل زمانه نسبت آله بفاعل دارد و باثانی نسبت آله به منفعل پس جائیکه نظر بر زمانه باشد و توزیع و تقسیم زمانوی مدنظر بود آنجا اراده را که کار پرداز قبض و بسط است نه مورد انقباض و انبساط در حساب آوردن و باعتبار اثنیة قبض و بسط حق اور امضاعف و مکرر گرفتن خبر از سوء فهم و غلط فهمی میدهد که ازان متعالی عن العیوب علام الغیوب نباید و میدانی که در تضاعف ثواب ازیک تا بست و پنج یابست و هفت نظر بر همین تقسیم و توزیع زمانست چه اگر وعده بست و پنج یابست و هفت ست بدی نسبت ست که درین قدر زمانه که نصف روز یا نصف شب ست به مقابله نعماء الهی و جزاء خدا ونندی که بواسطه این قدر زمانه بما رسیده می بایست که از اوّل تا آخر مشغول عبادة بوده باین قدر رکعات از عهده بندگی بدر آمدندی چون این عهده برائی اکنون به نماز عصر و ظهر و نماز مغرب و عشاء تعلق گرفت و آن کار بزرگ ازیں دو نماز انجام رسیدمی باید که آن ثواب که برآن متفرع می شود اکنون بهمین خدمت ارزانی داشته شود مگر هویدا است که نعماء و ضراء که درین صورت علة موجهه اندهمه از مظروفات زمانه اندنه آنکه از

زمانه بجانب بالاست نظر بریں در اعطاء ثواب این خدمت نظر بر عدد یک صد و هشت کردن لازم آمد و رخصه گرفتن یک صد و نه نشد و در اختصار رکعات از یازده بکم نظر بر تجدید زمانی و تقسیم و توزیع بر زمانه نبود بلکه حقوق مطلقه را خواه از آن مالک باشد یا از آن جمیل حق قابض و باسط باشد یا منقبض و منبسط بهم ادغام کردن میخواستند و آنچه از تقابل یا زده رکعه بیازده ساعه از شب و روز مذکور شد نه باین اعتبارست که این قدر زمانه از آن طرف بکار بنده محتاج آمده آن همی قدر رکعات بجاباید آورد حاشا و کلا کدام ابله است که باین چنین خیالات دل خود را بیالاید از دیوانه تا عاقل همه میدانند و آنانکه نظر بر سطور گذشته انداخته اند به تحقیق دانسته باشند نفسی نمی رود که نعمتی بلکه صد نعمت از آن طرف نمی آیند از سعدی شنیده باشی نفسی که فرومی رود ممد حیات است و آنکه برمی آید مفرح ذات بلکه باعث این تقسیم تراحم حقوق خالق کائنات و حوائج بنده سراپا حاجات است اشتغال بهر دو کار از بنده ناچار دشوار بود بضرورت آنکه افعال را از زمانه ناگزیر است تحدید قدری از آن ضرور افتاد ورنه اقتضاء اجتماع این دو علة همین بود که حقوق هر دو علة معاً ادا کرده شوند غرض این جا که نظر بر زمانه است وقت اداء حق است و آنجا وقت طلب آن آنجا مقتضی بصیغه فاعل زمانی ست چنانچه روشن شده این جا مقتضی بصیغه مفعول زمانی ست چنانچه هویدا است و ازین تا آن فرقیست که خود میدانی چون کلام مادر اول بود ازین تقسیم نقض تقریر ما نتوان شد و آنکه در تحصیل

جمیل صفة اراده را بیک سونهادند و از کار او که فعل بود حسابی نکردند فقط برانفعالات صفات سه باقیه مجازات زمانی را مقرر داشتند و در تحلیل نافع و ضار نظر بر کار اراده هم گماشتند حالانکه این جا هم کار او همان فعل است نه انفعال نیز نظر بهمان نعماء و ضراء زمانیست نه فقط بر کمال آن ذوالجلال جوابش این است که در اعطاء و سلب دو نسبة تعبیر کرده اند مگر مقصود بالذات نسبتی است که یک طرفش معطی له است و یک طرف معطی و عطاء نه آن نسبة که در میان معطی و عطاء متحقق می شود این جا فعل معطی و انفعال عطاء بهم شده یک طرف نسبة می کردند و بدین سبب احکام نسبة بهر دومی رسند و پس از قبض و بسط و انقباض و انبساطیکه در شیون جمیل می باشد اگرچه نسبتی دیگر فیما بین منقبض و منقبض عنه و منبسط و منبسط الیه پیدا شود دیگر نه آنکه داخل در مفهوم قبض و بسط است و مصداق آن و مقصود بالذات ازان بلکه مصداق آن همانست که در میان قابض و منقبض و باسط و منبسط جا گرفته و همین است که درین جا ضرورت مفعول ثانی نیفتاده و در اعطاء و سلب نسبة مقصوده نسبة فیما بین معطی و عطاء و سالب مسلوب نیست بلکه این نسبة بهر نسبة مقصوده مذکوره آله ایست که بی آن وجود آن نسبة متصور نیست و ازیں جاست که اعطاء و سلب متعدی بدو مفعول آمد و ازیں جا دانسته باشی نسبتی فیما بین منقبض و منقبض عنه و منبسط و منبسط الیه پیدا می شود آن در کدام مرتبه از مراتب است الغرض آن بجائے خود نسبتی است جداگانه و نسبت اولی نسبت است

بجائے خود مستقل مثل آن دو نسبتہ کہ از یک مفہوم اعطاء می
برآیند یکی در مفہومیہ خود محتاج دیگر نیست گو باعتبار وجود
یکی دست نگرد گر باشد اکنون بشنو کہ منشاء عبادۃ در جمیل اگر
امرست زمانی همان نسبتہ ثانی ست کہ باعتبار وجود موقوف بر
اولی است مثل توقف وجود نہار بر طلوع شمس نہ باعتبار مفہوم تا
نسبتہ اولی را یکی از دعائم احد المنسوبین قرار دادہ احکام نسبتہ
ثانیہ را بجانب منسوبین نسبت اولی برند بلکہ ضرور است و پُر
ضرور ست کہ این جا احکام نسبتہ ثانیہ راتا منقبض و منبسط کہ
یکی از اطراف این نسبتہ است و ہم طرفی از دو طرف نسبتہ اولی
رسانند و بالا برند و در اعطاء و سلب چون قصہ دیگر گونست کہ
خود نسبتہ اولی یکی از اطراف ثانیست ورنہ ازین چہ کم کہ ماخوذ
است در اطراف آن لاجرم احکام نسبتہ ثانیہ را ترقی تا معطی و
سالب ضروری ست فقط بر عطاء و مسلوب اکتفاء نباید کرد واللہ
اعلم بحقیقۃ الحال این است مابہ الافتراق اگر فہم داری ورنہ زلات
لفظیہ کہ اُزین حیران درین منزلة الاقدام بوقوع آمدہ باشد در اثناء
راہ از پاافگندہ تا بہ مقصود اصلی رسیدن نخواہد داد چون اُزین
خرخشہا جان بہ سلامت بردیم و گوہر مقصود ہکف آوردیم وقت
آنست کہ این جام جہاں نما توجیہ ”ہی خمس و خمسون“ بطور
یکہ نہ پیالہ بشکند ونہ بادہ ریزد“ پیش نظرت کشیم در تقریر
گذشتہ بذہنت نشستہ باشد کہ علل مقتضیہ پنجاہ رکعہ خواہ از
شیون مالک باشد یا از شیون جمیل زمانہ ہمہ را پیش دست ست
کار ہمہ اُزین زہ می رود نظر برین مطابقت زمانی لازم آمد و مقابله

زمانی ضرور افتاد آن طرف اگر مالک و جمیل باعتبار تعدد شیون و تجدد افعال به پیرایه پنجاه علل مستقلة سر می برآرد این طرف نیز خدمتی که مقابل آن دو اسم پاک نهاده اند به پنجاه عدد محدود باشد مگر دانی که تعدد شیون و تجدد افعال اسماء حسنی اگر بظهور می آید بواسطه زمانه بظهور می آید چنانچه از مراعات ساعات که بگذشت بشناخته باشی و بدین وجه به یقین می پیوندد که این تعدد و آنهم تا پنجاه در حقیقه از اوصاف زمانه است نه اوصاف اسماء حسنی درین بحث از اسماء حسنی فقط دو اسم مالک و جمیل بکار آمده و دانی که تعداد آن باعتبار ذات چه قدر است و اگر ازین مرتبه هم نظر بالا کنیم مالک و جمیل در اسم حمید مجتمع می شوند و آنجا این تعددهم بوحده می انجامد بالجمله این تعداد اگر بهم رسیده از زمانه بهم رسیده و سرمایه این مقدار اگر هست همین تعدد و تجدد ساعات و انصاف آنهاست چنانچه از عنوان این تحریر هویدا است اندرین صورت اگر اختصار پنجاه به پنج کرده باشند چنانچه فرموده اند " هی خمس و خمسون " اختصار پنجاه وقت به پنج وقت فرموده باشند نه آنکه پنجاه رکعة را پنج رسانیده باشند تا عاقلی در حیرت افتد که این جا پنجاه رکعة بیازده رکعة آورده اند نه آنکه پنجاه رکعة را به پنج رکعت سپرده اند و شرح معماء ثانی این است چنانکه تکرر اطراف نسبت واحده موجب تکرر احکام نسبت می شود چنانچه گزشت هم چنین وحدت اطراف نسبتین بانسب اگر از یک جنس باشند موجب اتحاد احکام و وحده آثار نسب میگردد ندانم دانی که اگر در

نمازی دو سهو یا زیاده کند سجدة السهو از قدر خود نیفزاید در یک رمضان اگر دو فعل موجب کفاره کرده کفاره بجا آوردن خواهد یک کفاره کافیست دو سرقه موجب قطع کرده اگر گرفتار آید یک دست او باید برید علی هذا القیاس وجه این ادغام و اندماج بجز این چیست که منسوب واحد است اگرچه نسب متعدد گردیده انداعنی فاعل همون یک است اگرچه افعال کثیره بر روئے کار آورده و عتی همه غلام از اعتاق احد الشریکین نیز بهمین طرف رودارد تفصیل این اجمال اگر هوس داری بشنو که هر فعل را از مرتبة قوة که در فاعل باشد ناگزیرست این نمی توان شد که بی اعانت مرتبة بالقوة مرتبه بالفعل بفعلیه آید بهر این دعوی چه حاجت که دلیلی برنگاریم که پیش اهل علم به مرتبة بدیهیات رسیده بلکه نزد اهل عقل خود از بدیهیات است پس هر فعلیکه از یک جنس باشد یا گونی منشاء آن این مرتبه بالقوة باشد فاعل آن همین یک قوة است و بس گودربادی الرائی مرد صاحب قوة را نیز فاعل نام نهند یا بطور تعبیر عنوانی صفت دیگر را از صفات صاحب قوة در بیان آورده نسبة فاعلیه کنند مثلاً گویند کتب القائم اوفهم القاعد و امثال ذلک بظاهر نظر درین امثله نسبة فاعلیه این افعال بصفاتی کرده اند که در تحقق این افعال هیچ مدخلی ندارند آنچه در تحقق این افعال دخیل است قوتی و ملکه دگر است و فاعل در حقیقه همان ست نه این اوصاف عنوانی ها اگر افعال از یک جنس نباشند باز نتوان گفت که این همه فروع از یک اصل برآمده اند چنانکه هر فعل را ضرور است که از قوتی برآمده باشد که اعتماد

آن بر آن باشد و قیام آن بدان هم چنین ضرور است که اگر الفاعل یک فاعل از یک جنس نباشند ملکات و قواء آن نیز مختلف الاجناس باشند یک ملکه و یک قوه مخرج الفاعل مختلفة الاجناس نتواند شد ورنه لازم آید که وحدة ملکات اعتباری باشد که در زیر پرده آن اعتبار مصادیق متنوعه سر نهفته باشند چه بدیهی است که خروج حرکتی ست از جانبی بجانبی پس اگر افعال مختلفة از یک ملکه خارج باشند لازم آید که متحرکات مختلفة از یک مبدء که همان ملکه است برآمده اند اول در آن جابوده اند و پس از آن روبه بیرون نموده اند اکنون بگو که آن وحدة کجاست و آن وحده گو اگر این سخن را بوجه ابلهی ابلهانه با ابله قریب دانسته و بدلت منجلد که اطلاق خروج درین مقام تجوز است نه تحقیق تا برین بنا اول وجود خارج در مخرج لازم آید چه افعال را نتوان گفت که اول در ملکه و قوه موجود بودند و جود آن همین فعلیه است که معبر به مرتبه بالفعل می شود جوابش این ست که مراد ما از مرتبه ملکه و قوه وجود صفتی است بجانب موصوف بالذات و از مرتبه فعلیه تعدی و عروض آن بر معروض که موصوف بالعرض است و میدانی که هر معروض را که موصوف بالعرض باشد موصوفی باید بالذات و حرکتی باید که به وسیله آن صفت موصوف بالذات باورسد و حرکات از هر قسم که باشند هر چند ماهیت واحده دارند اما اختلاف اجناس آن در محاورات اهل علم همین اختلاف متحرکات آنها ست له بینی حرکت را بکم و کیف نسبة داده انواع جداگانه قرار میدهند می گویند حرکت کمی و حرکت کیفی و غیره ذالک

اکنون بشنو که اگر ملکات متعدده در شخصی فراهم آیند و مصدر افعال مختلفه شوند بظاهر اگرچه فاعل واحد است و منسوب الیه شخص معین اما درحقیقه نه فاعل واحد است نه منسوب الیه مشخص منسوب الیه و فاعل هر یک از افعال جداگانه ملکه ایست جدا و قوتی ست ممتاز و بدین سبب یقین میدانیم که نسب بهمه وجوه از یک دیگر ممتاز اند پس شاید که آثار یک دیگر مدغم و مندمج شده رنگ وحده بگیرند مثلاً شخصی هم زنا کرد و هم چیزی بلرزدی برد احکام این دو فعل که جداگانه هستند هم مندمج نخواهند شد لهذا ضرور است که هم بتازیانه ها پشت او بیفشارند و هم پنجه او را از رسغ او برآرنه اینکه بیکی ازین دو قناعت کنند و بگزارند وجهش همین است که منسوب الیه متعدد است نه وحده قوه زنا قوتی ست جدا و ملکه سرقه ملکه ایست علاحده بهر دو جا چیز واحد نیست که موجب وحده احکام شود مگر در افعال متحده الجنس نیز اگرچه ملکه واحد باشد وقت صدور فعل ملکه را به نسبة منسوب خود محلی و مقامی باشد که بهر عروض آثار نسبة نظر بر آن محل و مقام ضروریست علی الاطلاق کیف ما اتفق قطع نظر از آن محل و مقام آن آثار را باوراجع شناسند مثلاً سنگی برفرشی زیر سائبانی اگر نهاده باشد آن سنگ را بهر عروض فوقیه به نسبة زمین و برائے عروض تحتیه به نسبة سائبان ضرور است که در همان حیز و مکان بما لدکه بود اگر بالفرض از آن جاکشیده بیرون برند نه آن فوقیه بدست مالدوله آن تحتیه بجائی خود وجهش بجز این چیست که آن محل و آن مکان از دست رفت

اکنون بشناس که در اعتاق بطور مذکور همین علة است که غلام را به نسبة مالکان خود مقامی و محلی می باشد که تابق آن دران مقام همه را نسبة مالکية باو درست می ماند و خروج آن ازان مقام به تحریک مالکان وابسته ماند لیکن هویدا است که زوال نسبت یکی از مالکان به تحریک آن ازان مقام متصور نیست و تحرک آن ازان مقام نسبت همه مالکان را برهم میزند و ازیں جادانسته باشی که در ملک هم تجزی نیست چنانکه سنگ مذکور همه تن معروض فوقیه و همه تن معروض تحتیه می شود این نیست که چیزی فوق است و چیزی تحت همین سان غلام نیز همه تن معروض مالکية همه مالکان می شود آری در استخدام که زمانیت "دفعاً للخرج بتهائی و تناوب" اشاره فرموده اندو آن که حصص کم و بیش می باشند یادو حصه دار برابر یک سهم می بودند آن را از قسم تعدد منسوبات در یک جانب و اتحاد منسوب بیک جانب پندار نه آن که در اصل نسبت ملک تجزی ست باقی کمی بیشی وقت استخدام مبنی بر همین تعدد منسوبات و وحلة منسوب است نه بر کمی بیشی اصل نسبة ملک زیاده ازیں قلم سائی مناسب مقام نیست که سخن به جایی هوده سریت لهذا بر سر مطلب می رسم برادر من اگر شخصی بتقاضاء نفس کافر کیش مثلاً مبتلاء زناشد بتازیانه ها پشت خود را خون کنانید از محلی و مقامی که داشت هالی خود برداشت و نسبت غیظ و غضب خدا وندی مثلاً یا خلیفه وقت را برهم زد چون باز باشاره شیطان زپیرتا سر به نفس بیدین دران مقام آمد باز همان نسبت بدست آورد و مستحق تازیانه ها شد که هم سزائی اوست و هم بیک وجه نعماء او که از مورد غضب برون می

کشد اکنون به یقین دانسته باشی که نماز صبح اگر تعمیر دو جانب می کند چه شد که منسوب الیه این دو نسبت همین یک نماز است اثر این دو نسبت که از هر دو جانب ثواب بست و پنج بود درین جا رسیده پنجاه نخواهد شد بلکه همان بست و پنج خواهد ماند این وقتی ست که این نماز را این طرف به نماز عشاء و آن طرف به نماز ظهر پیوندند و هر دورا بهم کرده کار تعمیر ما بین بگیرند و اگر آثار عشاء از حد او که نصف شب است چنان که درین رساله موجه شد بر خلاف اشاره نبوی صلی الله علیه وسلم چنان که دانستی این طرف متجاوز نه دانی و برکات ظهر را از حد او که نصف روز است این طرف نه پنداری بازهم نظر بقوة تعمیر و تنویر اوقات که در نمازها نهاده اند همان ثواب بست و پنج ارزانی داشتن ضرور است اعنی چنانکه قیمت زر و نقره بر جوهر ذات اوست نه بر آنکه بر معیار رسیده خطی روشن می کشد آری جوهر ذاتیش بدین فعل ظاهر می شود و موجب رفع تردد که در عطاء قیمت بود می شود همچنان در همه موصوفات نظر بر ملکات آنهاست نه بر افعال آن افعال فقط مظهر آن ملکات می باشند ، چنانچه جناب باری بجمیلة "لیلو کم ایکم احسن عملا" همین طرف اشاره فرموده اند زیرا که امتحان مظهر کمال اهل کمال می باشد نه موجد کمال بدین سبب نماز صبح هم قابل این قدر ثواب باشد چه اگر نمازی بجانب دیگر ازین نصف که صبح درالست به مقابل بودی هر آینه تنویر آن نصف بطوریکه از ظهر و عصر و مغرب و عشاء بظهور آمده بظهور آمدی . والله اعلم و علمه الم و احکم فقط .

تمام شد

تقریظ

ریختہ قلم برکت توام خاتم المفسرین قدوة المحدثین
 مخدوم العلماء مطاع الفضلاء مولانا شیخ محمد تھانوی
 قدس اللہ اسرارہ وافاض علینا من سمائہ
 بعد الحمد والصلوة می گوید احقر العباد شیخ محمد تھانوی
 عفی اللہ عنہ جرائمہ چون تحریر مستنیر ریختہ قلم صواب رقم
 فاضل بیے نظیر عالم عزیز مقبول صغیر و کبیر اعنی بہ حبی فی اللہ
 نخبۃ الاکارم مولوی محمد قاسم نانوتوی صانہ اللہ و ایانا عن شر کل
 مخترع و غوی مسمی " بہ مصابیح التراویح " از اول تا آخر حرف
 تا حرف ازیں طرف تابآن طرف از نظرم درگذشت دلم برآن نمی
 شد کہ از انطرف نظر برآرم و بنظر دیگری گزارم فاما بہ نظر
 اشتراک نظر اهل نظر ناچار بدیگران ہمیں سپارم یافتم اور امصباح
 الہدیٰ سیما مرآن کسانکیہ می روند علی العمیا و راحت جان و
 لدت روح و روان طالبان استنان بہ سنت حضرت جان پیغمبران
 علیہ و علیہم الفضل صلوات الرحمان پس در رشافت صنیع و
 لطافت بدیع طلاقت فصیح و حضانت منیع و متانت جلیح و فطانت
 رفیع و استمساک با آیات بیّنات و استعصام با حدیث حضرت خیر
 الانام علیہ وآلہ و صحبہ خیر الصلوٰۃ والسلام و تشبث بآثار پُر انوار

و پراسرار حضرت صحابہ کرام علیہم رضوان اللہ ذی الجلال
والاکرام و تذیل بہ کمال تثبٹ و تبیین و تیقظ و تفقہ و تدین بذیول
أصول و ارکان و استخراج فروع بغایت فتوح معانی از مبانی بلا
رعايت این و آن از ابناء زمان بے عدیل ست مرغوبت مع طولہ
محبوب بفروغہ مع اصولہ خصوص شکر فکاری اثبات بست
رکعات بہ پیرایہ تقاریر گوناگون و تصاویر بوقلمون مستغنی البیان
است شکر اللہ سعی مرتبہ و غفر اللہ ذنب مقررہ آمین ثم آمین۔ فصلی
اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و آلہ و صحبہ اجمعین۔

قطعة تاریخ: من نتائج طبع ذکی و فہیم مولوی عبدالحکیم صاحب حکیم

خبر برید ہمیں مدعی سنت را گمان مبرکہ بخود رائی مدعا یا بے
چو دل فریفتہ اجتہاد خود داری ز شاہ راہ شریعت نشان کجا یا بے
طریق زمناخ جو کہ حق ایں ست بسنت عمری راہ مصطفیٰ یا بے

(۹۰ ہجری - ۱۲)

قطعة تاریخ دیگر از مولوی عبدالحکیم صاحب حکیم

خوشا کیکہ بفعل خدائے عزوجل مشرف است بدین محمد عربی
بیاحدیث علیکم بستی بشنو پئی صحابہ گرفتن ہم ست حق طلبی
ہی رویم و مصناخ ہادی ست حکیم ہم اقتدائے صحابہ ہم اقتدائے نبی ﷺ

کتبہ: سید علی احمد کاتب

(قصبہ دیوبند... سہارن پور)

إِنَّمَا أَنَا قَارِئٌ بِحَمْدِ اللَّهِ ۚ يُعْطَى

مصاحح التراويح

از افادات لطیفه

سیدنا الامام الکبیر، حجتہ الاسلام، حضرت مولانا
محمد قاسم النانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

بانی دارالعلوم دیوبند

در اثبات پشت رکعات تراویح بر لائل عقلیہ و قلبیہ و مشتمل بر اربع
علمیہ و نکات فقہیہ

نشر

ادارہ نشر و اشاعت دارالعلوم

پنجاب روڈ، ایک مہار، دیوبند (پوچی) (۱۰۰۰)

فہرست مضامین

بیان مختصر بودی قصہ در سفر ذوالحجہ - ۳۱	سنن نبوی پر چند قسم اند - - - - - ۳۱
استدلال لطیف بر بست رکعات تراویح - ۳۲	لیل بودن سنت خلفاء از ما نزل - - - ۳۱
جواب شبہ وجوب صوم وصال - - - ۳۳	اطلاق عقیدہ تقدیر مطلق بدعت است - ۳۱
لکۃ لطیف بر نیست بست رکعات تراویح - ۳۶	تعداد رکعات تہجد و قیام لیل او سنن مطلق است
بحث عقل بدون حسن و شیخ اشعار - - ۳۸	تقدیر بتعدادے نیست - - - - ۳۱
حسن و شیخ افعال بدو قسم است - ۳۱	ہر زن علم بر بست رکعات اجماع گردید - ۱۵
بیان دو قسم حسن و شیخ افعال ذاتی - ۳۲	فیہم رکعات تراویح بہ اجماع و تواتر صحابہ و تواتر
امردنی جو بہ حرمت ہم بردہ گوئے است - ۳۴	از عمدہ اقسام احادیث است - - - ۳۱
حقیقت عبادت قصد طاعت است - ۳۴	جواب حدیث حضرت عائشہ کہ در ان بہ یازدہ
بیان اینکه بر خدا تعالیٰ چیزے واجبیت ۳۹	رکعت قصر کردہ اند - - - - ۳۱
بیان فرق در عقاب و عقاب - - - ۳۵	توجیہ و تطبیق احادیث تعداد رکعت تہجد - ۱۸
بیان اینکه علم ذریعہ تعبہ است مقصود	نمذلل و تخشع کہ حقیقت تعبہ است در نماز است - ۱۹
بالحالت نیست - - - - - ۵۳	بیان اینکه تکمیل چچا در رکعت ادا آنحضرت صلعم از
بیان اینکه دفع و ہلیت خاص و ادراحوال و	جہت عبودیت کاملہ خدا است - - - ۳۱
کیفیات و خلیت - - - - - ۵۴	بیان فرق در کی و زیادتی ذوالحجہ و سنہ داند - ۳۱
مہرین مادرین عالم معنی است و ہر معنی ماصہوت - ۵۵	وجہ دیگر بر نیست بست رکعات تراویح - ۳۲
واجب از فرض اعتقاد آفریدہ و ملا مساوی است - ۵۶	یازدہ رکعت نمذللہ بودہ کہ ذوالحجہ ہم یازدہ بندہ ۳۲
فرق در فرض واجب باین معنی نیست کہ اول قطعی	بیان فرق قیام لیل و صنان غیر رمضان - ۳۳
الجبوت است و ثانی قطعی الجبوت - - ۵۷	توجیہ روایت سی بخش و چہل رکعت - ۳۳
امردنیہ ہم مثل دیگر مایات مرکبہ خفیہ	وجہ دیگر بر نیست بست رکعات تراویح - - ۳۳
فانہ در صورتے - - - - - ۵۹	بیان علت تعجیل مغرب تا آخر عشاء - - ۳۳

ثلثین واجب بدون سورۃ فاتحه در نماز - ۶۳	علت عبادت یا صفت، الکیست است یا
چهارم ششم سر رکعت بدون نماز مغرب	صفت جمال - - - - - ۸۹
وتر النهار - - - - - ۶۴	وجود و کمالات وجود از ادوات ذاتیه
تفسیر مع بر میان سابق و ثبوت بست	حق تعالی اند - - - - - ۹۰
رکعت تراویح - - - - - ۶۵	صفات ذاتیه با هم حجاب یک دیگر نیستند ۹۱
تفسیر بیست سنت مؤکد - - - ۶۹	رجوع به اصل مقصد اثبات پنجاه نماز - ۹۲
بیان مساوی بودن روزه و تراویح در	بیان و ترداشتن و ترالیل - - - ۹۳
حسن و منفعت - - - - - ۷۰	رجوع به بیان اصل مقصد اثبات پنجاه نماز ۹۴
بیان وقت تراویح - - - - - ۷۱	بیان حکمت باز آمدن بیازده رکعت - ۹۵
بیان عدد تراویح - - - - - ۷۲	بیان صفات سبب ذاتیه حیوة و علم و غیره ۹۶
وضاحت بیست رکعات تراویح - - ۷۳	اثبات یازده رکعات بقاعده الحسنة عشر الملمات
جواب شبه کرکست رکعات سنت عمر است ما	تحقیق اینقدر باره فرق اعتبار رکعات - ۱۰۱
مأمله باقتداء سنت خلفاء هستیم - ۷۵	بیان مراد می خمس و خمسون وقت است
بیان تقسیم کار ما بین محدث و اصولی و فقیه ۷۷	یار رکعات - - - - - ۱۰۲
توثیق روایت بیست رکعت از روایات	هر فعل را از مرتبه قوه ناگزیر است - ۱۰۵
ابن ابی شیبہ - - - - - ۷۸	هر موصوف بالعرض را موصوف بالذات
وجه دیگر بر بیست رکعات تراویح - ۷۹	لازم است - - - - - ۱۰۶
جواب اشکال روایت ثم او تر بواحدة - ۸۲	به پای شصت رسید که ثواب نماز صبح
جواب روایت خواندن امام اعظم ۸۷	هم سنگ ثواب نماز دارد دیگر باشد ۱۰۷
در شب هزار رکعت - - - - - ۸۸	تفسیر نظر از حضرت مولانا شیخ محمد باجب
اثبات پنجاه در شب معراج - - ۸۹	مقایز رحمة الله علیه - - - ۱۰۹
	قطعه تاریخ از مولانا عبدالحکیم صاحب حکیم ملاح

دست‌مأمور

پیش لفظ

از صاحبزادہ محترم مولانا محمد سالم قاسمی استاد دارالعلوم خلیفہ شہید حضرت مولانا
محمد طیب صاحب ہتم دارالعلوم دیوبند

حجۃ الاسلام سیدنا الامام الکبیر حضرت مولانا محمد قاسم صاحب لانا زوتوی بانی دارالعلوم دیوبند
کی ذات گرامی تیرھویں صدی کی اُن مختصات میں سے تھی کہ جن کے احساناتِ زمیں ملتیں صدیوں سرفہرہ اٹھائیں
اور ملت کی جانب سے سنت پذیری کی جزیرہ جانی حضرت نانوتویؒ کے خلیفہ رشید حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب
مظاہر ہتم دارالعلوم دیوبند نے اپنے ایک سربلندی میں فرمائی ہے: میں سمجھتا ہوں کہ اسی کی نقل پر اکتفا کرنا "قرین
مصلحت" بھی ہو کیونکہ حضرت سیدنا الامام الکبیر کے جن اوصافِ جلیلہ کا ذکر حضرت الخادم ہتم دارالعلوم مظاہر نے
فرمایا ہو وہ حضرت نانوتویؒ کے کمالاتِ علیہ سے استفادہ کامل کی غمازی کر رہے ہیں اور میرا اس سے تمہید اسمی کا اظہار
واعتزاز ایک حقیقت کا اعتراف ہے! اسلئے میں اپنے عیبِ غفرتہ کو کھولنے کے بجائے حضرت الخادم ہتم دارالعلوم مظاہر
کے قاسم العلوم والخیرات کی شان میں مدحیہ اشعار میں سے چند منتخب اشعار نقل کرتا ہوں جن میں ارادتِ عقیدت
کے اس جذبِ لطیف نے الہام رکھ لیا ہے خود بخود شعر کا جامِ لطیف اختیار کر لیا ہے اور زبانِ عربی کی وجہ سے یہ
مدحیہ اشعار سونے پر سہاگہ ہو گئے کہ جس میں لطیف جنایات کی ترجمانی کے لئے بے نہایت ذخیرہ موجود ہے۔

لغسی الفداء لقاسم الخیرات	وہم جیتی افدی لذی البرکات
فیضانہ بالعلم عقر بجارہ	مأواه عند اللہ فی الجنات
عالی ذی الشرف الرفیع ورتبہ	مشہورۃ بالخیر والبرکات
اولی الاہاظم بالہل الا فہل	اعلی الاماجد قاصع البدعات
نص محق وجہہ امی للوسا	ہو ایتحق من الذیات
سلطان اصحاب الحقائق بانسلی	شیخ المشائخ زبدۃ الحسنات
شیخ رشید کامل متفرد	ہاد الی المخلوق بالدعوات
اللہ فضلہ واعلی امرہ	رغما لاهل الکفر والبدعات

حضرت قاسم العلوم کی زندگی و تابندہ باقیات المصالحات میں سے "ایک گلشنِ علم دارالعلوم دیوبند" ہے، بلکہ ۵ ہمیں گلشنِ کنوں کو رشک ہند است {حضرت الہتم مولانا محمد طیب، کہ او "دارالعلوم" دیوبند است}

اور دوسرے حضرت والاکو وہ تصانیف ہیں کہ جن کو علم و حکمت کے پوشیدہ خزانوں میں سے کوئی دانا راز ہی نکال کر لا سکتا ہے، اذلت فضل اللہ و مقبہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم ۵

احقر راقم الحروف نے حضرت المرحوم مولانا محمد طیب صاحب مظلہ ہستم دارالعلوم دیوبند کی زبان سے حضرت قاسم العلوم کی تصانیف کے بارے میں شیخ الہند مولانا محمد الحسنؒ کا مقولہ سنا کہ:-

حضرت استاذ رحمۃ اللہ (مولانا محمد قاسم نانوتویؒ) فرمایا کرتے تھے کہ امت میں چار علماء ایسے گزرتے ہیں کہ جن کی تصانیف کے ساتھ عزت و کھنے سے آدمی اگر غبی بھی ہو تو ذہین ہو جاتا ہے، ایک امام غزالیؒ، دوسرے شیخ محمد بن ایدین ابن عربیؒ، تیسرے حضرت مجدد الف ثانیؒ اور چوتھے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ، یہ متوالہ نقل فرما کر شیخ الہند نے فرمایا کہ پانچویں کا اضافہ میں کرتا ہوں اور وہ ہیں اُستاد رحمۃ اللہ علیہ (یعنی حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ) یہ مقولہ "ایک آئینہ ہے جس میں حضرت نانوتویؒ کے علوم و تصانیف کی آب و تاب کا ایک سرسری اندازہ ہر سلیم العقل اور غیر معاند کر سکتا ہے۔

پیش نظر کتاب "مصابح التراجع" فارسی زبان میں حضرت قاسم العلومؒ کی ان تصانیف میں سے ہے کہ جس کا ثبوت اللہ تعالیٰ نے مولے سے خیر تک تصنیفی نقطہ نظری سے لکھا ہے، یوں تو حضرتؒ کی تصانیف میں سے کوئی تصنیف بھی اپنے اپنے لحاظ سے شہرت تکمیل نہیں کہی جاسکتی لیکن "مصابح التراجع" کی ترتیب انداز نگارش اس کا پتہ دیتی ہے کہ موضوع کے ہر پوشیدہ سے پوشیدہ پہلو کو پیش نظر رکھ کر کتاب کی جامعیت اور ہر اعتراض کا عقل و نقل سے بھرپور جواب دہیا فرما کر کتاب کی انیت کو مستحکم کیا گیا ہے۔ فقہاء اور محدثین کے یہاں تراویح کی رکعات کا عدد ہی مختلف فیہ نہیں ہے، بلکہ تراویح کی سنیت و استحباب، تالکد عدم تالکد ملت و استحباب کے معنی کا اختلاف، رکعات کے بین یا آٹھ ہونے کا اختلاف، اور پھر خود دایا کے فیما بین اختلاف نے اس مسئلے کو ایک اہم ترین مسئلہ بنا دیا ہے۔

اس مسئلہ میں یہ اختلاف کوئی نیا اختلاف نہیں ہے البتہ بعد میں بعض ایسے معتقدانیت پسند بزرگوں نے جن کو عوام میں تعارف حاصل تھا لیکن خود عبادات کے معاملہ میں محاسن تھے اپنی عملی کوتاہیوں کو دھڑکرنے کی بجائے ان مسائل کی اہمیت کو عوام کے ذہنوں سے بھال دینے کے چلے اختیار کئے کہ جن کے ہم پہنے کی صورت میں ان کی معتقدانیت مجروح ہوتی تھی۔

مرتبہ کے بعد دوسری مرتبہ اب ہی اس کی طباعت کی نوبت آرہی ہے 'اس جدید اشاعت میں فہرست اور بنیادی عنوانات کا بھی اضافہ کر دیا گیا ہے۔
اس اُمید انظار صورت حال کو دیکھتے ہوئے توقع کی جاسکتی ہے کہ اب ان مشاہدہ
حضرت ہستم صاحب مظلہ العالی کی زیر ہدایت "ادارۃ نشر و اشاعت دارالعلوم
دیوبند" اکابر کے دیگر نایاب ذخروں کا بھی احیاء کرے گا۔

وَنَسْتَعِیْذُ بِاللّٰهِ اِنْ یَنْفَعُنَا بَعْدَ وَکُلِّ مَنْ وَتَفَّ عَلَیْهِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ اَوَّلًا وَاٰخِرًا

احقر

محمد سالم قاسمی اُستاد دارالعلوم دیوبند

۴ رُشوال المکرم ۱۳۵۵ھ بمطابق

مطابق

۱۵ مئی ۱۹۵۶ء ۶ یوم سہ شنبہ

ادارۃ تاج المعارف

دیوبند



چنانچہ سلف کے علمی اختلافات کو جہارت کے ساتھ غلط طریقہ سے استعمال کر کے ”تراویح“ کو اپنا حدیث بنایا، اور مذکور الصدر عنوانات پر ہمہ قسم تعبیرات کے ذریعہ عوام کو اور زیادہ غلبان میں مبتلا کر دیا، جیسا کہ مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تالیف فایزۃ النبیخ فی مسئلۃ التراویح میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

تسکین نفجوائے حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :-

قسم الرجل الفقیہ فی الدین ان اُحتیج ”اچھا آدمی وہ ہے جو دین میں فقیہ ہے اگر کوئی ضرورت الیہ نفع، وان استغنی عنہ اغنی“ اس کے پاس لائی جلتے نور، فائدہ پہنچا دے اور اگر اس سے بے پردائی برتی جائے تو وہ اپنے آپ کو الگ ٹھکانے

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ کار یہ تھا کہ لوگوں کے اختلافات میں خود دخل نہیں دیتے تھے لیکن جب ان کی طرف رجوع کیا جاتا تو مسئلہ کے مالہ و ما علیہ کی ایضاح و تشریح میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں فرماتے تھے اور اسے مقول سے مقول کر کے دکھلا دیتے تھے۔

یہی صورت مسئلہ تراویح میں بھی پیش آئی۔ مُلک میں جب اس مسئلہ نے بڑی اہمیت اختیار کر لی مسخرعات کی آماجگاہ بن گیا، اور براہِ راست اُن سے اس بابے میں استخراج و استفسار کیا گیا تو جواباً آپ نے یہ کتاب بصیرت خط تصنیف فرما کر ارسال فرمائی، جو مسئلہ کے تمام گوشوں پر بھی حادی ہے اور مقول کو مقول بنا کر پیش کر دینے کا وہی کمال ہی اس تصنیف میں حد کمال کو پہنچا ہوا نظر آتا ہے۔

ساتھ ہی ضمنی اور ذیلی طور پر استدلالی رنگ میں بہت سے اہم مسائل بھی کتاب میں آ گئے ہیں۔ جیسے :- تذلل و تخشع کا حقیقت عبارت ہونا، تعجیل فی المغرب اور تاخیر فی الشارک کی حکمت اشیاء کے حسن و شبح کا عقلی ہونا، حق تعالیٰ پر کسی چیز کا واجب نہ ہونا، علم کا وسیلہ عبادت ہونا، اُمور دینیہ کا عام بخوبی اشیاء کی طرح صورت و حقیقت سے مرکب ہونا۔ وغیرہ وغیرہ۔

مسائل پر عقلی اور اصولی کلام نے کتاب کو دِل چپ اور مفید تر بنا دیا ہے۔ حق تعالیٰ حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کو اس صفت جاریہ پر ماجد و مثاب فرمائے، اور ہمیں ان طویل القدر علوم سے استفادہ و عمل کے لئے موفّق فرمائے۔ آمین!

”مصابیح التراویح“ ایک طویل عرصہ سے ناباب ہو چکی تھی، شاید ایک

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله رب العالمين الرحمن الرحيم مالك يوم الدين والصلوة والسلام على سيد المرسلين وخاتم النبيين وآله الطاهرين واصحابهم الكاملين كلهم اجمعين ثم پس از شایسته و درود مصطفی صلی الله علیه وسلم بنده میچردان بلکه نادان گناه و شرمسار محض و قائل اسم ناز تو می غفر الله له و لوالديه و احسن اليهما و الهی می نگارد که در ۳۸۸ ساله یک هزار و دویست و هشتاد و نه هجری نبوی علیه علی آله افضل صلوة و سلام در او آخر رمضان شریف مجموع کلمات سلاله سادات عزیز من مولوی سید احمد حسن امروہی کہ بار اتم ربط استند و از ندخلی فرستادند کہ مقصود ازاں استفسار از تاکد یا تدب بست رکعة تراویح معمولہ مرویہ اہل سنت و جماعہ بود و باعث ایں استفسار غفلت عدم ثبوت بست بست رکعة است کہ دریں زمانہ از چار طرف برخاستہ تا آنکہ بسیاری از شایقان اتباع سننہ صلی الله علیه وسلم و از دہ رکعة را از بست انداختہ طرح ہشت رکعة سوا و تراویح اختیار فرستہ نوبتہ بایں رسید کہ سخن بابت تراویح بست رکعة کشیدہ بعضی بصراحتہ گفتند و بعضی را از کمون را در پردہ اشارہ و کنایہ نہفتند چون متمسک ایں بزرگان دین بارہ ظاہر حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہ از بخاری بایں الفاظ مرویست قالت ما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یزید فی رماضین ولا فی غیرہ علی احدی عشیۃ رکعتہ الخ و در دیگر کتب احادیث نیز غالباً بہ ہمیں الفاظ باشد ایں طرف کلام امام ہمام ابن ہمام ہم کہ تعلق بحديث مسطورہ دارد ناظر بآن بود کہ مستون از بست ادا یا زودہ رکعة با و تر با جماعہ است و لدا باقی آن بطور مذکور مذدب

غریزہ موصوف کلام امام ہمام ابن ہمام کہ مسطور می شود نوشته از من ہیچوان تحقیق حقیقۃ الامر خواستند و تصدیق یا جواب ارشاد امام موصوف طلب داشتند چون فهم بعض مطالب جواب بر ملاحظہ کلام امام موصوف موقوف بود اول عرض عبارتہ امام لازم آمد امام ہمام می فرمایند، و ما رواہ ابن ابی شیبہ و الطبرانی و البیہقی من حدیث ابن عباس ؓ انہ علیہ السلام کان یصلی فی رمضان عشرين رکعة سوى الوتر فضعیف مع مخالفة صحيح صحيح نعم ثبت العشرون من زمن عمر رضي الله عنه في الموطأ عن يزيد بن رومان قال كان الناس يقومون في زمن عمر ثلثين الخطاب ثلث وعشرين ركعة وفي الموطأ رواية باحدى عشرة وجميع بينهما بانه وقع اولاً ثم استقر الامر على العشرين فانه المتواتر فيحصل من هذا كله ان قيام رمضان سنة احدى عشرة ركعة بالوتر في الجماعة فعليه السلام وتركه بعد رواقا دانه نولاً خشية ذلك لو اظمت بكم ولا شك في تحقيق الامر من ذلك بوفاة صلي الله عليه وسلم فيكون سنة وكونها عشرين سنة الخلفاء الراشدين وقوله صلي الله عليه وسلم عليكم بنسب سنة الخلفاء الراشدين إلى سنتهم انتهى

پس ازین عرض می کنم کہ حسب جمائی فهم ندائی خود در همان ایام در عشرہ اخیرہ در قے چند درین بارہ نوشته پیش عزیز مذکور فرستادم و پس بدان رفیق چند گیران افزوده تا شصت مصابیح التراويح بنہام پس ہرچہ در نظر نقاد کامل عیار آید از عالم بالاست ورنہ از من پرخطا رہ لمؤلفہ

خط دارم و از خطا کا زیم	چہ دوست کا فتہ فلک بر سرم
چو بخت سیاہم سیہ جان دہل	ز بار گناہم تنم پا بگل
تو گوئی کہ ظلمت ز شبہائے تار	پریشانی از گردش روزگار
گرفتند جان و دلم ساخلند	بخاکم سرشتند و انداختند
کہ نادانی از دست بخت زبون	بسرشت خاکست بہر شگون
غم این ذآن ست بالائی آن	بجان یک جہانست من نیم جان
باین تیرہ بختی و شوریدگی	کہ عالم سیاہ است و پہلوئی

دلہ بانگھاتے گر آویختہ ہمانیکہ از سوتے حق ریختہ
مگر نیست این نور افلاک من نہ این تازہ گلہاست از خاک من
ز خاک کف پائی استاد و پیر وزان سائے رشک مہر منیر

کہ مانع زمانے بدست و سرم
چشم رسد نور و گل در برم
مکتوب مذکور کہ بہ جواب نامہ عزیز موصوف مسطور شد این است
بسم اللہ الرحمن الرحیم

از کمترین انا م محمد قاسم عفا اللہ عنہ بہ عزیز از جان مولوی سید احمد حسن زادہ الصمد علی
علی علیہم وفضلہ علی الفضل و بسطہ فیہما من لدنہ شعر ۵

سلام بخوان و سلام رسان + بہر کس کہ پُرسد از میں نیم جان
خود سلام بپذیرند و بوالدہ ماجد و عثم بزرگوار و برادر و دیگران کہ سلام شان نوشتہ اند
سلام برسانند و بشنوند کہ خطوط دیگر احباب می آمد و سرایہ کامرانی می شد مگر مکتوب
آن عزیز نمی آمد و نگرا اینہا یم می فرسود اکنون پس اندیر قریبہ آن عزیز رسید و ذریعہ شادمانیہا
شد ہر چند کہ این مکتوب بشہادۃ مضامینش سلام روستائی ست مگر تا ہم قنیت است
باطلاع اظہار حق او شان شادمانیہا بدان جا نم ریختہ الحمد للہ کہ اصحاب احباب این نابکار
کارہا می کنند و اظہار حق و اقامتہ حدود خداوندی و احیاء سنۃ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم می فرمایند گو
میں نابکار مرد این کار نباشم اکنون جواب تفسرات آن عزیز می نگارم مگر اول بشنوند کہ در امور
متفق علیہا یا ہر چہ قریب آن باشد ما جاہلان را بہر تسلیم آن اثبات آن بدلائل ضرورت است
چہ اتفاق اکابر و تسلیم او شان یا جم غفیر ازو شان نیز دلیل است کہ بجانب قولش بہر فاصلہ
اہل الذکران کہ تم لا تغفلون - اشارہ فرمودہ اند آری رد شبہات مخالفان می باید و درین
ضمن اگر اثبات مدعا ہم دست دہد فہو المراد دین جواب ہم ہمین طرز اختیار اقاداعی مقصود

بالذات ازین تحسیر رد قول کسانیست که در بعضی ابطال سنته بودن تراویح معموله هستند بان اگر
 ناظر فهمیده است انشاء الله دلائل سنیه و تا که آن نیز درین اوراق خواهد یافت و رنه ازین چه کم که
 قول مبطلان را باطل خواهد انگاشت بالجمله این مقدمه یاد دارند و بشنوند که باستقرا و تجسس
 اقوال و افعال نبوی صلی الله علیه و سلم سنن را بر چند اقسام می بینیم یکی آنکه ماهیت و شخصتش
 هر دو ملحوظ نظر حق و مدعوا الیه باشند مثلش اگر بکارست همین صوم و صلوٰة است که تعبیر امساک
 مطلق که حقیقه و ماهیة صوم و صلوٰة است بمظاهر گوناگون ظهورش می توان شدند تنها مد نظر
 خداوند است بلکه کیفیات خاصه و مشخصات معلومه اعنی این ماهیة کدائی نیز مطلوب مدعوا الیه است
 دیگر آنکه خصوصیات خاصه مطلوب باشند اما چون مبادی آن هر کس را میسر نیایند علی العموم
 مطلوب نباشند آری هرگز آن مبادی فراهم آیند ادائی آن خصوصیات بر ذمه او باشد خصوصیات
 نبوی و صلی الله علیه و سلم که از قسم مایورات باشند از همین قسم باید شناخت و اختلاف اعمیه
 استقلال و افکار و کوع و سجده که از حضرت نبی الله صلی الله علیه و سلم علی اختلاف الاوقات ثابت
 است بزعم احرار همین قسم است چون این اختلاف بر تکثر شیون خداوند است که آیه کل
 يوم هو فی شان لزمان حاکی است و اطلاق شیون خاصه بر حضرت صلی الله علیه و سلم که عمل
 حاضر باشان حضرت خداوند و الجلال بودند درین امره کسی را میسر نیست باین قسم تعظیفات مناسبه
 اوقات حسب اقتضایات شیون متعاقبلاذ دیگران است و فائز شده که ازین قسم قرب
 بے حجابانه کذبیه اطلاق شیون متواذیه توان شد محروم اند بلکه بر تعظیفات مناسبه شان مطلق
 که در جمله شیون خاصه ساری باشد التفارقت فائز همین است که انما اجتهد حسب افهام خود
 بر یک یک دو ذکر و عادی درین مواقع معلوم مقتضای فرمودند و تعدد رکعات صلوٰة کسوف نیز اگر
 بحمل تعدد وقائع تسلیم کرده شود بخلاف تعارض روایات موثقه این باب که در صلوٰة التحل و اقع
 ضروری است انکار نکنند معمول بر همین اختلاف شیون است بزعم این مسجدها و الله
 اعلم بالصواب - سوم آنکه کیفیات خاصه و مشخصات ماهیة ملحوظ نظر شایع نباشند و الیه

بنویسد اما چون از برای اصل مطلوب است ازان ناگزیرست این قسم امور حسب ضرورت فائده
وقت مختلف می توان شد چه هر چه اصل نیست بقدر ضرورت ضروری می شود و این قسم را با اعتبار
ثبوت اگر مقتضای نفس خوانند زیرا است بر علم این هیچمان اختلاف اعداد مجاهدین قالات
حرب سامان جهاد و اختلاف جهات و اوقات در غزوات نبوی صلی الله علیه و سلم از همین
قسم است و الله اعلم بحقیقه الحال قسم چهارم آنکه از حضرت صلی الله علیه و سلم حسب اقتضای
عاده سرزد باشد یا باعث بر آن فقط طبع بشری بود غرض از تعبد هر گونه بر کمان باشد یعنی
نه بذات خود از تعبدات باشد نه بوجه پوشش در بینه آن یا منظر آن معروض آن شده -
اوقات بول و بر از نبوی و اما کن آن و منازل سفر حج و جهاد و غیره با همه همین طرز متعین شده اند
این قسم از تخلیف شرعی بهره ندارد آری اقتضاء این قسم امور هم بوجه مشابهت نبوی صلی الله علیه و سلم
حصه از حسن بجانب خود می کشد و به همین منظر و هم باین لحاظ که امر باین چنین امر بطور دلالت النفس
بر اقسام ثلثه سابقه بالا اولی دلالت میکند و ما موردی گرداند اگر حکما و دین باین قسم خود اهتمام کنند
یا قدری دعوه کنند و مردم را بسوی او خوانند می توان شد اندرین صوره این قسم هم تقسم ثالث
ملحق خواهد شد چون این قدر مقرر شد قلم را بجانب دیگری گردانم خداوند تعالی در اول سوره اعتراف
می فرماید اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم لا تتبعوا من دونه اولیاء -

و رسول الله صلى الله عليه وسلم می فرمایند من بعد منی حدث فی امرنا هذا ما لیس منه فیه مره
او كما قال - قرآن شریف اتباع را در ما انزل حصرمی فرماید و حدیث شریف محدثات غیر
نبی را صلی الله علیه وسلم هر که باشد رد می فرماید ان درین صورت بر ضرر است که سنت خلفای اشیا
از جمله ما انزل باشد و ما خود از معدن نبوة بود صلی الله علیه وسلم چه سنت خلفای را شدین اگر چه
از ما انزل و امرنا نبود بعد فرمودن آنحضرت صلی الله علیه وسلم علیکم بسنتی و سنت الخلفاء
الراشدين من بعدی - بواسطی این ارشاد هدایت بنمایان شود ما انزل گردید و از جمله امرنا شد
گویم هر که مذاق سخن داشته باشد و دیده انصاف صاف دارد مثل آفتاب روشن می بیند

که مصداق ما انزل و مطابق حکم امرنا هذا امری است محقق که از کار سازی آن فراغت یافته اند تا آنکه تعبیر از آن بصیغه ماضی و اشاره بهذا توان کرد چیزی منتظر التحقیق نیست علان برین دخول خلقائی را شدین در خطاب اتبعوا الذی و ارشاد من احدث خود دلیل کامل است بر اینکه قول و فعل خلفاء را شدین باشد یا قول و فعل کسی دیگر بی استناد ما انزل و اعتماد و جی قابل آن نیست که بسوئی آن التفات کرده شود بلکه لائق آنست که بدانان بگردانند و پشت بدان دهند و اگر سنه خلفاء واجب الاتباع است اعنی از ما انزل باشد یا نباشد و منجمله امر ناپود که نبود اتباعش بهر حال واجب ما را چه زیان که ما خود در پی اثبات سنه خلفاء هستیم نه رد آن ماکون بشنو سابق عرض کرده ام که قسم رابع از تکلیف شارع کناره کناره می رود و این سنه خلفائے راشدین لاجرم مکلف بهاست و رتبه لفظ علیکم را که هر دو سنن راسته نبوی صلی الله علیه و سلم باشد یا سنه خلفاء فرا گرفته بر کدام محل خواهند نشاند لهذا بر ضرورت است که از دو قسم اول یا ثالث باشد یا اگر قسم ثانی قابل تکلیف عام بودی احتمال ثالث هم بود ازین جا هویدا شد که سنه خلفاء معارض سنن نبوی صلی الله علیه و سلم نباشد زیرا که آن سنن همان سنن نبوی است فقط وجهی مختلف و مستانند آن بوجهی تمام ناکردن حضرت رسول صلی الله علیه و سلم باندیشه فرضیه مثلاً در زمان نبوة علی صاحبها الف الف صلوة و سلام و رواج یافتن آن بسی و اهتمام خلفاء بایجاب خلفائے راشدین منسوب گردیده یا در زمان شان امری از امور که در زمان نبوة از ضروریات دین نبوده بسبب تشریف بردن آنحضرت صلی الله علیه و سلم ازین جهان از ضروریات دین گردیده و ازین جهت اوشان باز تکاب آن اقدام فرمودند و دیگران را دعوة عام نمودن مثل جمیع قرآن و شوری و اجماع در وقائع نازل شدیه چون اوشان باری این چنین مبادی شده اند آنرا بنام اوشان زده اند ملخص سخن آنکه بشهادة آیة مرزبوری و حدیث مذکور بعد لحاظ عرض این فقیر هویدا میشود که سنن خلفاء معارض سنن نبوی علی صاحبها الف الف صلوة و سلام نمی توان شد اگر چه خود این جمله علیکم بسنتی و سننته الخلفاء الراشدین من بعدی نیز بی ضم ضمیر مذکور

بر همین امر دلالت دارد چه و او حاکمه ما بین بسنتی و سنته الخلفاء خواستگار اجتماع است در صورت
تعارض اجتماع کجا و جمع کرا خواهند کرد. اکنون بر سر مطلب می رسم و انما صل غرض می سرایم برادر
من در قسم ثالث مطلوب شارع شئی مطلق می بود آری مطلق نیست که قیود دربرود معینات در برابر
ندارد غرض ظهور ما هیات مطلقه بی قیود متصور نیست لاجرم امثال مامورات بهایی استعانة قیود
نخواهد بود و مکلف را در تعبد باین نوع مثل نوع اول از قیود ناگزیر است اما در مقصود و غیر مقصود
فرقی است که بفرق زمین و آسمان تعبیر از ان توان کرد چون درین قسم مثل قسم اول قیود عارضه بذات
خود مقصود نیستند بلکه بضرة استعمال امر مقصود دست بدان شان زده می شود وقت ضرورت بقدر
ضرورت بدان رو آورده خواهد شد و وقت ارتفاح ضرورت یکے ازان و ضرورت دیگری اذین سو بدستور و
خواهند یافت و در تفصیل مطلق شرعی تعیین چیزی لازم خواهد آمد که شارع آنرا مطلق گذاشته و غیر
معین خواسته و هر که بهره از فهم بدان جان آورده و نام خود را بعقل حق دان سپرده خود میداند که تفصیل
مطلق شرعی مثل اطلاق مقید دینی بلا تفاوت بدعت است معلومه و معلوم را از قیود معلومه از شرائط و هفت
و هیات آن خالی کردن و هیات و جهات و اوقات را کندن غزوات نبوی علی صاحبها الف الف صلوة
و سلام از اتفاقات پیش آمده ضمیمه جهاد کردن و مأمور بهای پنداشتن در بدعت بودن هر دو هم سنگ
یک دیگر اند بلکه تفصیل مطلق به نسبت اطلاق مقید بالاولی بدعت است مضمون احداث که مصداق بدعت
است چنانکه در اول یافته می شود در ثانی نیست نمی دانی که احداث وجود مفعول می خواهد نه عدم آنها
از وجود اعتباری آن هم تنالی می گیرد و محکوم علیه وجودیات می شود الغرض تفصیل مطلق لا یرب بدعت است
و اکثر رسوم شادی و موت همه ازین قسم می نمایند و هر که محفل میلاد شریف یا بدعت گفته ازین قسم شمرده باشد
اکنون بخنی که در ته دل دارم بزبان می آرم و نقشی که بر لوح دلم کشیده اند برین صفحه می گزارد مگر
می ترسم که خام عقلی بگر میانم آویزد و جالبی از جهل مرکب بسرو کبی من خیزد و لیکن حق بهر گفتن است
نه نهفتن آنچه می دانم می گویم تعیین اعداد رکعات در قیام لیل و تهجد از همین قسم است حضرت رسول ص
صلی الله علیه و سلم گاهی کم گاهی زیاده خواند و مقید بقیدی ننماید و این از عمده امارات اطلاق است

ورنه مثل قسرا نض و سن رواتب تحید تہجد با نذر رکعات ہم می فرمودند بلکه خود خداوند کریم عظیم جانیکیہ بقیام لیل امر فرموده اگر چیزی تحید فرموده تحید و تخصیص پاره لیل تحید فرموده می فرماید۔
 قم اللیل الا قلیلا نصفه، او النقص منه قلیلا و زید علیہ و رتل القرآن ترتیلا۔ ہر چند
 این تحید بدین تسبیح و اطلاق است مگر تعیین وقت بہر پنج و ہر قدر کہ باشد از تعیین کار و مای
 این تعیین کار کن رافا غ البال می گزارد آیا نشنیده کہ اجیر خاص اعنی نوکر وقت ذمہ کش اتمام
 کاری باشد و مثل اجیر مشترک باز پرس اتمام کار از ان نتوان کرد خیاطی کہ بر تنخواہی تا وقت
 معین بدوزد اگر انگر کہ تا وقت معلوم دوختہ تمام نکند بفتوای شریع زجر و توبیخ و انسداد و در محکمہ
 قضا فریادی از ان نشنود آئے اگر مقداری از زجر با جرحہ انگر کہ گیرد و باز تا مدہ معتد بہا کار مستاجر
 نکند البتہ دست و گریبانش می توان شد۔ الغرض نہ آن احکم الحاکمین در بارہ تحید تہجد با عدد
 رکعات حکمی فرستاده بلکہ اشارہ بہ تعمیم فرمودہ و نہ رسولش سید المرسلین علی السہ علیہ وسلم و علی
 آلہ و صحبہ اجمعین۔ قاعدہ درین باب معین فرمودہ بلکہ گاہے چنین گاہے چنان بطوریکہ پیش آمد
 درین راہ رفتہ اند اگر باوند نذاری کتب اعمادیت را بکشاد بہ بین کہ پنج رکعت و ہفت رکعت و نہ رکعت
 و یازدہ رکعت و سیزدہ رکعت ہمہ روایت کردہ اند و روایت نسائی از ام حبیبہ کہ متضمن این معنی است کہ ہر کہ
 در روز یا شب دو از دہ رکعت نذارد خدائی تعالی برائی افاضہ در جنت بنا کند مشعر تحید بقیام لیل نیست
 می گویم کہ این قدر ثواب بہ ہمین قدر رکعات مقرر بود گویم و بیش ہم ازین عدد داخل قیام لیل
 باشد و نہ روایات مشاہد الیہا را چہ جواب خواہند داد و باین ہمہ اگر تکیا بنگرند لایح می شود کہ این
 دو از دہ چیزی دیگر است و قیام لیل کہ فضا ملش مشہور است چیزی دیگر و محتمل کہ شش رکعت بعد مغرب یا
 چار اول عشاء و دو رکعت دیگر کہ سوائی دو رکعت موکل بعباشاء وارد شدہ بغرض ہمین سعادت معلومہ
 تجویز کردہ باشد شش رکعت اشراق و چاشت چار فی الزوال با دو اول عصر یا دو رکعت بعد ظہر کہ
 سوائی دو رکعت موکل در نسائی وارد شدہ ہمین غرض در روز معین کردہ باشد و اللہ اعلم۔ بالحاصل
 در بارہ تحید اعداد رکعات تہجد با جہاد کہ از اعداد مجاہدین بہر دے مقید نیست از ہیأت و اوقات

یونس یا توارث علی از زمان نبوة علی صاحبها الف الف صلوة و سلام یا زمان خلافت علی اهل بیت منقره
 و رضوان از اقسام حدیث نبوی منکران بست را دهان کشائی و زبان آرائی بجای خود بود آندم به یکی از
 هزار هم رو ترش نمی کردیم لیکن همه می دانند که اقتضائی ضعف نقطه همین قدر است که منطبق حدیث
 قابل اعتبار نباشد آنکه نقیض آن معتبر بود و نه ادراک حق از ضعف به نسبت صحیح اگر سهل تر نبود
 برابر بود و همچنین این هم هویدا است که متواترات زمان نبوة یا خلافت از اقسام حدیث بلکه
 از عمده اقسام آنهاست و نه تکفیر منکر اعداد رکعات قرآن و سخن روایت چه معنی داشت در
 کلام اشعار این معنی حرفی نگفته اند احادیث شعر تعداد رکعات که کتب احادیث آورده اند بحدوث آن
 ترسیده اند و ایمان چنان مختصر در اقرار و تسلیم لا اله الا الله محمد رسول الله است علی السلام
 کفر نیز مختصر در انکار همین دو خواهد بود و ظاهر است که انکار رسالت همین انکار قرآن و حدیث است
 و همچنین انکار الوهیه انکار عبودیه است که انکار احکام نازل متضمن قرآن و حدیث خواهد بود و منکر
 اجماع اگر کافر است آن نیز به همین انکار حدیث و قرآن کافر است چه مبنا، اجماع نیز مثل سنت
 خلفاء بر قرآن یا حدیث است و نه از آئینا تبعوا ما انزل و حدیث من احداث چگونه توان رست
 چنان توارث از عمده اقسام احادیث است ثبوت تراویح نماز ماه حضرت عمر رضی الله عنه بتوارث
 بدست آمد زان بعد باقتضای نص علیکم سنتی و سنته الخلفاء الی آمدن من بعدی به ثبوت
 پیوست اکنون بفرمائید که باستمع رد و قبح ابناء روزگار در باره تراویح دل ما اگر زیر و زبر نشود چنان
 شود افسوس علماء متقدمین سنت و ملت و افراهم آورده و اقامت فرمودند و علماء این زمان چنان
 کار نتوانستند برخاستند و سهل برهم زدند و بنا لا تخرج قلوبنا بعد اذ هدیتنا و هب لنا من لدنک
 رحمة انت انت الودهاب به لم می آید که بخد مت منکران امور این قسم بشنیم و مانی اضمیر خود را
 عرض دارم مگر نه امید انصاف است نه اطمینان از طرف اعتساف هر یک بعلم و عقل خود مغرور
 همین به که زبان در دهان کشیم و بطلب دیگر قلم و کشیم مبادم هر چند از قصه بتعاض حدیث حضرت
 عائشه با احادیث مشربست رکعات سینه پاک شده باشد و آن عزیز دانسته باشند که چنانکه

و از امام سلمه رضی الله عنه در سنائی وارد شده و همچنین احادیث خمس و سبع و تسع که خود از حضرت عائشه و غیره مرویست در سنائی موجود است نیز صحیح اند پس نفوذ یافته منته یا این حدیث حضرت عائشه علیها السلام غلط خواهد بود یا آن احادیث اکنون بجز اقرا صدق و وقوع جمله احادیث چاره نیست مگر چنانکه تصحیح روایت حضرت عائشه علیها السلام بحمل بر عاده غالبه یا اخبار حسب علم خود و تصحیح روایات مشعره ثلثه عشره بحمل بر خواندن گمراهیگاه می کنند همچنین توفیق حدیث حضرت عائشه علیها السلام با آن احادیث که متضمن است رکعت تراویح اند می تواند کرد و ضعف آن بآثار مذکور و اقتضای نص علیکم بسنتی الخ میسر توان ساخت بلکه حاجت انجبار آن هیچ نیست اصل مطلوب از توارث و اقتضای مذکور ثابت شد این احادیث اکنون کارشواهد خواهند کرد و شاهد را چندان حاجه صحت نیست با ضعف هم کاری توان کرد اکنون ثبوتی که مستفاد از توارث و اقتضای مذکور است چنانکه مذکور شده تن تنها از ثبوتات منکره دیگر ثابتات بالاتر است چنانچه رمزی ازین آئینه گوش سامعان کرده ام دو بالا خواهد شد باقی مانده آنکه شیخ ابن همام علیه الرحمة یا نه در استسائی فرموده اند اگر از قسم رابع شمرده اند قول شان بر سر و چشم من مانیز می گوئیم که اصل تعجب از قسم ثالث است تعیین اعداد رکعات از قسم رابع اگر برین قدر اکتفا کنیم پاک نداریم بدست مدعیان سنیت عدد یازده دلیل نمی بینیم که عدد یازده را ازین قسم ترقی داده باقسام ثلثه سابقه رسانند و قول منکر آنرا اگر در اند موی صاحب این تماشاییدنی است منکران بست رکعت یازده را سفته می شمارند و بست را بدست می انگارند بطوریکه مذکور شد قصه منقلب شد تعیین یازده در تعجب سفته نماند و تعیین بست رکعت مستون بر آلاء الحمد لله علی ذلالت و انشاء علم مگر پیشتر عرض کرده ام که تعیین اعداد رکعت در تعجب از قسم ثالث است من بر همان قول اول مستقیم ام و آن طرف می ترسم که باستماع این قول موی بر تن شما خیزد بدین وجه هم یاد کردن آنان حضرت افتاد و توجیه قول ثانی لازم آمد مگر این قصه اصل و تمهید می طلبد آن این است که هر چیز بر اصفی با اعتبار ذات خود می باشد قطع نظر از اغیار و حالتی باعتبار چیز دیگری بود که آنرا وضع آن باید گفت قیام لیل نیز دو وجه دارد چیتی من حیث دهرتی باعتبار انسلک او در مسلک خمسین تفصیل این اجمال چنانکه دانسته این است رسول الله صلی الله علیه و سلم

چنانکه عبد کامل ماکمل افراد بشر و عبودیت اند چنانچه خطاب عبده دادن و بنابر ساله شان بر آن نهادن برین
گواه است و نیز نزد هر مسلم همچنان کمال عبودیت درین است که باصل حکم و تعبدات محضه باول امر و عبادات
خالصه سر نهاده آید که نظر بر ضعف عباد از ان طریقت تخفیف فرموده باشند و اول امر را با مراثی که از اول
اخت با شد منسوخ نموده باشند و بقاء استحباب بعد نسخ فرضیه که شنیده باشی هم ازین که عرض کردم
خبر میدهد و این بقاء استحباب مخصوص بهین قسم می نماید و ظاهر است که نماز تعبد محض است هیچ گونه شائبه
و اطاعت امر دیگر که بذات خود تعبد باشد در آن یافته نمی شود بان اگر صوم یا رکوعه یا گویند که بذات خود از
تعبدات نیستند آری در بعضی سبب تعبد خویش با دیگران می شود ازین وجه آنها را تعبد ماضی گویند می سازد
چه تعبد تدلی و تخشع است امری بیش نیست و نظر بر حقیقت صلوٰه و حقیقت صوم و رکوعه هویدا است که آن در اول
نذر ثانی و این نیز معلوم و مسلم است که فرائض نماز بوجه تخفیف در شب معراج از پنجاه منسوخ شده پنج رسید
اند چنانچه جمله منقبت عن عبادی و احضیت فریضتی او کما قال که در بعضی روایات حدیث معراج در محل
موجود است برین دعوی شایع معتبر است اکنون نظر بر کمال عبودیت آن سرور صلی الله علیه و سلم بے تاویل
ایمان می آریم که آن پنجاه را اندست نموده باشند و اگر غور کرده شد آیه فاستقم كما امرت نیز اشاره
برین جانب دارد و الله اعلم بالصواب و مستقرا و منبع احوال آنحضرت صلی الله علیه و سلم نیز برین بار
اطمینان می فرماید چنانچه در باره صوم چون احوال آنحضرت صلی الله علیه و سلم را بنمود دیدیم و فکر کردیم در یافتیم
که صیام آنحضرت صلی الله علیه و سلم مطابق بعض روایات که از فرضیه صیام شش ماه و باز بصیام یک ماه
منسوخ شدن خبری بلکه در یک سال کم از شش ماه نمی بودند بلکه بحساب ادغام صیام ایام اسبوعات و صیام
توابع شهور هم زیاده از شش ماه می شود ولیما حسب الجمله چون حساب نمازها در شب روز آنحضرت صلی الله
علیه و سلم کردیم بے کم و کاست پنجاه رکعت یافتیم بلکه بعض اوقات اگر زیاده شده باشد عجیب نیست آن
حساب اگر مطلوب است بشنودید است و نه رکعت فرائض شرب در روز مع سنن رواتب و یازده رکعت تپید
مخ و تر این همه چهل شده باز دو رکعت اشراق و چهار رکعت چاشت حسب روایت حضرت علی رضی الله عنه که
اسلام تر مذی آورده و چهار رکعت فی الزوال بر آن افزودند پنجاه شدند ازین جمله اگر طریقی می کاستند بطرف دیگر

افزوده باشند و بنا کی و بیژی تہجد خواندن ناخواندن اشراق و چاشت حسب اختلاف اوقات
بر ہمین کاستن و افزودن مبنی می بینیم باز چون از نقل خود پرسیدیم نستوار او نیز ہمین یافتیم کہ حقیقتہ
صلوٰۃ ہمین یکہ کتہ است پس چه بعد اتمام رکعتہ در ہر نماز باز همان ارکان رکعتہ مکرر می شوند پس
چنانکہ اطلاق گندم از یک دانہ گرفتہ تا انبار ہا و خروار ہا درست است این جا ہم اطلاق صلوٰۃ از یک
رکعتہ گرفتہ تا ہر قدر کہ ہم کردہ شوند درست است مگر چنانکہ از اطلاق گندم ہر یک دانہ و انبار ہا و خروار ہا ہمین
کہ حقیقتہ گندم ہمین یک دانہ است و در انبار گندم ہمان دانہ مکرر سکڑ آمدن چیزے دیگر نیفزودہ کہ درین
باب محل اعتبار توان شد ورنہ اطلاق گندم بر یک دانہ روا نبود چنانکہ بر کم از دانہ رفا نیست
مگر آنکہ مجازاً گفتہ شود همچنان در بارہ نماز از اطلاق مذکور بدین جانب پس بردیم کہ حقیقتہ صلوٰۃ فقط یک
رکعتہ است و در زیادہ ازین تکرار ہمان است کہ صحیح اطلاق صلوٰۃ گردید چیزے دیگر نیفزودہ کہ آنرا نماز
صلوٰۃ توان گفت پس کم از یک کتہ را نماز نتوان گفت مگر آنکہ مجازاً گفتہ شود چنانکہ صلوٰۃ جنازہ و نماز
و صلوٰۃ گویند از ہر تنبع احادیث کردیم از ان ہم اشارہ باین طرف یافتیم ارشادات چند اعنی
شیخ ابی نعیم رحمہ اللہ قبل ان تطلع الشمس و نیز من ادرك رکعة من الجمعة و نیز من ادرك
رکعة من الصلوة کہ صحیح یافتہ می شوند از ہمین دعوی خبر می دهند ورنہ تخصیص رکعتہ سودی نہ داشت
و نہ بخار یافت باشی کہ معنی من ادرك رکعة من الفجر انما اوکما قال این است کہ من ادرك
رکعة من الفجر قبل ان تطلع الشمس فقد ادرك فضيلة الله فوة في الوقت نہ اینکه نماز او تمام شد
یا الحاق رکعتہائی ہمین ہم برکت اولی باینمود تا معارض احادیث ممانعت نماز درین اوقات معلومہ خود
و حاجتہ نسخ یا تخصیص افتد بلکہ در بابہ اتمام و الحاق مذکور این کلام ساکت است نہ معارض میدادیم
کہ قہراً نیز حقیقتہ صلوٰۃ ہمین یک رکعتہ را داشته اند کہ اجازت خواندن سنت صبح در صورتہ ظن ادراک
یک کتہ داده اند و از بخار خوش فہی امام ہمام ابو حنیفہ و کوفی و سخن نا شناسی طاعنان او شان دانستہ
باشی باقی ماند اینکہ اگر حقیقتہ صلوٰۃ ہمین یک رکعتہ است و بس اطلاق صلوٰۃ بر زیادہ ازان بوجہ
از یاد آن است چہ پیش آمد کہ تنها یک رکعتہ علی اختلاف الاقوال ممنوع یا مکروہ شد و همچنین زیادہ از چار

۴
من ابی نعیم
قال قال رسول
صلی اللہ علیہ وسلم
من ادرك رکعة
من الصلوة قبل ان
تطلع الشمس فقد
ادرك فضيلة الله
و نیز من ادرك
رکعة من الجمعة
و نیز من ادرك
رکعة من الصلوة
کہ صحیح یافتہ
می شوند از ہمین
دعوی خبر می
دهند ورنہ
تخصیص رکعتہ
سودی نہ داشت
و نہ بخار
یافت باشی کہ
معنی من ادرك
رکعة من الفجر
انما اوکما قال
این است کہ من
ادرك رکعة من
الفجر قبل ان
تطلع الشمس
فقد ادرك
فضيلة الله
فوة في الوقت
نہ اینکه نماز
او تمام شد
یا الحاق رکعتہ
ائی ہمین ہم
برکت اولی با
ینمود تا معارض
احادیث ممانعت
نماز درین
اوقات معلومہ
خود و حاجتہ
نسخ یا تخصیص
افتد بلکہ در
بابہ اتمام و
الحاق مذکور
این کلام ساکت
است نہ معارض
میدادیم کہ
قہراً نیز
حقیقتہ صلوٰۃ
ہمین یک رکعتہ
را داشته اند
کہ اجازت
خواندن سنت
صبح در صورتہ
ظن ادراک
یک کتہ
داده اند
و از بخار
خوش فہی
امام ہمام
ابو حنیفہ
و کوفی و
سخن نا
شناسی
طاعنان
او شان
دانستہ
باشی
باقی
ماند
اینکہ
اگر
حقیقتہ
صلوٰۃ
ہمین
یک
رکعتہ
است
و بس
اطلاق
صلوٰۃ
بر
زیادہ
از
ان
بوجہ
از
یاد
آن
است
چہ
پیش
آمد
کہ
تنہا
یک
رکعتہ
علی
اختلاف
الاقوال
ممنوع
یا
مکروہ
شد
و
همچنین
زیادہ
از
چار

یا اہرت ہم کردن ناپسند آمد مخالف این سخن نیست کمی بیشی طلب و مطلوب تعلق بحکومت و حکمت دارد و تفصیل این چنین امور نہ کار مانا بکار نیست نہ در خور این بحث این ابنان با این همه اگر این چنین مضامین را تمنا داری قدری انتظار بکار بر که شستی ازین خروار انشار اللہ پیش می آید مگر اکنون ازین رقافتہ باصل مطلب می آیم چون این قدر محقق شد کہ حقیقہ معلومہ ہمین یک رکعت است و بس و حضرت سید العباد صلی اللہ علیہ وسلم با دایمی پنجاہ رکعت شب روز از عہدہ آن امر قدیم و عہدہ عبودیتہ کاملہ خویش بدر می آمدند این قدر خود محقق شد کہ اگر یک طرف کا ستہ باشند چنانچہ در بعض اوقات بغرض دفع ایہام و جوب در این چنین اعمال می فرمودند بطرف ثانی افزوده باشند تا جبر نقصان ہم شود و ہم ہویدا گردد کہ در چنین امور عدد باعتبار ذات معتبر نیست اندرین صورتہ اختلاف تقید قیام لیل بقیود اعداد مختلفہ باعتبار اختلاف اوقات نظر بذات قیام لیل از قسم رابع است و نظر تکمیل خمیسین کہ بذات خود مقصود است خصوصاً در حق اکمل افراد عباد صلی اللہ علیہ وسلم از قسم ثالث است کہ قدیمیہ این تکمیل می شد لیکن ہر کہ می داند میداند کہ لحاظ تکمیل خمیسین خواستگار جبر نقصان است نہ مانع از ازدیاد اذان تا یازدہ یا سیزدہ را حدا علی قرار دهند و زیادہ از یازدہ و سیزدہ بدعتہ انکارند تعوذ باللہ من سوء الفہم ما را بحفاظ فضائل دیگر صلوات مثل نوافل عصر و مغرب و عشاء اعمی ما و ارسن راتبہ و یاد کمال عبودیتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود بخود بدل می آید کہ باندیشہ فرضیتہ بر دیگران مداومت و مواظبتہ بر آن تفرمودہ باشند بالکل ترک ہم تفرمودہ باشند و در صورتہ ادائے آن چنان می پنداریم کہ باعداد صلوات مقادیر پیوستہ زیادہ از پنجاہ شدہ باشند مگر آن کہ در ان ایام از صلوات معتادہ ہمین قدر کا ستہ باشند واللہ اعلم بالصواب۔ اکنون امر دیگر باید شنید کہ حال جناب سرور کائنات علیہ علی آلہ الصلوٰۃ و التسلیمات خوب نمی دانیم و ازیکہ میان او تعالیٰ و آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ست نمی شناسیم بیقین ندان گفت کہ تکمیل خمیسین بر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرض بود یا از طرف خود بحکم تعبد کار بند آن می شدند اما حال خویش و احوال دیگر استیان یقین میدانیم کہ در او شان تکمیل خمیسین لا از استحباب نرفته۔ لیکن ما و ارا این استحباب آیہ فاستبقوا الخیرات و آیہ

"ان الانسان لفي خسر الا الذين امنوا وعملوا الصالحات" وجزء الا ان تطوع که در جواب
 سائل از کمیتة فرائض بعد آنکه او مقدار آن شنیده گفته هل علی غیرهن او کما قال فرموده اند استجبایی
 دیگر بگویش رسانیده داعیه هل من مزید دارد و این طلب نه چنانست که بر مقداری دامانش
 پرتوان کرد چندانکه کوشی یکی از هزار هم نه بجا آورده باشی و این از زیاد نه مثل باز دیوار کعبات فرائض است
 تا گفته خود که چنانکه بجای دو رکعت صبح اگر سه یا چهار رکعت بیک سلام خوانی از حد خدا ندی برون رفته باشی
 این جانیز باز زیاد از قدر معلوم در زمره مبتدعان منسلک گردیده باشی حاشا و کلا بلکه مثل رواتب و دیگر
 نوافل باید پنداشت که با وجود آنکه زیاد از فرائض که حدود خداوند نیست تجاوز و تعدی از حدود خداوندش
 نتوان گفت متناهی اگر بکار است بشنوید بزرگ که خادم مخلص که جان را ازان ما و اند بهر پنج شیرین
 پخته مثلاً بفراید و بفراید که مرغ این قدر باشد شیرینی و روغن این قدر و گل این قدر پس آن خادم اگر
 در بعضی اجزاء از حد تناسب افزاید مثلاً در یک آثار مرغ یک من شیرینی یا یک من روغن اندازد گو بزرگ خود
 کار نیک کرده که بجای کم زیاده آورده لیکن در حقیقه خطا کرده و مقصود اصلی که لذت خاص بود بپاد داده
 آری اگر اجزاء متناسب آورده گردد مقدار محمود افزوده آن بزرگ اگر آثار فرموده بود این خادم دو آثار
 برده این با خطا گفتن خطا است بچنین فرائض مطلوب خداوندی را باید شناخت تناسب اجزاء و تکمیل
 صورته منحصر است کمی خوانند اگر رکعت یا سجود یا رکعت از مقدار خود افزاید مقصود اصلی که حسن عبادت است
 میکا هد اگر او را در فرائض نماز یا سجده گانه که با فرائض ملائذ داشته باشند کسی بخواند هر قدر که خواند
 گو بخواند و مثالی روشن تر ازین وجود انسانی است که چشم و گوش و بینی و دست و پا هر یک اجزاء و
 مقداری و عددیست که کم و زیاده ازان هر دو نامناسب و مخل حسن است آن اگر بجای یک فرد
 یا زیاده بدست آیند مقصودی از دست نمیرود اکنون سخن دیگر بایست شنید که زیاده ما وجه دیگر هم است که
 بآن طریق بست رکعت تراویح هم صحیحی توان شد تفصیلش اینست که خداوند علیم و حکیم در قرآن مجید میفرماید
 ما ننسخ من آیت او ننسها نأت بخیر منها او مثلها و این طرف خود مسلم است که پیش از فریضه
 نماز پنجگانه اگر فرض بود تهجد فرض بود آن را نسخ کرده این نماز یا بی پنجگانه فرض کردند بقرینه آیه مطلق

میدانیم که آنها کم از کم بدرجه مساوات قیام لیل باشند مگر چون غور کار بودیم دانستیم که نمازها هم افزای
 یک حقیقه اند فضیله یکی بر دیگری از خارج باشد آنرا منحصر در کمی و کیفیه و وقت می بینیم فضیله یکی بر
 دیگری یکی بر دیگری در اعداد رکعات است و فضیله کیفی منوط بطول سنت و الطینان و کعبه و سجده است
 باقی فرق خشوع و خضوع از مانحن بر کران است چه مارا سخن در سبیل نماز است که از افعال جوارح است زیرا که
 عدد پانزده و بیست تعلق بهمین داده بیاطن نماز که احوال دل باشند باقی مانده فضیله وقت معنی اش
 اینست که چهار رکعت شب مثلاً از چهار رکعت روز افضل است باز چون دیدیم که سوا مغرب نمازهای چهارگانه
 دو دو رکعت بود چنانچه از حضرت عائشه در فعلح مرویست و تا آن زمان و ترواجب نشده بود محل جمع
 رکعات فرائض یازده شد و این طرف دیدیم که رسول الله صلی الله علیه و سلم در قیام لیل عدد یازده می
 می داشتند اکنون نظر باین مقدمات به تساوی فرائض در قیام لیل باعتبار عدد پی بردیم چنانکه از اختلاف
 شکلات قمر و بقای آفتاب بحال خود در اوقات قرب و بعد قمر از شمس حیلولة ارض ما بین شمس و قمر لحاظ
 کرده هر سه اشیا را استفاده نور قمر از نور شمس سراغ می بریم لیکن چون رسول الله صلی الله علیه و سلم
 برین عدد مواظبه نمی فرمودند مگر آنکه صلوة مغرب و عشاء و استسنا و واتب آن را در قیام لیل چنان که
 می سرودند شمرده باشند دانستیم که از حق جل و علی تعین این عدد نشده بود آری اگر از تسهیل و سیر ماه گذشت
 کار برساننگ می فرمودند و قیام لیل را مگر یا فرض می فرمودند لاجرم آن زمان بهمین عددی آمد چه تعینی
 اعداد و هیئته از لوازم موکدات فرائض است باز چون در اوقات ثلثه بجائی دو رکعت چاک کردند و در رات دیگر
 افزودند بخافظه رکعت و ترجمه ما قبل و ما بعد بیست رکعت برآمد اکنون اهتمام حضرت عمر رضی الله عنه
 به بیست و یک رکعت که تا ما نخواستیم از معدن نبوة علی صاحبها الف الف صلوة و سلام خواهد بود چنانچه معلوم شد
 بدین جانب راه می نماید که قیام لیل را از ابتداء بعثت نبوی علیه السلام تا زمان وفاته صلی الله علیه و سلم
 همچنان مطلق داشته بود بیاس آیه ما نمنع من آیت هر قدر که در فرائض از ان طرف می افزودند از این
 طرف در قیام لیل افزوده می شود مگر چون این قسم اشارات از غریبه در درجه زیرین افتاده و باز هر کس
 اطلاع آن میریزد حضرت رسول صلی الله علیه و سلم دیگر آنرا بآن طرف نخواند شاید بهمین سبب که

حدیث قوی در باره تحمید قیام لیل بعدی یافته نمی شود مگر آنکه ما بحسب ادانان ندیده باشیم و هم
نشنیده باشیم باقی نماند آنکه با وجود آنکه در فرض مقدار آن سرور صلی الله علیه و سلم همان یازده
باشد بست رکعت اگر خواند باشند و سه روز خواند باشند و همیشه چنان می نماید که اصل در فرض
همان دو رکعت است و نه در سفر هم رخصه قصری محل بود و این افزایش دو رکعت بغرض تکمیل است چنانکه
خواهی دانست یا بغرض جبر نقصان که اکثر وجه غفلت در نماز اکثر راه می باید و همین است که چندان اہتمام
قرآن و غیر هم در آن نکرده شد و در سفر که محل خطر بود و منظر آفات ادا چار دشوار دیدہ بر همان دو رکعت
فرمودند و شان نزول و ترا اگر تجسس کنیم در باره آنهم از احادیث لفظ اند کم یا مثل آن که بر زیادہ
بودن آن در اصل نماز دلالت دارد می یابیم نظر بر این اصل قیام لیل همان یازده نماز با قیام لیل
چندان موکد نبود کہ تکمیل آن می پرداختند یا از نقصان در آن اندیشیدہ فکر جبران می کردند و از یازده
بست می بردند بان قیام لیل رمضان خاص موکد شد چنانچه جماعت کہ از خصائص موکدات است
و خد رسول الله صلی الله علیه و سلم بجای آنکه خواندند و باز صحابہ ہم با جماعت بجای آوردند برین قلد گواه کافی است
و کشیدنش بادل شب از آخر کہ از تسهیل خبر میدہد نیز بر موکد بودنش دلالت دارد چہ تسهیل در همان امر میباشد
کہ تکلیف بان می رسد چنانچه تخفیف در فرض کہ حضرت رسول الله صلی الله علیه و سلم مرعی میدانند و
ہر امام ماموم با نیست نیز برین امر دلالت دارد و شاید بغرض همین تسهیل فرض نماز اگر فقط در شب ادا
کرده می شدند اوقات پنجگانه تقسیم کردند و غرض چون قیام لیل رمضان موکد شد فکر تکمیل و جبر
نقصان اول لازم آمد و از یازده بہ بست رسانیدہ شد و جدا نم میگود کہ حکمت درست
رکعت صلوٰۃ او امین بعد مغرب چنانکہ در این ماجر از مصالح مردیست همین لحاظ تساوی قیام لیل و
فرائض پنجگانه با و تراست مگر چون اصل فرائض یازده بودند چنانکہ گذشت نظر از آنرا قیام لیل
کہ یازده رکعت با و تر بود در افضل وقت از شب یعنی آخر نہادند بہت او امین را کہ نظیر فرائض شب
اشتمال بر نہادند بود در اول وقت کہ ادون از آخر است جا دادند و موافق مناظر این نظر این ہم است
کہ در یازده رکعت فرائض و تر نبود زین سبب شمرنش در نظیر دیگر بجای نشد بجا شد و درست رکعت

۹۰
من غایت
چنانچه
مبنا
بسیار
بسیار
و قال انما
استحب
چون خبر
من خبر
از زجلہ
است
فیما
بین اشار
الان
بطل
و غلبہ
خبر
است
و ابدا
۱۳
۱۳
۱۳
۱۳
۱۳

این سُنّه مرده که اندیشه مذکور در اعضاء آن شده بود و داخه مستحق اجر عظیم گردیدند اگر منکران تفهمنده او شان بچند تقصیر بمیراوشان نیست شامه تقدیر منکران است باقی ماند و روایت دیگر روایت سی و شش روایت چهل که در کفایه یا کتابی دیگر دیده ام هر چند باعتبار روایت قابل اعتبار نیست اما باعتبار روایت استحقاق قبول دارد این خود میدانم که سنن و روایت از کلمات فرائض اند غرض از آنها جبر و نقصان آنهاست که در اکثر مظنون الوقوع است و اگر جبر نقصان نباشد غرض اذان آرائش فرائض بمشابه زینب بدن لباس و زیور باید فهمید بهر طور مقصود اذان همین تکمیل است اندین صورت اگر فرائض را با این سنن معیار مقدار قیام نل نمایند بجائی خود است پس اگر دو اذنه رکعت سنن سوکون و دو رکعت از اول عصر و عشاء گرفته بر فرائض افزوده شود مجموع سی و شش خواهد بود و اگر از اول عصر و عشاء چار چار گرفته شود چنانچه تخمیر شایع برین اختیار دلالت دارد با فرائض پیوسته بچهل خواهند رسید می تواند که بنا بر این اختلاف روایات سه گانه این باشد که رسول الله صلی الله علیه و آله در آن سه ایام که تراویح با جماعت گزارده اند نظریه و جمله سه طریق خواندن باشند و الله اعلم بالصواب اما حضرت عمر هر چه سهل بود اختیار فرمودند و این اختیار تخفیف بر همان رکوش نبوی رفتند که منقول است که آنحضرت صلی الله علیه و آله در صورت تخمیر السراپون ما اختیار می فرمودند و اگر چنانکه گفته اند سقط اشاره روایت سی و شش روایت چهل فعل اهل مدینه است چنانکه مکیان در هر ترویج و طوافی می کردند اهل مدینه در هر ترویج چار رکعت می گذارند یا در چهار ترویج اول که است رکعت ترویج چهل می کنند و بر ثلثی سی و شش اند اندین صورت میدانم که اهل ترویج در مقابل اهل فرائض با و ترویج مکملات تراویح اعنی چار چار فیما بین ترویجات در مقابل مکملات فرائض نهاده باشند پس اگر این فعل مذکور از حضرت رسول الله صلی الله علیه و آله بجائی خود است در نه آفرین بر دقیقه شناسی صحابه یا تابعین که چنان این دقائق را فهمیدند مگر کوه فیهی کسانے تماشا کردنی است که این چنین دانشمندان را گزاشته در پی مائی سراپا هوای خود می بعد آخر بهمین شامه از چاهی اگر می بر آیند در چاهی دیگری یافتند و اگر ازین کم فهم پرسی بگویم نکلا انتظار صلوة سکم صلوة چنانچه در احادیث مصرح است این ترویجات غمسه نیز که مان توقف مقدار چار رکعت است کامین تکمیل

فبسمان الذی یبعث الینا رسولا یعلما بالکتاب والحکمة والحمد لله علی ذلک۔ اکنون بانیغیر
 که هر چند تصاویر علماء و این چنین درایات را پس می زنند و چون نزنند تأیید رایت از روایت نمیدانند مگر میم
 از علماء آنست که مرویات را بوجه رایت هم در قوه اگر بر ابرقوة رعایت نه پنهانند چندان کم هم نه پنهانند عن بعض
 طریق قوه روایت مخصوص در قوه سند نیست باعتبار رایت هم روایات را قوت میرسد زیاده اگر نیست درایت را شاهد
 رعایت توان گفت نشنیده ضاوند علیم و کریم چمی فرماید۔ یا ایها الذین آمنوا ان جاءکم فاسق بنبه فنبهوا
 ان تصیبوا قوما بجهالة فتصبحوا علی ما فعلتم نادمین۔ این امر اگر باستصال سند یگر باشد که
 را و یا نش همه عدول وثقة باشند آن در حقیقه تبیین نیست مضمون سر بسته از قوه روایات نمی کشاید
 مع هذا جائی دیگری فرماید و اذا جاءهم امر من الامن اطاعوا و لو ارادوا الی السهل
 والی اولى الامر منهم لعلوا الذین یتنبطون ما منهم این علم و این استنباط بر استصال سند دیگر
 نمی شنید لاجرم همین درایت خواهد بود که علم و استنباطش می خوانند وفقه و حکمتش میدانند و ما ازین هم فو
 می آئیم و بیاس خاطر کسانیکه از حد یازده کم و بیش کردن تعدی از حد و دانسته می انگارند از اتفاقی بودن
 یازده یا سیزده در گذشته توجیه یازده چنان می نویسم که یکبار به دل شان با رخ بلوغ شود گوئیم باز استماع
 توجیه است که از همان توجیه می زاید و از زیر پرده همان توجیه می بر آید بار دیگر از او هم افسرد، تر شوند
 تفصیل این اجمال آنکه بر روایت جابر بن عبد الله و تخرج زائی و البراد و در الباب جمعه در بیان ساعه
 جمعه از رسول الله صلی الله علیه و سلم مرفوعه به ثبوت پیوسته که روزه بمعد و از ده ساعه است و بر ظاهریست
 که تخصیص روزه جمعه اتفاقی است مفهوم مخالف این تخصیص اعتباری ندارد مگر روزه جمعه اگر مقدار این مقدار است
 هر روز را همین مقدار بسیار است و روزه شب همچو دو روز ترا و در اصل بهر جهت ادای افتاده باین حساب
 مجموع ساعات روزه شب همگی است پاره خواهد بود و این هم بود است که بنده متذکر اگر از یک طرف بر
 باز منتهائی فراوان خالق بخیر است از طرف دیگر اسیر حاجتباری باین اگر ساعتی بشکر خالق خود سر
 بنگاک انعامی باید که ساعتی بکار خویشتر، هم پر دانه دانه بین صورتی بفتائی عقل می باید که نیمه بر خود
 دلاند و نیمه از عمر برای خالق گزیند و از تقسیم روزه و شب بر دانه دانه و از ده ساعه هر یک باشد باشد که

ساعة از زمانه مقدار است معتد به که کار معتد به در آن توان کرد پس در هر ساعته از ساعات خداوندی کم از کم یک نماز می باید سابق عرض کرده شد که حقیقه نماز همین یک رکعت است و بس نظر برین که اگر کم در شب روز دوازده رکعت قابل افتراض بود لیکن قاعده دیگر که حدیث ائمه و تریحب الوتر از آن حاکی است باین اقتضای اتفاقی نداشت کی یا بیشی یک رکعت می خواست مگر در افزودن یک رکعت اندوخته افزایش از حق خود بود که بظاهر ستم رنگ ظلم می نمود لاجرم تقیص یک رکعت از حق خود لازم افتاد و بر یازده رکعت اقتضای فرموده شد یعنی واصل امر که سوار مغرب بر نماز دو رکعت بودند و ورتا آن زمانه نیفرده بودند یازده رکعت فرض فرمودند چنانچه از حساب نمازهای پنجگانه هویدا است علاوه برین چون با اقتضای احسانات خویش حاجات عباد تقسیم اعمار عباد علی التناصف قرن مصلحت دیدند نصف آخر از روز و نصف اول از شب خود گرفتند و نصف اول روز و نصف آخر شب به بندگان بگذاشتند تا دانی که در معاملهای فیما بین باین قسم مساوت باید ساخت و حسن اتمام اینست که قسم کمتر و ناقص خود گیرند و عمده و کامل بشریکان حواله کنند چه نصف اول روز در ابتکار فضل الله و کسب معیشت که بشهادت آیه شکره جمله لتبتخوا من فضله که مقصود اعظم از روز است به نسبت نصف آخر اکمل است زیرا که در اول اول طاقت دارند و نشاط در شور می باشد و در نصف آخر کلال و ملال عارض حال می شود و همچنین نصف آخر شب در سکون و راحت که بشهادت آیه متضمنه جمله ولتسکنوا و انثال خلالت غایه شب است از نصف اول شب افضل باین همه اگر خداوند ذوالجلال والاکرام باین عفو و رحمت و غنا و رافه و استئان و مغفرة و اراده یسر که آیه برید الله بکم الیسر از آن مجرب است این چنین نکرد باز که کردی دیگر چه کردی مگر تمیز این دوازده ساعته که ابتدایش از زوال و انتهایش بر نصف لیل میشود تا هم بر بندگان ضعیف دشوار بود از اشتغال همگی دوازده ساعته فرو تر آمده بعباده اول و آخر نصفین مذکورین بندگان را خواندند تا غمی اول و آخر که مانا حسن ظاهر است بجهایه عفو و کرم بی پایان رحمن در باره وسط از دار دیگر و تفتیش و تفریاد چه بسیار از بندگانش چنین میکنند او که خداوند رحمن است چنان نخواهد کرد ازین جا تعبیل ظهر تا خیر عصر و تعبیل مغرب تا خیر عشا تا نصف لیل یافته باشی هم دریافته باشی که تا خیر عشا

یازده است چنانکه دانسته و این طرف و تریبون خداوند کریم نیز خواستگار تناسب بود مودظن
ذکی الطبع را خود بخود لایح می شود که قیام لیل به انسان بر آنحضرت صلی الله علیه وسلم فرض بود و در طریح
یکه که معنی نداشت چه تخفیف بوجه ضعف یا نقصان بعضی آوان لزان خویش و برین امر گواه عدل است
که قیام لیل در حق آنحضرت صلی الله علیه وسلم منجزه مطلوبات و مکلف بهاست همان در حق ائمه فقط بوجه
اقتدار و اتباع همین قدر لازم افتاد نشنیده که قصر در سفر فقط مخصوص بفرائض ماند و در سنن و نوافل
راه نیافت وجه این تفرق و اختلاف حکم بجز این حیثیت که فرائض مطلوب از حق اند و بنسبت سنن و
نوافل طلب از ان طرف نرسیده شاید همین باعث است که در سنن و رواتب همه عدد دوازده بجای نمی ماند
و تخفیف یک رکعت مثل فرائض یازده دوازده کار را نیغند اگر این دوازده سنن یا چیز جدا گانه بذات خود
مستقل پندارند چنانچه بعضی روایات منطوق آن فقط همین قدر است که هر که در شب روزه دوازده رکعت برای
خداوند خاند خنده خنده برای او بنا کنند بر آن دلالت دارد عدد دوازده باین طور موجه است که گویند حضرت
صلی الله علیه وسلم بوجه کمال معرفت کداتی و کمال عبودیت که دانسته چون دیدند قاضی الحاجات خالق کائنات
ست مصرف دوازده ساعه باقیه نیز که خداوند کریم بهر بنده بگذاشته بود همان نماز و نماز خداوندی دیدند و
حسب هدایت خداوندادی که در فرائض دیده بودند این جانیز بجای هر ساعه نمازی نهادند و به اتمام عبودیت
و عبادت استاند اکنون یازده رکعت فرائض نظر بر کریم خداوند اکبر همان کار دوازده خواهند کرد چنانکه بست
نه روزه رمضان در ثواب کاهسی بدوزه می کنند پس چنانچه شش روزه شوال که بار رمضان پیوسته کار است
تمام سال میدهند ایام رمضان بست نه باشند یا کامل سی همچنان دوازده سنن رواتب با یازده فرائض
به هم آمده ثواب بست چار رکعت که عبادت شب و روزش باید گفت در پس خود خواهد آورد و اگر این سنن رو
از مکملات فرائض دارند چنانکه در پس و پیش فرائض انداختن خود دلیل آنست تا هم یازده فرائض
را هم سنگ دوازده قرار داده چنانکه مذکور شد به دوازده رکعت سنن کامل می توان کرد لیکن باینجا تمام
عبودیت یا بخارشتی راه نمودند یکی تسنن دوازده رکعات آنهم با غارشتی گاهی تجزیه را دار
دوازده رکعت در شب و روز هر وقت که خواهند و گاهی به وجیه فرائض تا کمال عبادت باعث فوت مقصود

نشود اگر از امتثال امری بوجه کمالی یا اشتغال دنیوی بسته آیند باری امر دیگر موکشان بجانب اصل مقصود کشد دیگر زیاده کردن فرائض از دو تا چهار در سه وقت باز بالمحاق و تر تاشش رکعت زائده در فرائض و سه رکعت و ترک رکعت می شود بیا زده رکعت سابقه فرائض به بست رسند و بعد طرح چار ساعته معلوم که بوجه مطالبه که لازم فرضیه است قابل طرح بودند چنانکه دانسته این بست رکعت همسک عبادت مدت العمر شوند و آنکه در اول امر دو ساعته طرح کردند و در امر ثانی همگین چار ساعته معلوم را طرح دادند و چشم بر عمر آخر بچندان اینست که در اول امر عمر را بر دو حصه تقسیم کرده نصف خود گرفتند و نصف به بنده دادند در آن صورت گنجایش استبدال جزو ناقص به جزو کامل بے شائبه ظلم متصور بود چه آن اوقات ناقصه اگر ناقص بودند در ادای کار خدا دندی ناقص بودند نه در کار روائی بنده باین نصف از اوقات ناقصه کان لم یکن پنداشتند و از حساب انداختند چنان که همین دم گفته شد و در امر ثانی هم عمر را فر اگر گرفتند و بجا گرفتند و کار روائی بنده در حقیقت بکار سازی رحمت تامه و کار پردازی قدره کامله حق می شود نه بهمت و قدره بنده و ساطع بنده جز بهانه نمانش بیش نیست هر که میدانند این را خوب میدانند و هر که این مقدم نمی داند هیچ نمی داند غرض آنچه بهر کار بند بگزاشته بودند نظر بظاهر بگزاشته باشند و اگر بحقیقت بنگرند باید که همه عمر از آن خدا باشد قاضی الحاجات نام اوست و کار روائی خلایق کام لوعده و عظم حاجات عباد که بذق است بر خود گرفته می فراید و ما من دابة فی الارض الا علی الله ذنبا قضا و دیگر حوائج که از فرائض و وسائل یا تقاریر و آثار همین قضاء پس متباعدست که بیلائی مبتلا سازد و طرح نجات از آن نمیند از آیات تفصیل نعم را اگر بغور بینی بدانی که کار ساز همه کار اوست اگر اقتضا کرش کفیل حله و حاج نمی شد جابری بر نبود که چار تا چهار کار فرمائی قضا و حوائج محتاجان میشد با بجز این درین صورت گنجایش استبدال و بنده را بحال تدانگ این حال نبود لازم آمد که همه آن چار ساعته از حساب کیسونهند و خرج سرکاری بر باقی نزنند چون این شد محقق شد بیاد مقدمات معروضه که در معیار بودن فرائض قیام به نسبت یک دیگر و تا که تراویح بکار آمدن اند رعایت عدد بست تراویح خود محقق شد با این همه بنکته دیگر که بس نفیس است مذاق خوش فیهان

شیرین می کنم همه تن فهم شده بشنو که رسول الله صلی الله علیه وسلم به بشارة من حمام...
ایمانا واحتمدا با غفرله ما تقدم من ذنبه ومن قام رمضان ايماناً واحتمداً بابا
خفرله ما تقدم من ذنبه امتیان سراپا اخلاص نیازا باشارة لطیف به بست رکت خواهد
ان تفصیل این اجمال اگر می طلبی بشنو که افعال منقسم به دو قسم می نمایند یکی آنکه آنی باشد مثل ضرب
که همین وقوع آن ضرب را بر مضروب می گویند و ادانی که چقدر می روی خواهد دوم آنکه زمانی باشند
مثل قیام و قعود این قسم را محتملات نام باید نهاد این قسم از افعال بمنزله اسماء اجناس است که بر
قلیل و کثیر اطلاقش توان کرد پس اگر این قسم بجانب زمانه محدود مستعدی باشد و لفظ فی مذکور بود
آن وقت آن زمانه معیار آن فعل می بود و استیجاب لازم آید بان اگر زمانه غیر محدود بود مثل لفظ
زمان و همین قبل و بعد که در ظروف از اسماء اجناس اند معیار بودنش بظاهر هرگز نام قسم اول نمی باشد
اگرچه در واقع در هر دو جا طرز واحد است معنی در قسم اول استیجاب آن زمانه ضروری است اما در قسم ثانی
بوجه آنکه ادنی ما یطلق علیه آن قسم فرد کامل آن حقیقه می باشد فقط استیجاب ادنی ما یطلق علیه
لازم می آید نه استیجاب جمیع افراد و جمیع اجزای آن که این استیجاب فردی نیست استیجاب افراد است
بالجمله چون صیام و قیام در افعال از قسم ثانی است همچنین رمضان زمانه محدود و لازم استیجاب
آن لازم باید پنداشت غرض فعل از محتملات و افعال اجناس است و زمانه اسم جنس نیست استعمال
آن بدو طور در کلام عرب یافته می شود گاهی بی واسطه حرفی آن فعل آن مفعول را زیر تصرف خود میگیرد
و گاهی لفظ با یانی ابداد او می کند و آن فعل را بان مفعول می رساند در صورت اول آن مفعول بتام و
وکماله و جمیع اجزای مفعول آن فعل می باشد و در صورت ثانی این استیجاب بدست نمی آید آری
کاره که بمعونه دیگران می باشد همچنین می باشد و اگر باور نداری همین کلام را بنگر از من صام رمضان
ایمانا واحتمدا با غفرله ما تقدم من ذنبه همین استیجاب می بر آید و از هر که خواهی پرس همین استیجاب
خبر خواهد داد و در نه بصوم یکسودوم هم از عهده بدون آمدن آری اگر من صام فی رمضان می فرمود
هرگز باین احتمال خیال نمی رفت و بدل کسی این احتمال جانی گرفت غرض در صورت اول آن زمانه

معیار و مقدار آن فعل می باشد و در صورت ثانی ظرف آن فعل می بود و خود دانی که ظرفیه را عظمه ظرف از مطروف لازم است و نه احاطه که کار ظرف است چگونه خواهد کرد مثل فعد تمن ثلثه قرو و یترقین بانفسهن اربعة اشهر و عשרا و لیلث یوما و بعض یوم و قمر اللیل الاقلیل و فکیف متقون ان کفرتم یوما و ثواید این دعوی از کلام الله و حدیث بسیار میتوان برآورد باقی آنکه اگر همین استیجاب است لازم بود که لیالی رمضان هم مثل ایام رمضان زیر این اساک که حقیقه صوم است سر نهادندی این اجازه اکل و شرب شب معنی نیز داشت جواز اینست که لاریب مقتضای این کلام بلکه مطابق حکم این اعلام همین بود که نه در روز خوردندی و نه در شب دست به طعام برند و همین است که صوم وصال را هر قدر که دانی خصه از جواز بدست آمد و نه مستند جوازش کسی بفرماید که حیث فعل نبوی اگر سندست برائے ماست خود رسول الله صلی الله علیه و سلم را نیز سندی باید و اساسا علم این امتیان ضعیف البنیان طاقت امتثال این امر کمای نیستند چنانکه از شب و روز دوازده ساعه به بنده داده بودند نیمه از رمضان هم از حساب انداختند تا اکل و شرب شب سیه اساک روز شود و دانی گذارن و مسائل با حکم اصل مقصود عارض می شود انتظار صلوٰۃ را صلیٰ گفته اند این همه وقت خوردن و نوشیدن یا فقط روز است چنانچه در ولایت عرب حجاج دیم باشند یا نیمه ازندق و نیمه از ان شب فرو می برند بهر حال اگر اقل را حاصل قرار دهی اساک روز بطور دیگر هم اساک تمام رمضان است و اگر بر ثانی بنیاد کار نهی تا هم ترک خوردن و شرب به نسبت ترک خوردن و شرب و چند تن اشتناحت چه حرکتها که در روز نه کنی و طعام تا بهمنم نسازی و چنان انتظار که بموز نکشی تحلیل جسم به غم پیوستی و شب بگو که ازین خوشها چیست و ازین غم ها کیست تن براحت جان با سترحت از کشش کار و زخمهای افکار میر چنده آسودگی های گیرند نظر برین به نسبت اساک شب اساک روز مضاعف بلکه زیاده می نماید علاوه برین روز شهادة جمله لتبتغوا من فضله و جمله و جلنا النهار معاشا و امثال ذالک برای تحصیل دنیا است نه شب و غرض از روزه چنانکه دانسته و خواهی دانست ترک دنیا است پس در صورتیکه نیمه برگیرند و نیمه برگزارند

اولی همین است که روز را به روزی گیرند و شب را به شبی گذرانند تا بالمعنی با مساک تمام رمضان چه روزی چه شب بدست آید غرض امساک و روزی حق امتیاز مساک شنبه روز فیه شد این جای سورعالم صلی الله علیه وسلم تحمل این شفت می تواند شد مگر اندیشه اقتدا بر مساک شنبه یک روز با صوم وصال پیداخته از اصل صوم آنگاه باید نمود باز پاس است با ازین ولادت کشیدند صلی الله علیه وسلم عدد ما رحم بنا و ابقی علينا القصة مقتضای اصل کلام منکر همین بود که مساک جمله شب بعد رمضان فرض گردد و ازین جا ربط لعلکم تتقون با ما قبل خود و نایه صوم و صحت و صواب مساک ماه کامل ازین ربط دریافتی باشی یعنی چنانکه میگویند برگش گیر تا به تپه اضی شود می فرایند که بر شما مساک مطلق که بے مساک شب و روز صورت نمی بیند چنانچه آیه فمن شهد منکم الشهر فليصمه نیز برکنان دارد فرض کرده شد تا شاید فقط مساک ایام رمضان بجا آرند نیز اگر آن قصه را یاد کنی که در اطل با سلام تناول موجبات افطار اگر حلال بود بعد مغرب قبل خفتن حلال بود تا بهم بشو فاهم اشاره با مساک شب و روزی بر آید چه انسان مثل دیگر حیوانات برابر نمی خورد و یک بار خورده تا دمائه در دست بتلن نمی برد بان در مقدار شب یا روز چند یاری توان خورد و به خوردن بار با اذلیل یا نهاری توان گفت که همه روز یا همه شب میخورد چنانکه این چنین کسانی با مثل این اقوال یادی کنند و همین تدرک ما بین مغرب خفتن است اکثر زیاده از یک بار اتفاق نمی افتد و مقدار وقت خوردن نیز معلوم است که چه قدر است پس این وقت قلیل که بصرف خوردن آمد منزه طرف زمانه است که اعتبار نشاید اندرین دوره شعب و روز که نسبت چهار ساعته است گویا همه با مساک برگشت از اینجا فیه باشی که بعد فمن شهد منکم الشهر فليصمه فرمودند فليصم اما بترجمه انفرمودند با جمل تعدی فعل مستد بجانب مفعول کما در قسم زمانه محدود شد استیعاب را میخواهد اندرین صورتی من قام رمضان همین استیعاب شبی روزی حدیث بن بقیام خواهد بود مگر وانی در همه دانند که این کار کام امتیاز ضعیف الاموال نمود در تخفیف لازم اقتاد مگر هر کار را معیار و هر امر را مقدار می باید تا با از کاخانه حکمت بدر نیفتد در فرض بخانه بجای یک ساعته یک رکعت نهاده بودند یا بخانه همان یک رکعت قائم مقام عبادت

یکساعت شد مگر از بست چار ساعه معلومه چار ساعه همچنان بود که این کار بحکم پروردگار در آن چار
 شتوان کرد آن چار را طرح دان معامله بر بست افکندند فبجان الله العليم الحكيم و ازین نکته
 اقلیم تافته بنگند بگر مشام جان طالب تهام را سطر می نمایم صوم که حقیقتش ترک دنیا است و نه
 یاد خداوند اکبر که عده مظاہر آن ہمین نماز است پس اگر هنوز نفہمید باشی بگوشتش ہوش بشنو
 کہ خوردن و نوش مجامعت بلکہ فقط خوردن از اصول لذت دنیا است باقی لذت یاد زریعہ
 از یاد این لذت اند یا بشرط این لذت لذت مینایند تفصیل این اجمال حوالہ بفہم سامع کردہ بیشتر
 می روم کہ خداوند حکیم چون بندہ گرفتار ہو او ہوس را ازین لذتہا بازداشت ہر کہ اندویشان مادہ فہم
 داشت بفرست خود دریافت کہ این لذتہا اگر ممنوع عنہا است دیگر لذتہا بدرجہ اولی قابل
 استماع است وہم بفہمید کہ این نہی و منع بذات خود مقصود نتوان شد ترک چیزے کہ جز عدم
 آن بداملن خود ندارد قابل آن نیست کہ پیش موجود مطلق درجہ مقصود یا بدلا جرم چیزے دیگر زیر این
 پردہ نہادہ باشند آن چیز بجز یاد خداوندی دیگر چہ باشد خواہش بندہ و رضا خداوند متعالی
 افتادہ اند ترک یکی تحصیل دیگرے می خواہد بالجملہ یا بیا عقل را از آشتاد یافتیم کہ مقصود الصوم یاد
 محبوب حقیقی ست دانی کہ عہدہ مظاہر آن یاد ہمین نماز است اینک دو مضمون را بیک
 ملک کشیدند اہنی اول من صام رمضان ايماناً واحتساباً فرمودند ثانیاً یا رشا من قام رمضان
 ايماناً واحتساباً راہ نمودند و دانستہ باشی کہ فرائض باشد یا سنن و نوافل کار آمد خداوند اکبر
 نیست او غنی است دستنی بعبادۃ عباد خلقتہ لونی افزاید معاصی عباد تقصی بکار خانہ او نمی آید
 اگر نقی است بہر است اگر مضرت است بر ما است ہرچہ باو بخاندہ اند نقی بہر علل و در نہادہ اند
 و ہرچہ از ان راند اند بسبب ضرری را نہ اند اندین صورت ہرچہ نافع تر ہو کہ تر باشد و این طرح
 اعظم منافع صوم کہ بالیقین فرض است مغفرتہ جمیع ذنوب یافتیم یاد خداوندی کہ عہدہ مظاہرش
 قیام بہر نماز بود و مقصود از صوم شمار این ثمرہ چون نبود ہمین است کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 مصرح از ان خبر دادہ اند نظر برین بیاد آ کہ در تحدید بست رکعتہ ہمین دم عرض کردہ شد مثل صوم

کم از کم قیام بست رکعت فرض می شد بلکه زائد از آن گویند بجا است ازین جا اندیشه فرضیه
 قیام لیالی رمضان که از رسول الله صلی الله علیه وسلم با ثواب است موجب دریافت باشی لاریب نظر
 به ضعف عباد و شوار دیدند و تخفیف فرمودند اگر مسارعت عباد تراویح بدستوری نماید از سهولت امر خبر
 میداد و بمقتضای اصل امر فرض می شد بالجمله اقتضای اصل حقیقه آن بود که تراویح بدرجه اول از
 صوم فرض می شد لیکن چون از طرف خداوند ذوالجلال ارشادی مصرح درین باره شنیده نشد بکلم
 و ما کننا معذبین حتی نبعثنا رسولا بنده کان ضعیف البنیان را گنجایش ترک بدست آمد
 بان حضرت سید المرسلین صلوٰه الله علیه و سلم و علی آلہ اجمعین که واقف امر او بودند نظر منفعت
 مذکوره مستون فرمودند چنانچه خود فرموده اند که روزه رمضان خدا تعالی فرض فرمودند و من قیام آنرا
 سته نمودم اگر اوراق صحیح را خواهی گردانید این روایت را انشاء الله تعالی خواهی یافت لیکن همینکه
 گفته آمده ام که هر کار را معیار می باید بهر تسنن این سته ضرورت اندازده افتاده بخمال آنکه صوم
 ذریعه تراویح است چنانچه گفته شد و هم بوجه اشتراکش با صوم در منفعت معلومه و تا که صوم تکلیف
 لازم آمد آری بوجه چشم پوشی خداوندی که تصریح بسبب او خوانده اند میدانیم که از فرضیه باین قیام
 باشد لاجرم سته موکده خواهد بود چنانچه اتمام جماعت که از خلیفه راشد دریافت برین امر خود گواهی
 چه سنت خلفاء راشدین سته نبوی است چنانچه پیشتر گفته شد و این طریقه اتمام جماعت از
 خصائص موکدات است بلکه سواد تراویح اگر جماعتی جماعت است و در فرض است یا در عیدین و
 صلوة کسوف و استسقاء اگر ضرورتی مطر شدید باشد و میدانی که صلوة عیدین خود از واجبات است
 و صلوة کسوف بدلاله جمله فاشر نحو الی الصلوة که در بعضی روایات صلوة کسوف مندرجه بخاری است
 برکات تا که دلالت دارد از موکدات باقی ماند صلوة استسقاء اگر قوه تدبیر باشد هویمای شد که صبره
 مرقومه بالا نماز موکدی شود و همش چنانکه واضح است این رت که اساک نیز همچو کسوف بجمعه
 تخویفات خداوند است که رجوع الی الله را می خواهد و خشوع و خضوع قلبی را می طلبد و عده مظاہر
 خشوع و خضوع همین نماز است چنانچه در جمله مواقع خضوع نمایی مقرر فرموده اند و چون فرمایند

که کار خاشعان همین است چنانچه می فرمایند و آنها لکیرة الاعلی الخاشعین الذین یطیعون
 انهم ملائکة و رجبهم و انهم الیکساجون و از اینجا بکلمة ستمه موکده رسیده باشی این آیه را
 ثواب صوم رمضان که فرض است و ثواب قیام لیالی رمضان که فرض نیست و باز تاکید بر این حضرت
 صلی الله علیه وسلم که بمنجمله و عده این ثواب است و از شلا سنت لکیر که درین باب فرموده اند فهمید
 باشی که حقیقة ستمه موکده در اصل حسن بافراض یک پله می رسد اما صدد و امر خداوندین یکی و اوقاف
 گردانید و دیگر همچنان بر اصل خود ماند و بدرجہ فرضیه نرسید و این سخن هر چند اطل از خاصه ستمه
 پیچیدان برآمده باشد مگر هر عقلی بودن حسن و تسبیح و شریعت و جوب و حرمت را بر این تائید
 این طرف بخت کاری حضرت رسول الثقلین صلی الله علیه وسلم را در یافته بی تامل و تردد بشمارد
 دعوی این پیچیدان خواهد خاست مگر ندانی که خداوند کریم در شان آن قدوه انبیاء می رانند
 علیه وسلم چه می فرمایند جای به نشائی هی الذی بعث فی الامتین رسولاً منهم و بشیراً لهم
 آیاته و نیز که هم و یعلمهم الکتاب و الحکمة ستوده و جای تعریف آن سرور بر علیه السلام
 و سلامه علیه و علی آله و اصحابه اجمعین باین طور که الذین یتبعون الرسول النبى الامى انما
 یجدون من کتابه و فی التوراة و الانجیل یا مرهم بالمعروف و نهیها و من انما
 فرموده پس هیچ این صورت می آید که این چنین معدن علم و حکمت اتهام کاری کند که نه شایسته این
 اتهام باشد و این چنین پیشوایان ارشاد را بی تمایز نماید که سالک نفس همچنان تا کامرانی نرسد باید
 و بالضرری باید که هر چنان معلم الحکمة موکد فرماید خود تاکید و هر چه از ان با اهتمام باندازد و انبیاء
 باشد مان اگر عقلی حسن و قبح حق عقلی بدان آن نزد اهل عقل مسلم نبود می ممکن بود که کیف تا انان
 ارشاد فرموده اند و بهر چه پیش آمده راه نموده اند مگر هر که درین دو آیه مسطوره بدین معنی دیده
 دانسته باشد که وصف حکمت از تعلیم مقدم است و صفة معرفتیه و غیره از امر و نهی سابق و تا
 است مراد کسانیکه بعقلی بودن حسن و قبح راه نموده اند و بشریعت و جوب و حرمت ارشاد فرموده اند
 حسن و قبح حائق افعال که از لوازم اوصاف معلومه از حکمت و معرفتیه و منکریه است و نه از لوازم

شرائع سابق است و وجوب و حرمت آن حقائق بذمه مکلفان که از آثار ایجاب تحریم است بامر و نهی لاحق و همچنین آیه و ما کنا معذبین حتی نبعث برسولا نیز گوش اهل پوشش می دهد که تعالی او شان هر چند بوجه قبح آن از پیشتر سرمایه تعذیب او شان بود اما چون تعذیب بمقتضای کرم و ابسته با ایجاب و تحریم است که بی ارسال رسل و امر و نهی شان صورت نه بندد از جرائم آن شان فسادد گزیر لازم افتاد و درین قدر همه اهل حق متفق اند و آنکه مخالفت امام ابو الحسن اشعری شنیده باشی هر چند در بادی النظر از اصح حقیقی می نماید اما هر که میدانمی داند که مراد شان از حسن و قبح موجب ثواب و عقاب است مثلاً و این خود ظاهر است که مفاد طاعت و معصیت است که با جماع اهل حق شرعی است و چون این قدر فهمیدی که بهر اتمام و تاکید آن سرور انبیاء صلی الله علیه و سلم اول لیاقت آن کلام این چنین اتهام و تاکید را ضرور است این خود فهمیده باشی که تاکید یکده سنن موکده می باشد بی آنکه در اصل حسن هم سنگ خرائض باشد درست نمی آید و راست نمی نشیند این عقاب را که بر ترک سنن موکده بشنیده با چیزیکه نه این چنین باشد اگر مسوکار بود این خطاب لطف آمیز نبود الله بکم الیسر ولا یرید بکم العسر چه کار خواهد آمد بلکه این وقت تصحیح معنی او الله لا یظلم مثقال ذرة و شوازه اقله چه امکان ظلم بمعنی التصرف فی ملک الغیر از جناب باری تعالی خود متمنع در نه لازم آید که مالکی دیگر هم باشد که در صفت مالکیت شریک او تعالی بود خواه مملوک او مشترک بود یا منفصل و این عهد بدی البطلان توحید حقیقی بے انتفاء مالکان دیگر صورت نه بندد و نیز ترانه الملک الیوم که لاجرم روزی شنید نیست چنان زیبا بودنی بلکه چگونه ممکن الوقوع باشد اگر مالکی دیگر مالک حقیقی است این صفت مالکیتش زائل نتوان شد به نسبت دنیا باشد یا آخره و اگر مالکی دیگر مالک حقیقی نیست بلکه مالک مجازی است آن ملک او خود راجع بسوی خدا باشد دالی الله ترجع الامور و ظاهراً که امر متمنع الوجود را به صیغه مضارع که لاجرم مشعر از تجدد است و اقنان فن فصاحت و بلاغت ادا کرده زیر نفی نمی کشند تا به آنحضرت تعالی و تقدس چه رسد و وجهش همین است که این چنین نفی اگر دلاله داشته بر عدم وقوع فعل دلالت دارد بر امتناع وقوع دلالت ندارد بلکه باعتبار مفهوم مخالفت بر امکان آن دلالت

میکند البته مظلوم را اگر بمعنی فعل نامناسب یعنی معامله مخالف استحقاق قابلیت گیرند از او تعالی
 باعتبار تدبیر و بی نیازیش ممکن گو نظر بکجکشتش این هم محال باشد اندرین صوره از مفاد آیه مطهر
 اطمینان قلوب مطیع و عاصی مد نظر است تا مطیع را اندیشه فی نیازی از فوز و فلاح تا امید نگر داند
 و عاصی را احتمال مزید عقاب بر عکس امید بخوابوس نه نشاند پس اگر حقائق سنن موکده قطع نظر
 از ایجاب امر شرکب نوع فرائض در حسن و منافع مقصوده نباشند باز کدام وجه یا سببی از
 اسباب است که موجب عقاب گردیده امر خود مسلم است که نیست بجز آنکه سنن موکده در حسن
 منافع مساهم فرائض باشند و این طرقت اقتضای علم فطری را که آیه فطرت الله التي فطر الناس
 علیها بر آن خبر گواه است و معرفت طبعی را که عارف معروف بودن دینیات از آن آگاه است
 و محبت ذاتی را که حدیث اذ لم یزلت حسناتك و مساواتك سیلت فانت مومن رمزی آن
 است و علم خدا داد را که استفت قلبك و لو افانك المفتحین تصدیق این بیان است درباره علم
 حمل کافی شناسند بجز چه گفته آید چون این قدر علم و اطلاع بشر طیکه فساد طبعی عارض نشده
 باشد درباره مواخذ بشرط انصاف قدر کافی بود در حق انبیاء علیهم السلام خصوصاً سرور انبیاء
 صلی الله علیه و سلم که از فساد و طبیعت بشری نور باطن و قلوب شان همچو شمع که از پس پرده قانون
 هم در تنویر اشیا و مبصره تفصیر نمی کند کاشفت اسرار حقیقه هر کار بود این قدر علم و آگاهی
 موجب مواخذ شد گو بهر دیگر جان نثار بجائی شان که از سر اخلاص سرزده یا دسال پروانه
 انا فتحنا لك فتحا مبینا لیغفر الله ما تقدم من ذنبك و ما تاخر که از در گذر کلی خبر
 می دهد هر گونه مطمئن بنسب نموده باشند آری همچو اگر قارآن همس و هموار که حب دنیا تعبیر از انست
 و محبوبان نفس خطا که تن ناپاک تفسیر است باین وجه که فساد و طبیعت بشری که بر کل انبیاء
 پرتو افتاده نور ضعیف باطن ما را پس از آن که هر دم بدم با دلزدان مست هر لحظه مردن آن آنچنان
 پوشیده که مثل نابینایان که آفتاب نیمروز هم پیش ایشان همرنگ تا به سیاه است تمیز حق
 از باطل دشوار نماند بلکه منتفع گردیده اطلاع بر حقائق افعال و تمیز مراتب حسن بی آگاهی تازه و

اعلام دیگر متصور نبود و خود فرموده اند که و ما کنا معذبین حتی نبعث رسولا و غرض از ارسال
 رسل تفصیل حق و باطل و علم خیر از شر می باشد پس تا وقتی که انبیاء علیهم السلام شمع هدایت را نیفتوزند
 و یعلمهم الکتاب اشاره بدانست و بتوجه هر که آتش انگیز محبت است غشاوه طبایع ما را ستودند
 و نیز یکهم عبارة ازان رهروی این راه ما عوام دل سیاه را دشوار است لهذاست مواخذه بطول
 عقاب باشد یا عتاب با آنکه حسب ایماء و ملکنا معذبین الله گوینا قریب بود که با آویزد
 از سر بکشیدند و مانع نگاران را لائق در گذرند یدند باقی ماند اینکه ترتب عقاب که عتاب نیز نوعی
 از انست برای مجاب تحریم است نه بر حسن و قبح تا لازم آید که اطلاق انبیاء علیهم السلام بر حسن و قبح
 افعال مستوجب عقاب در حق شان شود و بیان شان خواه بزبان خواه بل که بحکم تقد کان لکم
 فی رسول الله اصدوة حسنة لمحق بآنست باعث عقاب یا عتاب دیگران شود باین همه اگر سوابق
 تعذیر مواخذه نفس قبح افعال است و علم بدان شرط آن چنانکه ظاهر است لازم بود که مصلحت
 فرائض و سنن باعتبار ترتب ثواب عقاب هم فرقی باشد و اگر موجب مواخذه امر و نهی است
 و علم بدان شرط آن ازین سخن چه سود که سنن موعود در اصل حسن با فرائض برابری میکند چه این
 وقت مصداق فرضیه امر و نهی خواهد بود نه حسن و قبح گو بصورت مراعاة حکمة منشار امر و نهی همان حسن و
 قبح شده باشد زیرا که فرض همان است که بر ناکردنش اندیشه عقاب بود جواب این اندیشه می باید
 شنید حسن و قبح افعال بد و گوناگون است و علم بدان نیز بد و نوح اعنی چنان که نوعی از حسن و قبح است
 لوازم ذات مقتضیات مایات آنهاست و نوعی عرضی که پس از صدور امر و نهی ازان جانب
 عارض می شود همچنان علم با امر و نواهی متعلق بحسن و قبح نیز بد و نوح است یک فطری و اجالی دیگری
 شرعی و تفصیلی چون تفصیل احکام بر تفصیل این اجمال توقیفی دارد اول شرح این معامی کنم
 حسن و قبحی که از لوازم ذات افعال است و بگواله آیات اول اشاره بهمان رفته مقتضای صورت نوعیه و
 هم صورت شخصیه آن افعال می باشد و چنان که صورت نوعیه انسانی و غیره و صورت شخصیه از افراد انسانی
 و غیره لاجرم مشتمل بر قدری از حسن و قبح می باشد زیرا که صورت همین تقطیع را گویند که حاصل آفران و

ماده و عدم آن که در اطراف مشهود است تعبیر توان کرد و این خود ضرورت است که حسن آن منظر را
 کریمه المنظر باشد همچنین مایات افعال و صور تخصیص آن را ضرورت است که باقران وجود و عدم
 که ممکن را از آن ناگزیر است در نه ممکن نباشد واجب بود یا ممتنع کیفیت پیدا کند که پس انحصار
 در قوه در آن مطبوع طبع افتد یا مکروه نماید و ازین جا چنانکه لزوم ذات این قسم حسن و قبح
 هویدا شد عقلی بودن آن نیز پیدا شده باشد مرتبه دوم از حسن و قبح آنکه چون امر و نهی بییه
 فعلی از افعال صادر شد باین وجه که اطاعت رب خلأقی نیز از حسنات است و حسن آن
 لازم ذات و آن هم آنچنان که عاقلی از عقلاء در آن متامل نتوان شد و قسکه آن فعل به نیت
 طاعت ادا کرده شد لباسی دیگر از حسن در بر میگذارد و چهش آن که چون مفهوم طاعت از آن
 فعل عارض شد حسیکه لازم این مفهوم بود لازم است که آن فعل را عارض شود مگر چون صفت عارضه
 اولاً و بالذات اعنی در اصل صفت واسطه فی العروض می باشد آری در نمائش نگاه شهادتیهی بنام
 معروض می نهند لاجرم این حسن که لازم ذات مفهوم طاعت است در حق افعال عرضی باشد مثل
 حسن و قبح اول لازم مایه آن نبود پس این حسن و قبح چنانکه در حق مفهوم طاعت عقلی است
 بحساب مایات افعال شرعی باشد چه این قسم حسن و قبح از تفریعات امتثال و امر و نواهی و
 عدم امتثال آنست که بے صدور و اقامه و نواهی محال و امر و نهی را میدانی که عین شرع است از تجا
 دانسته باشی که اختلاف فیما بین ما تریدیه و اشعریه اختلاف لفظی است هر یکی ازین بنده گدازان شرح
 و بسط یکی ازین دو جهت پرداخته و جهت دیگر را همچنان گذاشته نه آنکه با مکار قسم دوم ساخته
 بالجمله حسن و قبح ثانی شریعت حسن و قبح اهل عقلی باین معنی که عقول عقلاء را قبل ورود شرع شریف
 گنجائش ادراک آن است اگر چه افراد متعدده باشند که بکمال عقل رسیده اند یعنی انبیاء و
 کمل اولیاء پس گویا اودشان درین باره همچو میانیان اند که بی اطلاع کسی اشیا و مبصره را بشرط
 نور و عدم حیلولة چیزی ادراک می کنند و همانا مصداق کلمه اولوالابصار هستند که شنیده باشی یا
 باین معنی که ادراک آن حسن و قبح بدیه بصیرت است اگر چه بواسطه نصوص شرعی باشد

داین چنان باشد که سوزن باریک با چیزی دیگر بچنین پیش نظر کسی قتاده باشد که نظرش
چندان تیز و صاف نباشد مگر چون وجودش بچنان است که خود نمایان شود و شاید وجود خود شود و
نظرش بچنین که حاجت اعلام و تنبیه دیگران نبود اکثر همین است که باخبار مینایان صفائی نظر
در اک این چنین اشیاء چنین کس را میسر آید مگر این دراک تا هم ادک چشم پوشین است
همچو استماعات محضه که چشم را هیچگونه اندران دخل نبود تقید محض نیست که هر چه بچنین گفتند گفتند
غرض بطور منع خلوه هر چه ادک آن عقلی است زین دو قتال خالی نیست چون انقسام حسن و قبح
بد قسم مسطور و مقرر شد وقت آنست که انقسام علم نیز بدو قسم واضح کرده شود باید نیست که علم
حسن و قبح ذاتی که همانرا عقلی باید گفت نیز بدو نوع است یکی طبیعی دوم شرعی دل بثنائی اشاره
میکنم باز بیان دل خواهم کرد خود جناب باری تعالی و تقدس در کلام پاک ارشادی فرماید نفعیام
بالعدل و لاحسان یتاءذی لقربی و یدعی عنی لفحشاء و لمنکر و لدعی و هم در کلام پاک رسل
ست قل ن الله لایامر بالمعشأ و هم شان نبی صلی الله علیه و سلم می فرمایند لذین یجتعون
لرسول النبى الامى الذی یجودنه ملکوتیا عندهم فی التوراته و الانجیل یا مرهم بالمعروف
و ینهاهم عن المنکر و کل لهم لطیبات و محرم علیهم الخبائث و یضع عنهم اصرهم
والاعلال التی كانت علیهم پس هر که عقل صاحب داشتند باشد و زندق عن آشنایان
خود می شناسد که مقصود از این آیات بیانات بیان عادت خداوندی و طبیعت محمدیست صلی الله
علیه و سلم غرضم اینست که عاده ستمره خداوندی اینست و طبیعت مستقره محمدی صلی الله علیه و سلم همین
همین است که صیغه مضارع اختیار فرموده اند تا دلالت بر تجدید کند کما ضروریات عادت ستمره و طبیعت
مستقره است و پرتا هر است که استمرارین فعال و مستقر این خصال بجا افتاد و صدور از صلا
آنها که امر بالمعروف و غیره است متصور نیست این هم هویدا است که حسن باوصاف معلومه ز صلا
واحسان و غیره که در آیات مسطوره بآن اشاره رفت هم آغوشش است و قبح با خدا و آنها که هم در
آیات مرقومه بآن ایما فرموده اند هم در شش پس باین طریق بحسن و قبح هر فصل و قول هر خیال حال

و هر خصله و عادت پی توان برد و باین وجه این علم را تفصیله هم توان گفت چنانکه علم شرعی می گویند باقی ماند علم طبیعی که آنرا علم اجمالی هم نام نهادن زیباست آن هم با اشارات نقل ثابت است چنانکه بشهادت عقل به ثبوت می پیوندد بیانش اگر می خواهی بشنود که معروف و منکر را معروف و منکر گفتن خود بر این قدر دلالت دارد که عقل را با معروف سابقه آشنائی است و از منکر هم هیچ نا آشنایه معروف در لغت عرب همان را گویند که از پیشتر دید و دانسته باشند و منکر آن را که نشناختند و ندانند و هم حدیث معروفه بالا اذا سرتك حسنتك و علوتك حیبتك فانت مومن نیز باین جانب مشیر است که قلب انسانی با معروف و منکر نسبتی دارد که ذائقه زبانی با شیرین و تلخ چنانکه ذائقه دران زبان بی سابقه بیان خوبی و زبونی شیرین و تلخ در اول بار که شیرین و تلخ را بر زبان نهند ازین خوشحال و اذان پرانگنده بال می شوند همچنین معروف و منکر را به نسبت اهل دل بشناس که این چنان است و آن چنین با این هر کس را می بینی که از خدای عظیم بشنود یا از مرد حکیم هر چه باشد از عقل خود می پرسد اگر تصدیق کرد مطمئن می نشیند و زنه شکها اگر چه زیر پرده ایمانی باشد می آفریند بهر طور اگر عقل باشد آن اشارات زبانی و این شهادات روحانی بر این قدر گواهد است که طبیعت انسانی با معروف رابطه پنهانی دارد و مرادم از علم طبیعی همین قدر است و اجمالی بودنش به نسبت علم شرعی که تفصیلی است هویدا است احتیاج بیان و جهش نیست اکنون می باید شنید که امر و نهی موجب و حرمت نیز همین طور بدو گونه است طبیعی و شرعی و اجمالی و تفصیلی و امر و نهی که لسان الغیب زبان فیض ترجمان انبیاء علیهم السلام بنی آدم را سرایه ایجاب تحریم گردید آن خود هویدا است منکرش کیست و حاجه اثبات او چیست فقط بغرض آنکه اختلاط احکام روند بدین قسم حکم را تفصیلی نام می نهم و وجه تسمیه خود ظاهر است مگر قسم دیگر که احکام اجمالی است بیانش ضرور است می باید شنید که هر چه حسن است رغبت بقدر حسن او و هر چه قبیح است نفرت بقدر قبح او در جذر فطره هر کس نهاده اند مگر این اتبال عالی و این اجتناب اجمالی خود ازین قده خبر می دهد که بزبان حال پنهان اذان طرف امر و نهی میرسد

گویند که کادوت خود اذکیار پس ازین اجمال فطری گونه تفصیل نیز در خود دیده باشند دلیل بر این دعوی اول خود فطره هر کس است مگر باین نظر که دقت فساد طبیعت فطره را چه اعتبار مقتضای دین و چنین اوقات ظاهر نمی شود مناسب آنست که چیزی دیگر گفته شود اول اینست که علم و حجب اطاعت امرونی اگر شرعی باشد دور یا تسلسل لازم آید لاجرم عقلی و طبعی باشد مگر دانی که بنده این وجوب و حرمت بجز حسن و قبح بر امری دیگر نیست پس هر جا که حسن و قبح باشد همچنین باشد چه لوازم ذات را تبدل و تغییر نیست دوم اینکه جمله هدی للمتقین صاف بر این امر دلالت دارد که صفت اتقاد در متقین از نزول قرآن شریف سابق است چنانچه پوشیده نیست مگر قبل نزول قرآن تقوی باین معنی که هر چه غیر مرضی خدا بود آن را غیر مرضی حق فهمیده بگذاشته باشند متصور نیست ورنه حاجت انزال کتب چه باشد لاجرم بمعنی قصد احترام باشد مگر چون قصد احترام را ضرور است که یک نوع تقاضا بود شرعی باشد یا طبعی عقلی باشد یا نقلی چنانچه ظاهر است و این جاز از جانب شارع از پیشتر هیچ خبر نیست ورنه هدایت چه معنی داشتی بالضرورت تقاضا و پنهانی از ره طبیعت انسانی باشد اکنون اطلاق هدی نیز بکتاب الله درست آید و دعوی فطریه امرونی اجمالی هم راست گردید و بحکم پس ازین سوال حال که از لفظ متقین می تراود چه دلالت بر نوعی از طلب دارد ب تقاضای وعده ادعوی استجب لکم بذمه رحمة غیمه لازم آید که بیان مقصود اصلی طبیعت انسانی کرده آید و حسن از قبح و خیر از شر جدا کرده شود بدین سبب انزال کلام الله ضرورت اقتاد و هدی گفتش سزاوار شد اعنی را می که می طلبیدیم دیدیم و این ظاهر است که بنا بر این احترام بر قبح اشیا است یا آنکه خلاف مرضی خداست تعالی و تقدس اگر اول است چه حاجت که دلیلی بیاریم و اگر ثانی بنایش آخر کار برین میاریم که آن قبیح است ورنه اگر بر امرونی دیگر معنی داریم دور لازم آید یا تسلسل باقی ماند اینکه بوجه باشد این امر ممکن بود اگر خداوند کریم حکیم علیم بود نه باقی کتاب را باین معنی که انجام کار باعث دخول جنه و موجب رضا خدا خواهد شد هدی للمتقین گفتن بخواب خفتگان ماند این معنی و این لفظ این جمله را باین معنی چه کار سوم اینکه در آیت اتبعوا احسن ما انزل الیکم من ربکم

اشاره لطیف است باین طرف که در طبیعت انسانی رغبتی بجانب حسن نهاده اند اندرین صورت
 لاجرم نفرتی از قبیح نیز در طبیعتش ودیعه باشد ودانی که مصداق رغبته و نفرة همان تقاضا و پنهانی
 که گفته ایم و در امر و نهی بجز تقاضا و طلب دیگر چه باشد چارم اینکه کار پرداز می هدایت که بذمه خود گرفته
 اند چنانچه می فرمایند ان علینا للهدی و هم ازین جهت انبیاء و رسل و کتب و صحف را فرستاده اند
 چنانچه فرموده اند هو الذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق الخ یا ان هذا القمآن یمدی
 للقی می واقوم اگر دیده باریک بین بود همین جانب مشیر است که آن طرف علم اجمالی قبل ازین تفصیل است
 و چون نباشد اجمال قبل تفصیل می باشد تفصیل این اجمال آن است که هدایت را گم کردگی راه ضرر و
 افتاد و گم کردگی راه را طلب راه مقصود لازم اگر طلب راه نیست راه را چه گم کرد باز هدایت دوار
 که ام مرض الغرض بوجه کثیره وجود طلب اجمالی مقرر است اگر طالب ذکی است مطلب جلی است
 نه یاده نوشتن چه حاجت این قدر هم پس است وقت آنست که باز پس رویم و به بیان مشرق
 احکام که بر عود است متوجه شویم باید دانست که شهادة کرمیه و ما خلقت الجن والانس لایعبدا
 و آیه و ما امرنا الا لایعبدا الله مخلصین له الدین مراد از جن و انس همین عبادة است باقی
 مانند اینکه عبادة چیست در بادی بالنظر چنان می نماید که مصداق عبادة فعل است لیکن دانی که اگر
 حقیقة عبادة همین افعال بود مخلص و منافق و کامل و ناقص همه بیک پله سنجیدند و
 بیک مرتبه رسیدند چه صوم و صلی و حج و زکوة همه بیک صورت می باشد لاجرم مصداق
 عبادة قصد اطاعت خواهد بود چنانچه آیه لا یستوی القاعدون من المؤمنین غیر اولی الضرر
 و المجاهدون فی سبیل الله نیز برین قدر شاهد است چه مفهوم مخالفت غیر اولی الضرر همین است
 که اگر باعث قعود ضرر اعنی مرض و غیره عذری قابل اعتبار است استوار مدارج قاعد است ایم
 ضروری است و انتساب قعود بجانب ضرر وقتی متصور است که قصد داشته باشد اما مرضی
 مثلاً مانع تعلق قصد بفعل است و نه آن قعود بوجه عدم القصد خواهد بود آن عدم بهر وجه که باشد
 و کتابه ثواب و ظیفه که مرض مانع از ان شده چنانچه احادیث بر آن شاهد است نیز مویحه

این سخن است و همچنین حدیث انما الاعمال بالنیات و حدیث تبلیغ بمرتبة شهادة کسی را که تمنائی شهادت داشت و باز روی خود نرسید و بظاهر این دولت نیافت مدد این دعوی میفرماید لیکن ادا آن جا که هر چیز را در تحقق خود از شرط و وجود خود ناگزیر است لازم آمد که مدار ثواب و عقاب که در حقیقة ثمره عبادت است چنانکه دانستی بر علم اجمالی باشد چه علتی موجب برای قصد همان مسلم اجمالی است پس بان اگر پس از علم اجمالی حالت منتظره در تحقق قصد ظاهر غرض بودی جائی عذر بود چون علم اجمالی بنسبة وجوب و حرمة در تحقق قصد کافی است باز چه حاجت که انتظار علم تفصیلی کرده آید بان این و تدبر مسلم که تعلق قصد بکاری تا وقتیکه علم تفصیلی نداشته باشد محال لیکن تعلق چیز دیگر است و تحقق چیز دیگر بالجمله ماده وجوب اصل مندرجیه همان علم اجمالی است و آنچه واجب است همین قصد است پس لیکن چون تعلق قصد موقوف بر علم تفصیلی است بعد وجوب سقوط رو میسر مگر ظاهر است که سقوط خود دلیل وجوب است بی وجوب سقوط صورت نه بند و بعد آنکه قصد فعلی متعلق شد بعد فعل حسب عادة خداوند خالق لازم بالجمله نفس وجوب بر علم اجمالی می آید و وجوب ادا پس از علم تفصیلی تشریحی گیر و از این جا معنی و مآکننا معذبین حتی نبعث رسولاً دانسته باشی غرضم این است که این کلام بشرط ذوق بر تحقق استحقاق عذاب قبل بحث رسل هم دلاله دارد این چگونه باشد صورتش همین است که عرض کرده شد بالجمله ثواب و عقاب بر قصد است و علم اجمالی علت تحقق اوست و علم تفصیلی واسطه تعلق او تا وقتیکه علم اجمالی است و نوبه علم تفصیلی نرسیده فقط وجوب است و در صورتیکه علم تفصیلی بدان منضم شده از وجوب بوجوب ادا نوبه می رسد اکنون می باید شنید که اگر شخصی ذهن سلیم و طبع مستقیم چنان داشته باشد که قبل نزول وحی حدود و میاکل بعضی افعال او را منکشف می شود چنانچه نبی را اکثر و بعضی تابعش را گه و بیگاه این چنین پیش می آید و این دعوی به نسبت حضرت رسول الله صلی الله علیه و سلم از قصه تسنن قیام رمضان و دیگر سنن جوید است و دیگر می تواند شد انشاء الله بآتی مانند دیگران حضرت بلال را رضی الله تعالی عنہ تبحر الوضوء در دل افتاد و حضرت حبیب را رضی الله عنه نقل قتل بدل آمد و حضرت عمر رضی الله عنه

در اکثر امور قبل ورود شرع و نزول وحی دل بدان سورت که حقیقه الحال بود این چنین اشخاص را شائبه از وجوب ادا در می گیرد اگر آن اعمال از قسم اعمال واجب باشند و نه هر قدر از حسن که داشته باشند مناسب آن غنیمت بدان نور و خواهد نهاد و دلیلیش همان است که پیشتر گفته شد مگر چون در علم انکشافی نیز علیکه بواسطه وحی باشد هر علم که بود در محل خطرست ممکن که از طبیعت یا از شیطان و وسوسه خاصه باشد و هر چه بدین آید خطائی اجتهادی بود و ورود وجوب همان قدر کمی است نبی باشد یا ولی غرض بقدر تفاوت اذعان و تفاوت انکشافات در وجوب هم تفاوت می باشد علاوه برین ایجاب حسن و تحریم قبیح بزمه خداوند احکم الحاکمین واجب نیست تا بحد اطلاع حسن و قبح چیزی بندگان مطیع فرمان کاربندی آن لازم آید می توان شد که بگرداند حسن را حرام و قبیح را واجب سازد بان این قدر مسلم که در باب ایجاب و تحریم عاده خداوندی همین است که بهر چه حسن است امری فرماید اگر لعمریفرماید و از هر چه قبیح است منع می فرماید اگر منع می فرماید چنانچه آیت ان الله یامر بالعدل الخ و آیت قل ان الله لایامر بالفحشاء اگر ذوق فهم باشد بر این قدر دلالت دارد و اختیار ضمیمه مضاعف که برای تجدد موضوع است عمده اشاره بآنست لیکن ازین چه لازم که اختیار از دست قادر مختار رفته باشد بلکه کاربندی و طاعت و پابندی عاده خود دلیل است بر اختیار و ضرورت عجز از کار و عدم کردن و تا کردن هر دو پیوسته سری می باشد که تنزیه خدائی قدوس از ان لازم و واجب بالجملة تعطیل عباد و طاعت قصه وجوب حرمت از ان بے نیاید مطلق ممکن و چون نباشد گنهگاران را از همین بے نیازی امید در گشت و فرمان بردار آنرا همین بے پنداری از غم در مگر فقط نظر بر حسن و قبح چیزی را واجب بود و حتماً امرش همچنین نتوان گفت و تا آنکه نص قاطع برسد امثال یا احتراز ضروری نباید پنداشت البته وجوب طاعت و حرمت معصیت همچو حسن و قبح طاعت و محبت عقلی است چنانکه گفته شد و نه دود لازم آید یا تسلسل لیکن در مفهوم طاعت و معصیت خود بر تحقق امر و نهی دلالت موجود است چطاعت و معصیت همین امثال امر و نهی مخالفه امر و نهی را گویند اندین صفة طاعت و معصیت را تقدم امر و نهی لازم افتاد بان معروضات مفهوم طاعت و معصیت که ذوات افعال حسنه و قبیحه است قبل عروض مفهوم طاعت و معصیت

اعنی پیش ورود شرح شریف و نفاذ امر و نہی و نزول اجلال و حی ازین لزوم دور و رمی روند نظر برین
 ایزد ابر آن قیاس نمودن راه و سوا س پس میودن است و اگر کسی را این اندیشہ در فکر اندازد کہ موجب
 اطاعت امر و نہی فقط حسن است چنانکہ دانستہ شد پس چه فرق بمیان آمد کہ اتباع او امر و نواہی
 لازم افتاد و اقتدار حسب اقتضا حسن و قبح لازم نشد جوابش این است کہ حسن و متعارف و مقتضای
 اشد کہ عین اتباع او امر و نواہی است از حسن ماہیات افعال بدرجہا قوی است چہ منشأ حسن
 ابتداء مرصعات المد محبوبیتہ خداست و منشأ اقتدار مقتضا حسن و قبح افعال بر محبوبیتہ آن افعال
 است و فرقی کہ میان خالق متعالی افعال است ہویدا است پس ازین مخالفہ او امر و نواہی با مقتضای
 مذکور ممکن و مخالف است او امر و نواہی با دامن و نواہی دیگر متصور نیست نظر بر این قبل از ورود شرح شریف
 مطمئن نتوان شد ممکن است کہ قصہ برگردد و پس از ورود شرح شریف اندیشہ انقلاب از میان
 برخاست اکنون ہمیدہ باشی کہ انجہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد نزول آیتہ ویسئلونک عن الخمر
 و المیسر قل فیہما اشہر کبیر و منافع للناس الخ فرمودہ اند اللہ صمدین لنا بیان شفاء چنانچہ در تری
 شریفہ در تفسیر سورہ مائدہ مرویست بنا بر آن بر ہمین نکتہ دقیقہ است و اللہ اعلم اگر وجوب حرمت یا
 استحباب کراہت بطور مذکور لازم حسن و قبح ہوے در بارہ ایجاب و تحریم بیان قلت منافع
 و بزرگی مضار خمر و میسر کافی بود باز استدعاء بیان شالی چہ معنی داشتہ اکنون باید شنیدیم
 دہم می دانند کہ ارسال رسل و انزال کتب و تفصیل احکام از حلال و حرام و تمیز خیر از شر مہافت
 اعتقاد اہل حق بزمہ خدای برحق واجب نیست چہ حق کسی بزمہ خود ندارد و وجوب حق را ضرورت
 کہ از جانب مستحق نفی بجانب مستحق علیہ رسیدہ باشد ان حق را اگر مقتضای چیزی گویند کہ خود در
 جانب او تعالیٰ باشد مثل صنفہ حرمت و غیرہ کہ آثار خاصہ معلومہ یا مقتضی است البتہ میتوان گفت
 کہ ارسال رسل و انزال کتب و غیرہ و اعطاء ثواب مثلاً حق است یا عدم تعذیب بشر طیکہ زندگان
 مشرک نباشند حق بندگان بر خداست مگر این چیزی دیگر است و حق مقتضی و ہب چیزی دیگر
 سہذا وجوب را موجب بکار است و حرمت را محرم در کار اگر وجوب را بزمہ خدا نخواستہ انداختہ موجب

از کجا خواهند آورد بالا ای خدای بنسج الدجات لا شریک له خدای دیگر نیست که تو هم ایجاب تحریم و وجوب حرمت بل راه یابد و چون از اصل ارسال رسل و انزال کتب در جمله احکام و تفصیل و تفسیر حسن از قبح یک ذره بزمه خدا واجب نشد اگر تفصیل اکثر حسان از افعال قبیحه کرده و حی را باز دارند تفصیل بعضی حسنات و سیئات سکوت در زند می توانست پس اگر ماهیت از ماهیات افعال چنان باشد که در محاسن با ماهیات فرائض می سنجد اما از جناب او تعالی و تقدس پرده از حقیقه آن حقیقه نبرد داشته اند موافق و معصود و ما کنا معذبین حتی نبعث رسولا تارک او مثل تارکان فرائض معذب نخواهد شد اگر چه حضرت رسول کریم صلی الله علیه و سلم حسب انکشاف خود از حقیقه حال و محاسن و مآل آن افعال خبر داده باشند چه انکشاف انبیاء خصوصاً سرور انبیاء صلی الله علیه و سلم هر چند درباره صحت و یقین شریک آن وحی باشد که از جانب او تعالی و تقدس بطور رسالت و پیامسانی فرود آمد اما از قسم رسالت و پیامش نتوان گفت اندرین صورت این بیان واجب الاذعان آن سرور و جهان صلی الله علیه و آله و سلم متعلق بمنصب رسالت آن رسالت پناهی صلی الله علیه و آله و سلم نخواهد بود بلکه منشأ آن خیرخواهی و حقیقه آگاهی آن قبله گاهی صلی الله علیه و سلم خواهد بود که آیه لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حمیم علیکم بال مؤمنین مؤثف رحیم از آن خبر داده اند مگر این هم هویدا است که بمقتضای محو ماهیات اگر عقاب خواهد بود عقاب اگر کمتر از آن است و در اصل همان بدو اولی اقتضای خواهد نمود پس در صورتیکه عقاب را برداشتن و درباره نفی عقاب هیچ نفی نموند درباره عقاب محو ماهیات بر مقتضای خود خواهند ماند پس اینکه شنیده باشی که تارک ستمه موکرم معاتب است نه معاقب ازین جاست که معروض شد علاوه برین در صورتی که تارک عقاب از لوازم ترک است و نفس تا کید اتباع ستمه از آیه قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی يحببکم الله ویغفر لکم ذنوبکم والله غفور رحیم و هم از آیه لقد کان لکم فی رسول الله اسوة حسنة لمن کان یرجو الله و الیوم الآخر و ذکر الله کثیراً اگر فهم سلیم باشد هویدا است درین آیه شرطان کنتم تحبون الله و دران آیه صله

لن کان یرجو الله والیوم الآخر و ذکر الله کثیراً این دو کلمه بمبایانی تارکان دلالتی دارد که
 مہر س دلالت ثانی ظاہر است باقی ماند دلالت اول اگر آیت والذین یامنوا عند حبنا الله را باین آیه
 فراہم آرند و باز نظر برگارند انچه گفته ایم صاف ہویا می شود و این انداز بے نیازی کہ لرزہ براندام
 نیاز مندان عبودیتہ شعار می افکند اگر عتاب نیست بگو کہ صحت محقق قابل گمش زدن مانده آن مانیکہ
 عتاب را چہ ضرور است کہ ما ہیبتی از افعال باشد چنانکہ گفتی و باز توبہ مطالبہ از جانب الوہ تعالیٰ
 ہم نرسیدہ باشد فقط حضرت رسول اکرم صلی علیہ آلو سلم از حقیقہ حال مطلع شدہ مطلع
 فرمودہ باشند می تواند کہ حسن وقع از قسم کلی مشکک باشد و ہمین است اگر عقل سلیم و ذہن
 مستقیم باشد درجہ از حسن وقع مستعار فرضیہ و حرمتہ بود و درجہ دیگر کہ فرد تر از ان باشد موجب
 تاکید و کلامتہ و حسب مدایج محاسن و قبائح امروہی خداوندی بدان تعلق یافتہ ثمرہ ترک فرائض
 عقاب نتیجہ ترک مکات عتاب بود لیکن ہمہ از جانب خدا تعالیٰ بوندہ آنکمان از جانب خدا تعالیٰ
 است این از طرف رسول اللہ صلی علیہ وسلم بحواب ان سخن مخفی دیگر بشنومانی گوئیم کہ ہر چہ
 تارک آن معاتب است ہمین طور است کہ ما ہیبتش ہم سنگ فرائض است در محاسن و امر
 خداوندی بدان تعلق نیافتہ فقط تاکید نبوی بطور خیر خواہی کہ مبنی بر انکشاف حضرت ایشان است
 صلی اللہ علیہ وسلم باعث بر آن گردیدہ بلکہ ہر چہ سنتہ است آنچنان است کہ گفتیم ما ہیبتش
 چنان و کیفیت تعلق امروہی بدان چنین و ظاہر است کہ سنتہ ہمان است کہ با حضرت صلی علیہ
 علیہ وآلہ وسلم فقط انتساب خطاب اردورنہ اگر نظر بجز عمل نبوی سنتہ نام نہاد و رفا
 در فرائض چہ نقصان است کہ سنتہ نام نمی نہند بلکہ بمقابلہ سنتہ می نہند ان تعریف بعض
 اکابر اگر بر قسم مذکور ادا مورات خداوندی راست آید من نمی گویم کہ جملہ تعریفات سنتہ جامع و
 ملن است آخر تعریف بالا علم ہم در بعض مواقع جائز می شود با این ہمہ اگر نزدیکی قسمی از افعال
 بہستبار تعریفی مسمی بسنتہ باشد و نزد دیگری باعتبار تعریفی مسمی باسم دیگر مثل نفل یا
 سکتب یا اسمی ندارد انجام آن بجز نزاع لفظی چہ خواہ بود بالجملہ کلام مادرین است کہ ہر چہ

سنة ست این چنین است چه مفهوم سنة چنانکه ذاتی اقتسابی خاص بذات پاک حضرت
 لولاک صلی الله علیه و علی آله وسلم می خواهد که بے طوطه مذکور برابر راست نمی آید مگر آنکه در تسمیه لحاظ
 مفهوم سنة نکند یا گویند که احتمال مذکور فقط احتمال محلی است در نقل یافته نمی شود اگر چه یافته شود
 و گویند لا مشاحه فی الاصطلاحات بالجمله فرض و سنة موکرم باعتبار حسن ذاتی از یک نوع
 می باشند فرق اگر می باشد فقط همین قدر می باشد که در باره یکی پروانه سرکاری رسیده
 و بدین حساب تارکش محل عقاب گردید و بنسبت دیگری همچنان گذاشته اند مگر چون این مضمون
 بی آنکه از شرح نوع فرائض چیزی زیر قلم کشیده شود و استطراد از ماهیة واجب هم چیزی
 عرض کرده شود از هم نمی کشاید و کاری بر آید این قدر خود محقق است که خداوند تعالی علیم و حکیم
 است و بهم متحقق است که فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمة درین باره زبان درازی و سخن پردازی تطویل
 لا حاصل است آنکه بهره از دین و علم دین میدارند می دانند و با بهیوده سران کار ندیم نظر بر
 این ضرور است و بر ضرور است که هر چیزی را بر مرتبه خود نهاده باشند و این طرف هوشیار
 این راه را معلوم است که در دینیات اگر یک مقصود بالذات است در برابرش امری مقصود
 بالعرض هم نهاده اند و چون نباشد در عالم اسباب هر چه هست دین باشد یا دنیا علاقه بعبد و
 مسببیه را تضمین کرده اند و کاری را بکاری گره داده اند تا ذاتی غنی عن العالمین بهیست که همه را
 آفرین باجمله عالم اسباب را که همانا عالم امکان است قطع نظر از احتیاج الی الواجب با احتیاج
 دیگر که مابین یک دیگر نسبیه فرموده اند حاجت افتاده تا وحدانیت او تعالی در باره غنا عن العالمین
 بجای خود ماند این قضیه هر چند بدیهی است مگر با کسانی کاری افتد که دم را از سر نمی شناسند
 تا به تمیز سبب از سبب و موقوف از موقوف علیه چه رسد تا وقتیکه یک دو مثال اطمینان
 خاطر نکرده شود از غنا نخواهند فرمود بدین وجه بطور شتی نمونه از خرواری یک دو مثال اول عرض
 کرده می شود و باز دشمن تقریر اصل مطلب مویات این مطلب معروض خواهد شد علم را همه
 دانند که مقصود بالذات نیست فقط ذریعۀ تعبد است و بذات خود از تعبدات هم نیست چنانکه

بدیهی است در نه هر نوع علم که باشد عبادات شدی با این همه تعبد را ضرور است که متضمن تعظیم و تکریم باشد چه تعبد از اصنافیات است و تحقق مقابلات تقابل تضائف را لازم است که یکی دست بگریبان دیگری باشد اعنی یکی بے دیگری متحقق نمی توان شد و مقابل تذل خود تعظیم دیگری خواهد بود نه امر دیگر و ظاهر است که علم ازین قصه خبر ندارد در تحقق علم دهر و عالم و معلوم و تعلق مبدا و انکشاف عالم بمعلوم کافی است به تعظیم و تحقیر خویش یا دیگران سر و کاری ندارد بالجمله علم هر کجا که باشد ذریکه احوال با وسیله افعال می باشد آن احوال و افعال حسنات باشد یا سیئات از دین باشد یا از دنیا اندین صورت مابین آن احوال و افعال همین علاقه بسببیه و مسببیه خواهد بود همچنین رفتار مسجد و غیره و گفتار پند و غیره و اعداد آلات جهاد و غیره از اسباب و ذرائع قریبه یا بعیده تعبدات است نه اصل علم تعبدات این هم ظاهر است که مقصود بالذات درین اقسام تعبدات است نه ذرائع باعتبار عقل این قضیه محتاج دلیل نیست باعتبار نقل اگر مبنی آیت و ما خلقت الجن والانس الا ليعبدون و آیه و ما امرنا الا ليعبدوا الله مخلصین له الدین بهراشیات این دعوی کافی است مگر دانی که مقصود بالذات از اشیا امر که به هیئیه اجتماعی می بود و نظر اولی در ترکیب بر هیئیه حاصل می باشد و اجزاء آن اشیا امر که مابین نظر که متممات و مبادی و ذرائع و وسائل آن هیئیه می باشند مطلوب می گردند؛ نه بذات خود لیکن چنانکه اجزاء شکل و صورت انسانی مظاهر و آلات کمال پنهانی اوست چه گوش مثلاً مظهر و آلات سامعه و چشم مثلاً مظهر و آل باصره است همچنین ارکان این صلوات و غیره مظاهر احوال روحانی و کیفیات پنهانی است که در مقابله عظمت و علو که مثلاً در رکوع و سجود ملحوظ می باشد افتاده و وحش چنانکه دانی ظاهر است زیرا که عبادت تعبد نام همین احوال و کیفیات است هر قدر که باشد نه این افعال و نه در مخلص از منافق چه فرق بود و همین است که لا صلوات الا بحضور القلب، یا انما الاعمال بالنیات فرموده اند لیکن چنانکه در شکل انسانی علاوه هیئیه اجتماعی مطلقه کبی این ترتیب معلوم و اوضاع معلومه هم پیلا می توان شد هیئیه اجتماعی خاص هم مطلوب است که

در تحصیل از مقدار معلوم اعضا و اعضاء متعینه اجزاء ناگزیر است همچنین در اعمال تعبیدیه و راد
 هیئته اجتماعی مطلقه که با اجتماع کیف با اتفاق قیام و قعود و رکوع و سجود حاصل می توان شد همیشه
 خاص مطلوب است که بعد لحاظ مقدار خاصه که معبر باطمینان است و اوضاع مخصوصه که مفسر بر تریب
 آن بدست توان آورد و چنانکه از کمالات انسانی مهت جمال هیئته ثانی است در افعال نیز مصداق
 جمال همانست لیکن پیدا است که کمالات مخصوصه اعضا معلومه که با اعضا معلومه نسبت روح با بدن
 دارد تناسب اگر هست آن چنان است که در اجزاء نسخه باعتبار کمیت اوزان می باشد که منشاء تناسب
 مدایج کیفیات آن اجزای بود نه باعتبار وضع مخصوص هم چه وضع را قابلیت وضع ضرور است و
 وضع این جا چنانکه دانی مفقود و اگر باعتبار وضع هم باشد لحاظ تقدم و تاخر طبیعی خواهد بود که ما را درین
 نقص ازان کاری نیستاده تا حرفی ازان زیر قلم کشیم اندرین صوره اعضائی معلومه را دو پهلوی آید یکی
 کمالات معلومه دوم هیئات مخصوصه آن هم در مواقع متعینه باعتبار اول از آلات کمالات است
 و باعتبار ثانی از مبادی و متمات جمال اگر بالفرض چشم و گوش را باین هیئته که می بینی یا درین
 مواقع که می بینی نیایی باعتبار اول کی و نقصان را نخواهی یافت اما جمال صورت نخواهی یافت
 مثلاً اگر چشم در مقدار و هیئته مثل چشم مگس و گوش چون گوش خر باشد یا ازین مواقع که در آن واقع
 است گردانیده بجائی یکی دیگری بدهند یا بجائی دیگر بزدند هر چند باعتبار کمالات مخصوصه نقصان
 پیدا نشد اما باعتبار جمال اگر دین کشاده بینی بدانی که آن دولت از دست رفت لیکن این هم
 دانسته باشی که نظر چشم اولاً باعتبار اول است اگر باین هیئته خوب این اسلوب از قوه با صوره
 تهی باشد بحساب تو غلظه چشم مضغه گوشت بیش نیست بالجمله صورت اگر مطلوب است
 اگر چه محبوب باشد پس از کمالات معلومه مطلوب است و چون نباشد رتبه آله بعد رتبه فاعل
 است لکن از توابع اوست و مرتبه منظر بعد مرتبه ظاهر و دانی که حقیقت انسانی ظاهراً درین مظاهر است
 که عبارت از اشکال جسمانی است این کمالات او فائض ازین آلات است که معبر با اعضا است
 چون این قدر بشنیدی گوش را نزدیک تر کن که قیو این همه مقدمات بر تو عرض کردیم

بشنو که نفس چشم و گوش قطع نظر از هیئات مخصوصه و مواقع معلومه و مقدار متعینه از ضروریات
 حقیقه انسانی است چه نظر اول بر کمال است چنانکه دانستی اگر خدا نخواسته یکی هم از این اعضا
 و اجزاء نباشد از کمالی بیش بهای که واقعی از ممتات حقیقه انسانی است محروم بماند چه حقیقه
 انسانی نام مجموعه همین کمالات است مثلاً ظاهری باشد یا باطنی باین اعتبار این اجزاء و
 اعضا را اگر ارکان یا فرائض خوانند بجا است و اگر اعضاء معلومه همه باشند اما این چنین
 نباشد هیئتی دیگر یا محل دیگر بود خلی بکمالات نمی رسد اما بحال صورته از دست می رود
 باین اعتبار اگر ترتیب معلوم را از ضروریات حقیقه انسانی که باطن آنست نشاند از کمالات
 حسن ظاهری دانند و بهر فرق مراتب و تمیز حقائق یکی از دیگری این قسم را واجب نام نهند
 زیباست و مراد از واجب آن دارند که از کمالات و ممتات صورته مقصوده باشد که مصداق
 جمال است و عدم آن مصداق قبح که بکروه تعبیر توان کرد چه اگر گویند که ما مثلاً این شئی یا آن شئی
 مکروه می نمایم مراد همین باشد که قبیح و زشت نبون می نماید که در یک مفاد شریک اند لیکن هر چه
 این چنین است از ضروریات جمال است که بدرجه ثانیه مطلوب ضروری نه از ضروریات کمال
 که بدرجه اول مقصود و لابدی است بدین سبب ضروری شد اما در درجه ثانیه و همچنین عدم او
 از مفسدات جمال مذکور است نه از مفسدات کمال مسطور و مبطلات او با بطل کمال هم ضروریست
 و جمال هم ضروری عدم او مفسد حقیقه است و عدم ثانی مبطل صورته چنانکه در حقیقه و موجوده
 فرق است همین قدر در فرض واجب فرق باید دید و همچنین در احکام و جود و عدم هر دو تمیز باید کرد
 با بطل هر چیز را درین عالم معنی است و هر معنی را صورته باز در اشیا و مرکبه مقصود بالذات باعتبار
 معنی هیئته اجتماعی معانی متعدده و باعتبار صورته هیئته اجتماعی صورته می باشد پس باعتبار اول
 معانی متعدده که با اجتماع آن هیئته مشار الیه پدید آمده از ضروریات است و عدم آن معانی
 از مبطلات آن و باعتبار ثانی صورته می باشد که با اجتماع آن صورته اجتماعی مشار الیه پدید آمده
 صورته متناوعه از ضروریات است و عدم آن از مفسدات آن با بطل ما هیئته اجتماعی را از معنی

کمال و از صوره جمال نام نهاده می گوئیم که مقصود بالذات از اشیا مرکبه درین عالم فقط کمال و جمال است و بس هر چه جز این است متتم این است یا مکمل آن چه مراد بقصود بالذات آنست که آن تحصیل امر دیگر نبوده بلکه امور دیگر آن تحصیل آن باشند و این چنانکه دانی در کمال و جمال متحقق است نه ذرائع و وسائل و آلات و متمات آن مگر چنانکه پیشتر دانسته مصداق کمال کیفیت اجتماعی حاصله است که بعد اجماع اجزاء چند خود بخود پیدای شود حاجت تحصیل دیگر نمی افتد و همچنین مصداق جمال هیئته اجتماعی حاصله است که پس از اتصال مقادیر چند با و صنایع چند بی انتظار امر دیگر خود بخود عارض میگردد و ضرورت استحصال تازه نمی افتد نظر برین فقط نظر بر اجزاء و متمات و مکملات آن و این کردند و مدارک را طلب بر استحصال اجزاء و کمال و تحصیل جمال نهاده مگر چون اولاد بالذات نظر بر کمال است و ثانیاد بالعرض نظر بر جمال چه اگر چشم نیکو نظر باین شوخی و وضع و پیکر که دانی از نور نظر تهی باشد بحساب صاحب چشم مضغه گوشت است و مغز بی پوست لهذا حال مکملات کمال و متمات جمال نیز در باره مد نظر بودن بهمین نسبت باشد اکنون می گوئیم که در مجموعه دین نظر کنیم یا در نوعی ازان مثل صلوات خمس یا در فعلی خاص مثل صلوة ظهر و عصر و غیره لاجرم بنوعی از کمال و جمال مشتمل خواهد بود و رند دعوی احسن الخالقین بودن خداوند تعالی دعوئی صرف باشد نفوذ باشد و همچنین ارشاد و اتبعوا احسن ما انزل الیکم من ربکم یا وعدة و لیکن لهم دینهم الذی ارتضی لهم که هر دو بر احسن مرتضی بودن این دین دلالت دارد تغلیط محض باشد تعالی الله عن ذلک علوا کبیرا اندرین صوره هر چه جز که از مکملات کمال است اگر از طرف شایع مطلوب خواهد بود بدرجه غایت مطلوب خواهد بود چه مدارک تحقق حقیقه مطلوبه که همانا آن هیئته کمالیه است بر همانست اگر هست و اگر نیست نیست زیرا که هیئته اجتماعی را با جزاء مکمل خود همین طور ارتباط است چنانکه پیداست و بدین وجه اگر آن را فرض یا رکن خوانند بجا باشد و همچنین آنچه که از متمات جمال است اگر از طرف شایع مطلوب خواهد بود بدرجه فروتر از اول مقصود خواهد بود چه بر هست و نیست این قسم

اگر موقوف است وجود و عدم جمال موقوف است و آن خود اگر مطلوب است در درجه ثانیه مطلوب است یعنی بنا بر حسن صورة بر آنست نه ابتنا کمال حقیقه تا وجود و عدم آن تحقق بطلان اصل لازم آید بدین وجه اگر هر فرق مراتب این قسم از کان را واجب نام نهند مستحسن باشد و چون مقابل تحقق بطلان است و مقابل جمال قبح به تحقق قسم اول وجود حقیقه که در حقیقه مابیه تحقق و سرایه تحقق همانست و به عدم بطلان حقیقه و تحقق قسم ثانی تحقق جمال و عدم آن قبح صوره لازم خواهد آمد و همین مفاد فرض واجب چه فرض صلوة مثلاً رکوع و سجود اگر میسر آید نماز میسر آید و نماز باطل شد و واجب ملحق مثلاً ترتیب و غیره اگر میسر آید فیهما ورنه مکروه شد که بعینه ترجمه قبیح است و چون قبح در مقابل جمال افتاده لاجرم در صورت ادای واجبات بجای قبح که ترجمه کراهت است جمال خواهد بود غایه مافی الباب ما را دیده ادراک این کمال جمال این حسن و قبح نداده باشند مگر ازین قدر انکار این معنی نتوان کرد تا بنیایان را هم دیدن بسر نهاده اند و نور بصر نداده اند مگر بنیایان صادق هر کرا حسن و قبیح می خوانند و اوشان همچنان می دانند و ازین جا کمی واجب از فرض اعتقاد و تساوی آن با فرض علانی و نیز شناخته باشی چه واجب هم چنانکه دانستی از ضرورت یا است ورنه قبح لازم خواهد آمد که انجام آن بر عدم قبول است و علی که مقبول نیست بودن و نابودش برابر است معیناً اینجا کلام در صوره است نه در حقیقه چه صوم و صلوة و غیره اعمال فنی و افعال مخصوصه هر یکی ازین همه از قسم صوره است اگر فرق است همین قدر است که بعضی اشیاء مثلاً رکوع و سجود مظاهیر کیفیات خفیه باشند چنانکه چشم و گوش انسانی مثلاً مظاهیر قوای پنهانی است و بعضی امور مثلاً ترتیب و غیره مظاهیر کیفیات قلبیه نباشد چنانکه اذعان چشم و گوش یعنی این ترتیب این مقدار مظاهیر کیفیات پنهانی نیست چه اگر بالفرض این دغ و این ترتیب نباشد در کیفیت کمالیه نقصانی راه نمی یابد آن هیئته کمالیه بدستور قدیم می ماند و بزبان حال الان کماکان می گوید مگر ازین فرق بجز اینکه فرق مراتب ضرورت پیدا شد دیگر چه هویدا است بالجمله صوره از ضرورت است فقط نظر بر حقیقه نیست ورنه حاجه افتراض صوم و صلوة و رکوع و سجود چه بود غایه مافی الباب

صورت اگر مطلوب شد بغرض ظهور حقیقه مطلوب شد اعنی حقیقه را بهر کاری ساخته اند که اگر این نظام نباشد آن کار و آن آثار ظاهر نمی توان شد چنانکه از مثال چشم و گوش روشن شد مگر چون صورت بغرض کمال یا ظهور کمال ضروری شد جمال که بغرض هیچ کمال مطلوب است چون ضروری نخواهد شد فرق اگر باشد در مراتب ضرورت باشد نه آنکه از سر حد ضرورت خارج شده بمرتبه فروتر افتاده مگر این فرق خود در فرض موجود است نه بینی که صلوة بنسبت دیگر عبادات زیاده تر ضروری است بالجمله این فرق اعتقاد و تساوی عمل در فرض و واجب فرق بطلان و قبح در ترک آن هر دو که بشنیده باشی بطوریکه عرض کرده شد موجه شد و حاجت تفریع بر ثبوت قطعی و ظنی مانند بلکه احکام مذکوره را اگر بغور دیده شود بدل می ریزد که مدار آن بر آنست که این هیچدان بیان کرده نه بر آنکه از قصه ثبوت قطعی و ظنی بگوشش تو رسیده و نه اگر فرق اعتقاد و تساوی عمل بطور مذکور راست می آید فرق بطلان و کراهت و وجوب تکرار در صورت ترک واجب عمد او اکتفا بسجده سهو در صورت سهو چنان منطبق خواهد آمد چه مفاد ثبوت ظنی فقط همین قدر است که علم این معلوم مثل علم فلان معلوم قطعی نیست مگر دانی که این فرق اگر هست بجانب علم است نه بجانب معلوم تا فرق احکام مذکوره - که واقعی احکام معلوم است نه علم لازم آید و این بدان ماند که در آب مشکوک بنسبت آب طاهر یا نجس فرق می باشد چه این فرق در مرتبه علم است نه در مرتبه معلوم در مرتبه معلوم اعنی در واقع آب مشکوک هم ازین دو قسم است طاهر است یا نجس قسم ثالث نیست تا فرق احکام مرتبه معلوم لازم آید و فرق احکام علمی فقط همین است که در قطعیه انسان مخاطب با احتیاط نیست و در ظنی مخاطب با احتیاط است پس مقتضای احتیاط در صورت ثبوت ضرورت فعلی بطرز ظن آن بود که اگر آن فعل متروک شود باز اعاده کنند سهوا ترک کرده باشد یا عمد چنانکه پیدا است نه اینکه سجده سهو در سهوتلانی کنند در صورت عمد مکرره دارند اما اصل را ثابت و متحقق انگارند مگر آنکه فهم نارسا را این نابکار بمقصود اکابر نرسیده باشند و ازین هم در گذشتیم مگر این را چه باید کرد که رسول الله صلی الله علیه و سلم نیز سجده سهو کرده اند پس اگر بنا بر سجده سهو بر ترک واجب است

چنانکه مسلم است واجب آنست که دلیل ظنی به ثبوت پیوسته عامل کلام آن شد که رسل الله علیه وسلم را هم با این شتایع وحی و تساوی اجتهاد نبوی با اودد متین هنوز در بعضی احکام علم یقینی حاصل نبود الغرض اگر فرق مذکور است می آید بنسبت امت مرحومه راست می آید اما بنسبت رسول الله صلی الله علیه وسلم این قسم فرق متصور نیست والله اعلم بالصواب بالجمله اگر عقل صاف دیدن انصاف باشد پس از مشاهد یا استماع تقریر مسطور ناظر و سميع را درین امر تا ملی نمی ماند که مجموعه دین را بهیئته اجتماعی گیرند یا انشاع مخصوصه را مثل صلوات خمس و آنرا هم مجتمع باعتبار زمانه مخصوص معتد به لحاظ کنند چنانکه صلیق یک دوده از اودا و فلک دوار یعنی نمازهای لیل و نهار یا باعتبار افعال و اخلاصه دران از قیام و قعود و رکوع و سجود بهر حال مثل دیگر ماهیات مرکبه حقیقه دارد و صورته که منظر آن حقیقه می باشد باین طریقه که ارکان آن صورته منظر کمالی از کمالات آن حقیقه بود چنانکه چشم و گوش از صورته انسانی منظر آثار قوه باصره و قوه سامعه می باشد که از کمالات نفس ناطقه انسانیست پس هر فعلی ازین مجموعه ها که بدین صفت باشد بنسبت صورته آن مجموعه فرض است اگر بنسبت آن مجموعه طلبی از ان طرف بدین تاکید رسیده که اگر بیا آید دید فهم آورده فکر خود باید کرد که سامان عذاب مهیاست و چون در مطالبه این چنین ارکان اولاً نظر بر ظهور کمالات باطنه می باشد لحاظ اشکال معلومه و مقادیر معلومه و مواقع معلومه رکوع و سجود و غیره ضرورتاً چنانکه اعتبار اشکال معلومه و مقادیر معلومه و مواقع معلومه چشم و گوش و غیره ضروری نیست چه اگر چشم و گوش بنی آدم بدین شکل و صورت که می باشد نباشد بشکل چشم و گوش خوک و خر بود و بدین مقدار که می دهندند هند بمقدار چشم و گوش مگس و فیل دهند و درین مواقع که واقع است نهند زیر و بالا ازین مواقع نهند در ظهور کمالات مربوطه بحشم و گوش هیچ نقصانی نمی رسد بان اگر ترتب کمالات بطوری بود که نقشه هیئته باطنی برین نقشه هیئته ظاهری سرپا منطبق آمدی و مواقع کمالات باطنه مقابل مواقع اعصار ظاهر افتاده آن وقت این ترتیب هم فرض

شدی چه اندرین صوره ظهور کمالات بی تطابق نقشه ظاهر و باطن محال بود غرض لمحاظ ظهور جمله کمالات صلوٰۃ که عبارت از کیفیات باطنه مخصوصه رکوع و سجود است و همانا حقیقه صلوٰۃ فقط مجموعه ارکان مطلوب است بهر طوریکه میسر آید این ترتیب باشد که نباشد و این مقدار و این شکل بود که نبود کیف ما اتفاق اجتماع جمله ارکان باید چنانکه برای ظهور کمالات پنهانی انسانی کیف ما اتفاق اجتماع چشم و گوش می شاید گرچون قریب تر شنیده آمده که مقصود از اشیا و کبر کیفیت حاصله و هیئت اجتماعی می باشد چنانکه در نسخه های مرکبه شنیده باشی که مد نظر طبیب کیفیت مترجی کیفیات جمله لودی می باشد که مزاج مرکبش گویند نه خواص جداگانه هر دو ایدین وجه خود فهمید باشی که فصل بالا جنبی و تحلیل افعال ناملائم نماز از کلام و سلام و شرب آب و اکل طعام مقصد صلوٰۃ باشد زیرا که صوره جامعه و هیئت اجتماعی کمالات باطنه نماز که بذات خود مطلوب است و هر کمال باطن که مقصود بود بغرض تحصیل آن هیئت مقصود بودند بذات خود تحلیل اجنبیات در هیئت اجتماعی ارکان ظاهر از هم می باشد و چشم چنانکه دانسته باشی این است که منشأ جمله افعال ارادیه عزیمت و اراده است که قلب را بجانب ملودی گردانند پس هر فعلیکه رو با نشوند اگر بمیان آید آن وقت قلب بدرگاه متطلب القلوب خواهد بود بلکه از درگاه آن محبوب رو تافته بدرگاه دیگر خواهد رسید اندرین صوره حقیقه صلوٰۃ فقط کیفیت مترجیه احوال خاصه نخواهد بود که پس از حضور یعنی ذکر صفات خاصه باری تعالی از عظمت و علو و غیره پیدای شود و بارکوع و سجود رشته ارتباط دارد بلکه کیفیت مترجیه خواهد بود که با مترج احوال معلومه و این احوال دیگر پیدای شود که اراده اکل و شرب و غیره را ضرورت چه عزیمت و اراده را در نشود نماز و حدوث خود ضرورت احوال همچنان است که افعال ارادیه را ضرورت آن یا گویی که اگر در افعال ظاهر فعلی اجنبی بمیان آید خیر از هیئت اجتماعی ظاهر بر نشان خواهد بود اندرین صوره این ارکان ظاهر بنسبت آن هیئت باطنه کمالیه چنان بیکار خواهد شد که چشم و گوش و غیره اعضا انسانی را از هم جدا کنند و بنسبت نوع باطنی بیکار گردانند بهر حال حقیقه و روح نماز همان کیفیت مترجیه باطنه است و این هیئت ظاهر به بنای جسم است اگر جسم صلوٰۃ یعنی این

حرکات بی روح آن بود که آن کیفیات است چنانکه نماز ما باشد همچو جسم بی روح چه کار آمدنی
ست تا قابل نذر و نیاز خداوندی باشد بالجمله هر کیفیت امتزاجیه را ضروری است که از ارکان
آن کاهند و نه رکنی دیگر افزایند و آنکه بتزائد رکوع بر یک رکوع یا سجود بر دو سجده نماز فاسد
نمی شود و همیشه اینست که ظاهراً همچنان بر مقدار خود اما منظر از مقدار خود افزوده یا طاهر هم از
حد خود پابرون نهاده اما پشت بر آن درگاه نداده و همچنان بدان سو است اگر فرق است همین
قدر است که چشم کسی از مقدار متناسب کم و زیاده گردد اندرین صورت بجز منظر دیگر چه نقصان
ست همچنین در صورت مر قومه بالا جمال کمال باطن از دست می رود کیفیت امتزاجیه کمالات
خاصه از دست نمی رود چه حالی آید دیگر هم نه پیوسته غرض نوع همان است و شخص خاص چنانکه
دانی مطلوب نیست ورنه بجز کسانی که آن شخص بهم رسانند همه مقصر باشند و میدانی احوال
هر کس بقدر ملکات و اندازه اوقات مناسب می باشد و درین امر هر فرد بشر چنان متفاوت
ست که در شکل و صورت چنانچه از مشاهد اوضاع اخلاق و انزجیه بنی آدم هویدا است پس جمال
کمال باطن از هم پاشد با جمال ظاهر از دایره نوع مطلوب قدم بیرون نیفتاده و انجام وظل
جمال بجز منظر چیست که با کراهت دم ترادف می زند بالجمله باستماع تقاریر مسطوره بالا خوب هویدا
که فرض در دین یا در افعال همان است که منظر کمالی از کمالات باشد که ذاتیات و اجزاء روح دین
یا روح آن افعال بود که معبر بجمال است واجب آنست که متمم تناسب صورت آن بود که مفسر
بجمال است بشرطیکه آن روح از ان طرف مطلوب بود و همچنین مبادی افعال را در مراتب آن
افعال باید نهاد اگر فرض است مبادی آن فرض و اگر واجب است مبادی نیز واجب خواهد
گمید مبدء فعلی اگر امر واحد است ظاهر است ورنه امور چند بسبیل بدایه اگر مبدء چیزی می شوند
چنانکه وضو و تمییم بنسبت نماز اندرین صورت مصداق مفهوم هر دو از مبادی خواهد بود و اگر مطلوب
نیست اعنی ایجاب شرعی بدان نه پیوسته پس هر فعلی که بنسبت آن از قسم اول است اعنی منظر
کمالی از کمالات آن روح باشد آن راسته ممکن دانند و اگر از قسم ثانی است اعنی نقطه متمم

جمال صورت آنست آنرا مستحب شناسند زیرا که مقصود بالذات بدرجۀ اول هیئۀ اجتماعیہ کمالیہ است و بدرجۀ دوم ہیئۀ اجتماعیہ جالیہ چنانچہ مفصل و محقق دستی پس هر چه جز این دو ہیئۀ باشد و مطلوب بود مکمل کمال باشد یا متمم جمال غرض چون مقصود بالذات منحصر در دو قسم است مقصود بالعرض هم از دو قسم برون نخواهد بود و چون در هر دو مقصود بالذات در صورت ايجاب شرعی فرق است اگر یکی فرض است دیگر واجب در صورت عدم ايجاب نیز همچنان فرق نزول خواهند کرد پس چون مشارکات نوع فرض سخن موکد شدند مشارکت نوع واجب از درجۀ صفۀ موکد فروتر آیند آن دانی که همین درجۀ استجاب است و بس مگر چون سخن تازه اگر چه موجب باشد هر کس را پسند نمی آید و بادی خیال مخالف که همانا منشأ آن سوء فهم شان می گردد بدو آن کار بر سر بیکاری آیند بطور دو ماندیشی تطبیق این معنی بر یک دو ما هیئۀ واجب که بظاہر ازین معنی بر کران می رود لازم افتاد میدانی که علم از مبادی احوال است حالی نیست از مد فراق یا شوق و اشتیاق یا خوف و دہشتہ یا رنج و راحت حلم و حیا یا بخل و سخا غضب و شدۀ و حشتہ و انسیتہ غیر کہ بے علم پیدا آید بیخ همه همین علم است اگر کوی من محبوب مثلاً خیر نبود می و بوصل و فراق طالع نیافتی این درد فراق و شوق و اشتیاق از چه برخاستی و هم چنین قیاس کن اندرین صورت قرآءہ نماز لاجرم از مبادی خواهد بود چہلا قسم علوم است نہ از قسم احوال تا در سلک مقاصد اعنی عبادات در آید باقی مقصود بودن عبادات نہ علوم خود ازین دو آیت می بر آید کہ پیشتر ہم بغرض همین اشاره بدان دست آورختہ شد اعنی آیه و ما خلقت الجن والانس الا ليعبدون و آیت و ما امرنا الا ليعبدوا الله مخلصين له الدين و این ہم دانی کہ عبادہ اعنی تذلل و تخشع ادا احوال است نہ از علوم پس جز اینکه از مبادی عبادہ گفتہ شود دیگر چه گفتہ شود مگر این ہم هویدا است کہ قرآءہ با ستماع کلام خداوندی اگر موجب حدوث تذلل در باطن انسان می شود بدو وجہ می شود اول اضائدۀ آن نجای آن خداوند بی نیای از دو م تقضی آن طلب تعبد را چه عظمتہ مشکلم بالذات استثال ادا امر اتقار مناهی آنرا می خواهد مگر آیتی نیست کہ ازین غرض معلوم باشد بان بعض آیات بتصریح متضمن طلب عبادہ است

که همانا تذلل و انقیاد باشد و در هر دو صورت امتثال او امر و اتقار معاصی ظهور میکند و بعضی آیات بر تهیدات با تفریبات آن اندرین صوة هراستی که باشد در احداث این حالت اعنی تذلل و انقیاد که اصل عبادت و روح نماز است کافی است از کلام رسول الله صلی الله علیه و سلم یا نایبان او شان پس از لحاظ اصنافه رساله و نیایه آن بجانب خداوند اقدس هر چند تذلل می زاید اما نماز را حضور هم باید تذلل غلبانه کافی نیست بلکه اگر عقل غائر باشد دانی که تذلل بحضور صوة نه بندد آنکه در غیبه باشد آنرا خوف و ترس با شوق و اشتیاق گویند که وقت حضور باعث تذلل می شود معینا نماز را بیک حساب صوة اسلام باید پنداشت چنانکه من ترک الصلوة متعده افتد کفر ازین خبر می دهد و اسلام دانی که انقیاد و غم امتثال او امر و نواهی را گویند پس گویا نماز حالتی است که پس از امتثال او امر و نواهی که متضمن است بوعده امتثال و انتظار امر و نهی دین کلام الله عز و جل بیان مامورات و منهیات است بدین سبب تعین کلام الله از جمله کلام بال لازم اقتاد بال جمله دین است که مذکور شد جمله آیات مشارک اند فرق اگر باشد همین قدر باشد که آن حالت به پیکرهای گوناگون و تشخصات بوقلمین ظهور می تواند کرد عمده ترین پیکر باعلی خاص مربوط باشد که دلالتی خاص یا در سورتی خاص و در بعضی نهاده اند پس فاتحه را که امام اعظم واجب گفتند و همشراست که اول علم ذات و صفات را شغل است که منشأ عبودیت گردید اعنی رحمة و ملک روز جزا چه موافق اشارت همچو آیه اقعد من من دعنا الله ما لا یملک لکم ضرا ولا نفعاً ما را کار عبودیت بر ملک نفع و ضرر است و در فاتحه الرحمن الرحیم اشاره بادل است و جمله مالت یوم الدین بقرینت لمن الملت الیوم که از سلب کلی صفة ملک آن روز از همه خبر می دهد اشاره بثنائی و چون این دو عنصر علت اقتضاء عبادت به هم رسیدند مناسب اقتاد که ازین طرف اظهار انقیاد و عجز و نیاز کرده خواستگار بیان مرضی از نا مرضی شوند بدین وجه ایاک نعبد و ایاک نستعین که عین اظهار تذلل و عجز و نیاز است عرض کرده باهدنا الصراط المستقیم الی آخره التجار او امر و نواهی می کنند یا بجملة چنانکه نماز بیک پنج خلاصه اسلام بود فاتحه خلاصه نماز است

پس پیکری بهتر ازین بهر تذلل مطلوب نبود که مصداق جمال بوجود می آمد بتار علیه موافق قاعد
 مسطورہ بالا واجب شد و چون اتمام حسن انقیاد بے استئصال و اتقار صورتہ نہ بند و استئصال
 و اتقار بی امر و نہی نقش توان بست قراۃ سورة پس از فاتحہ کہ ہمانا بیان او امر و نواہی است
 چنانکہ دانستی واجب آمد و این طرف شاید در وجوب تقرر رکعات ثلثہ شد شہ بدل نا آشنا یان
 حقائق افعال افتد زمین و جہ رمزی ازین ہم گفتن ضرورت است برادر من در اول اسلام بشہادۃ
 روایۃ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہ در بخاری و دیگر صحاح مرویست نماز حضور و مفرد و دو رکعتہ بود و لحاظ
 بقا نماز مغرب در سفر و حضر یک حال ظاہر چنانست کہ نماز مغرب در آن زمانہ ہم ہمین سہ رکعتہ
 بود و ہمیش چنانکہ مذکور شد آنست کہ نصف از دورہ شب و روز کہ دوازده ساعتہ می باشد
 بوجہ احسانات خود خود گرفتند و دوازده ہائی بہ بندہ گرفتار حوائج دادند غرض رعایتہ این دو بیتہ
 کہ بندہ ازان خالی نیست فرمودہ در اول تقسیم علی السوئۃ فرمودہ بمقابلہ ہر ساعتہ رکعتی نہادہ
 بودند و باز بہ تقاضا متناسب و تریہ خود کہ اللہ و تریب الودتہ بیان آنست یک رکعتہ از دوازده
 کاستہ بودند چہ در اقرائش شائبہ ظلم بود کہ خداوند عدل ازان منزہ است باز کہ بہ تکرر مشاہدات
 دلائل توحید افعالی کہ عبارتہ از انتساب جملہ افعال بجانب آن کبیر متعال است و تو اترہیچ آیات
 واللہ خلقکم و ما تعلمون و ما تشاءون الا ان یشاء اللہ قاضی الحاجات بودن خداوند کریم
 باعث بار تیقن و دلنشینی و رد غیبات بدرجہ محسوسات و بدیہات در معقولات رسید و این طرف
 بفتوح متواترہ کہ متضمن کسر شوکہ دشمن و رفعتہ و ثروتہ و غنا و اہل اسلام بود موانع را یکسو نہادند و
 خزائن نعمتہ بر روکشاند آن دوازده ساعتہ کہ بہر کار بندہ بگذاشتہ بودند بحکم انصاف بقرعہ
 خداوندی آمد و تعمیر آن بطاعات ضروری شد مگر بجهتہ دیگر کہ دیدیم حساب رکعات از شانزدہ نمی
 افزود چہ اتقضا و عبودیتہ چنانکہ گذشت بدو چہتہ ملک نفع و مالک ضرر مربوط بود بدین چہتہ دو رکعتہ را ہم
 پیوستند و تنہا یک رکعتہ ممنوع شد چنانکہ روایتہ نہی عن البتیر لہ او کا قال بر آن ولالتہ دارد مگر نفع
 بدو قسم است اول احسانات سابقہ کہ عبارتہ از ایجاب بندہ و اعطاء ملکات روحانی و

جسمانی است دوم احسانات لاحقه که مفاد قضاء حاجات بشریت بدین وجه در ظهر و عصر از دو رکعت بچهار رکعت رسانیدند باقی ماند مغرب هر چند نظر بظواهر اینجا هم چار رکعت می بایست اما بشنوی که مغرب را حضرت رسول اکرم صلی الله علیه و سلم و ترا نهی فرموده اند بدین وجه این نماز را از صلوٰه نهاریه قرار داده اند و این قرار دادن بجای هم نیست چه این وقت بمقتضای کار روزانه هرگز میشود و همین است که در خواب که غرض اصلی از وضع شب است چنانکه جمله لتسکنوا بر آن دلالت دارد و بهم قدری از نور که شفق از آثار آن است و ابصار آن وقت هر قدر که می باشد مستفاد از آن اندرین صوة اعتناء این رکعات بر نفع و ضرر روزانه باشد که به شهادة لتتقوا من فضله همین کسب معیشت مگر هویدا است که نفع کسب معیشت وقتی با انجام خود می رسد که هر چیزیکه بهم آورده بمصرف آن صرف نمائی اگر نان مست بخوری و اگر آب مست بنوشی بلذت و راحت که در آن نهاده اند بری لیکن پیامت که این لذت و راحت که شل حرکات اکل و شرب غیر قار الذاة است از اقسام متعبدات است که هرگاه زمانه میرود قار الذات نیست که باز گرفته شود پس احتمال سلب آن که همانا تجربه ملک ضررست مرتفع شد محاش خوانی یا غیر معتاد فقط جهت ملک نفع ماند و از اینجا چه سبب بدین و تر اللیل هم دانسته باشی فقط این قدر قابل بیان ماند که راحت شب سکون و خواب است اندر آن حاله دانی که ادا شکر وین نعمت نتوان شد باین نظر که در روز هم اگر نظرست بر منافع بالقوة است نه بر منافع بالفعل ورنه بسیار است که دانه هم فرو نمی رود تا یسیری شکم چه رسد قطره هم نمی نوشد تا بدفع تشنگی چه رسد در اینجا هم احکام را بالقوة دانستند انتظار فعلیه نه نشند مگر چون حساب بود نصف که بیشتر بدان اشاره رفته بر نماز عشاء تمام می شود چنانچه دانسته و بنظر وجه تعیین دو رکعت در اول و افزون دو رکعت در آخر هویدا است که در یک نماز گنجایش زیاده از چار نیست و نماز صبح چنانکه مدتی افتاده که نه از شب توان گفت نه از روز نه بدین است که تر اللیل را پیشتر از آن نهادند همچنان نه از نماز با شبش توان خواند نه از نماز بائی روز چه بعد لحاظ تقسیم علی التناصف که مذکور شد و گرفتن نصف نصف از روز و شرب و ادون نصف نصف به بنده هویدا است که نماز روز و ظهر و عصر است یا ظهر و

عصر و مغرب نماز شب مغرب و عشاء یا فقط عشاء یعنی اگر مغرب را بجا نیاوریم آنکه حضرت رسول اکرم صلی
 علیه و آله و سلم آنرا و ترا نه فرموده اند از نماز روز شمارند نماز شب فقط نماز عشاء خواهد ماند و در نه ظهر و عصر نماز
 روز و مغرب و عشاء نماز شب با بجز نصف اخیر روز که در قرعه خداوند نیست آن دو نماز است و در
 اول شب که از آن خدا تعالی است این چهار نماز را باین خیال که دو از آن در اول و آخر نصف افتاده
 و دو باقی را در اول و آخر نصف اول شب بخواند و خوبی اطراف پیش کرم پیشگان یحیی و خدیجه و پیشانی و سینه و گردن
 که قائم مقام صلوة و اوده ساعه گیرند و این گرفتن باین وجهی است که باعتبار زمانه گویا تمام
 حق گرفته اند گویا نماز صبح باعتبار زمانه از نماز حق خود است که همانا بهر اظهار حسن انقیاد
 بنده مقهور فرمودند تا ظاهر بینان دانند که بنده بوجه افزایش از ما و جیب حق ثواب زائد از حساب
 است این عجمه ظاهری و در نظر ملائک که وقت استحلات آدم علیه السلام بنی آدم را بنظر حقارت
 دین بودند و زبان طعن بر و شان کشیده یا در نظر دیگران هم از ابناء و جنس شان یعنی کفار و فجار
 موجب عنایت پیور و گار شود و قطع حجت دیگران ادا بنابر روزگار کسی که بجا کان بالانسان اکثر شعیب
 از ملائکه هم بدین راه دو قدم پیش می روند باین اعتبار که نصف آخر روز که بجهت خداوندی
 افتاده از اول و آخر تا عصر است چه در ساعه اول از آن نصف از زوال و در ساعه آخر غروب تمام
 کمال نهاده اند بدین حساب گویا نقصان دو رکعت مانده چه مقدار معتد به بهر یک رکعت چنانکه استی
 یک ساعه است نه کم و بنظر تخفیف بقراءة آیتی چند در رکوع و سجود رسمی قناعت فرموده باشند
 باین نظر معاد و نه دو ساعه بجا عدالت ظلم نبود و بنظر شفقت حسن بنمود چه باعتبار آنکه پیش کرم
 پیشگان حسن اطراف کافی است اگر در اذان ظهر و عصر ابهام تعمیر نصف آخر روز و در اذان مغرب و عشاء
 ابهام تعمیر نصف اول شب بود اینجا باعتبار مذکور بمحافظ آنکه وقت صبح و قیامت که هم در آخر شب
 است و هم در اول روز بانضمام عبادت آن وقت بعبادت نصف آخر روز محصول عبادت همه روز
 حاصل خواهد شد و باقران نماز آن وقت به نماز اول شب حاصل نماز تمام شب محصول خواهد
 پیوست با بجز این وقت که بظاهر زائد از حساب می نماید اگر گرفته اند بعضی آن دو ساعه

که مذکور شد گرفته اند و از اینجا است که در صبح صادق تا طلوع تقریباً همین قدر می باشد
 چه وقت صبح تخمیناً یک سنج شب می باشد و دانی که در اکثر بلاد شب نایم از چارده ساعه
 یعنی گشت نمی باشد اندرین صورت فقط در بعض ایام عوض تمام بدست خواهد آمد و نه بنده
 باین طور هم در نفع است بالجملة تقریباً از صبح بیک وجهه که مذکور شد خود نایم از حساب است
 تا با افزایش دیگر چه رسد و بیک وجه بعض نقصان معلوم است که امکان ننماید بر آن معلوم
 علاو برین رعایت جهت قضاء حاجات اگر مستدعی گیل است پاس ضعیف همت بنی آدم ملتی
 تخیف و تسهیل از استیجاب زمانه بگذشتند و با تمام تعداد بگذشتند یعنی فقط برست رکعت
 که حکماً عبادت شب روز است اکتفا فرمودند و مشغولی شب و روز واجب ننمودند مگر چون با
 افزایش تعداد اندرین صورت همان قضاء حاجات است می باید که در وقتی که افزاینده حاجتی
 هم از حاجات دنیوی روانمایند و نه وضع اشئی فی غیر محله لازم آید که تنزیه خداوند قدوس
 ازان لازم و واجب و میدانی که این وقت نه وقت کار و وائی روز است نه وقت کار و وائی شب
 الا شب که خواب راحت است حسب عاده اکثر بنی آدم و طبیعت شان بر صبح تمام می شود و نهار
 روز که کسب معیشت است اگر شروع می شود بعد طلوع شروع میشود پس این وقت اگر افزاینده باشد
 و از اینجا است که وتر اللیل را که رکعت ثالث آن مشیر بجهت ملاک نفع شب است چنانچه فهمید و بانی
 پیش از صبح داشتند تا وضع اشئی فی غیر محله لازم نیاید بالا این پیش رحمت خداوندی دو ساعه
 قابل افزایش زیاده از دو رکعت نیست چه مقدار یک عبادت معیار یک رکعت است چنانکه دانسته این
 اگر بنده از طرف خود دو رکعت دیگر بخواند چنانکه می کنند گویا از حسن صفت و کمال شوق اوست که در
 وقت قلیل کار طریل بجا آورد بالجمله در ظهر و عصر و مغرب و عشاء و بوجه دیگر در صبح بوجه مسطور و بانی
 افزایش نبود سه رکعت جداگانه افزودند و از یازده بست نمودند تا صفة عبادت شب روز هم نقش
 بنده و مویا این سخن اینست که وتریه یعنی لحاظ عدد و تدریج بعد و نبات خود محبوب است چنانکه
 دانستی پیشتر که یازده رکعت بود در این زمانه این قدر را عبادت نصف دیره قرار داده باشند که بیک

اعتبار واحد است آن وقت که ترا واحد یعنی نماز مغرب کفایت کرد اکنون که بست رکعت نمودند گویا همه شب روز را فرا گرفتند این وقت این همه عبادت بدو چیز که یکی اذان شب است دوم روز و منسوب شدند بوجه این دو اضافت گویا دو حقیقت متباینه دو معدود و مشخص و محدود شدند جدا جدا که لحاظ تعدد و تشخیص آن باعث اعتبار دو ترا شد تا هر عبادت بجای خود و تر باشد چنانچه مغرب را و ترا النهار فرمودن بدین جانب اشاره هم دارد علاوه برین بنا و یا نده رکعت سابق برجهت ملک نفع و ضرر سابق بود و اکتفا بر رکعت لاحق برجهت ملک نفع و ضرر لاحق یعنی نظر در لول بر احسانات سابقه داشته اند که عبادت از عطار و جود و قوار و ملکات و آلات خلقی از زمین و آسمان و عناصر و غیره است که همانا سامان معیشت انسان است نظر در ثانی بر قضا و حاجات که مرلام ازان تجدید منافع و راحت است چون امور تجدید را علاوه نیست گویا قالمی ملک ضرر بعد اتمام راحة و ایصال منفعة نماید لهذا از مغرب که آخر نمازهای روز است بطور مشاء الیه از وتر که آخر نمازهای شب است چنانچه فرموده اند اجعلوا آخر صلواتکم باللیل و ترا یک یک رکعت کم فرمودند ازین جادانسته باشی که علاوه نقصان چار ساعت از است و چار بهر تقریر بست رکعت باعث این هم است که تقیاس سابق افزائش هم بقدر یازده می بایست بوجه مذکور کمی کمی دو رکعت ازیازده هم مناسب افتاد غرض این وقت نظر هم بر ملک نفع و ضرر اوست و هم بر ملک ضرر ثانی یا گوئیم این وقت هم نظر بر احسانات سابقه است و هم بر احسانات لاحق باقتساب این دو وجه متباینه هم دو عبادت متغایره گشتند لحاظ و ترتیب در هر نماز منجز تر از عدد مقیس بر مقیس علیهمی شد جمله بر دو مجموعه تقسیم کرده هر یک را بوتری جدا گانه ممتاز فرمودند و باز یک مجموعه را بر روز و دیگر را بشب نسبت دادند تا بعد مقصود هم محفوظ ماند و رعایت امتیاز منافع روز از منافع شب هم اندست نرود این سخن پایان ندارد باز پس می روم اعتبار با احسانات سابقه و انعامات لاحق که همین دم بشناخته بربوبه عبادت شب روز بمنزله روح است عدد بست رکعت که بیک اعتبار عبادت شب روز است بمنزله جمال صوره او چه عدد دیگر در دلالت بر التمام عبادت بعد دست نمی رسد و نه نفس اقتضای

۹
۱۰
۱۱
۱۲
۱۳
۱۴
۱۵
۱۶
۱۷
۱۸
۱۹
۲۰
۲۱
۲۲
۲۳
۲۴
۲۵
۲۶
۲۷
۲۸
۲۹
۳۰
۳۱
۳۲
۳۳
۳۴
۳۵
۳۶
۳۷
۳۸
۳۹
۴۰
۴۱
۴۲
۴۳
۴۴
۴۵
۴۶
۴۷
۴۸
۴۹
۵۰
۵۱
۵۲
۵۳
۵۴
۵۵
۵۶
۵۷
۵۸
۵۹
۶۰
۶۱
۶۲
۶۳
۶۴
۶۵
۶۶
۶۷
۶۸
۶۹
۷۰
۷۱
۷۲
۷۳
۷۴
۷۵
۷۶
۷۷
۷۸
۷۹
۸۰
۸۱
۸۲
۸۳
۸۴
۸۵
۸۶
۸۷
۸۸
۸۹
۹۰
۹۱
۹۲
۹۳
۹۴
۹۵
۹۶
۹۷
۹۸
۹۹
۱۰۰

اقتضای احسانات سابقه و احسانات لاحقه آن بود که از شب روز وقتی بوقت نگرارد و نه ازین
 هم چه کم که بجاظ انضمام نماز صبح یا نمازهای اول شب نمازهای شب روز رنگ عبادت
 شب و روز پیدا کند و می دانی که این قدر باده از ظهر و عصر و مغرب فرض غشاء و دو رکعت صبح که
 همه شان زده می شود بدست می آمد آری آن جمال صوره با این کمال معنوی نمی پیوست و
 همین است آنکه در پی اثبات آن بودیم چون از تطبیق مفهوم واجب که مذکور شد بر فائده
 و سوره از ارکان صلوٰه و بر و تراز عبادات فراخته یا تقسیم و تصحیح اطلاق واجب بطور مذکور بر همین
 دو مصداق و امثال آن دشوار بود و این طرف انطباق مفهوم مذکور بر ترتیب و اطمینان که نفع
 عظیم و واجبات است بدیهی بود لازم آنست که این قصه را بگذاریم و در بسوی مطلب آیم
 چه این قدر که گفته شد فهمیم را در رهبری این راه مستقیم کافی است بشنود چون دانستی و خوب
 دانستی که سته موکده با فرض و حسن و منافع همدوش است عمده معیار برای شناختن
 مراتب افعال بدست آمد هر فعلیکه در وقت منفعت بر این فرضی از فرضی باشد و خود مطلب
 از طرف خدا نیست لاجرم سته موکده باشد خواه رسول الله صلی الله علیه و سلم آن فعل را بطور
 مواظبه کرده باشند یا نباشند و همچنین جمله خلفاء و آن عمل اتمام کرده باشند یا نباشند و
 این تعریف جمله سخن موکده را در آغوش بگیرد انشاء الله بآتی بشرط عدم مولف مواظبه نبوی
 صلی الله علیه و سلم یا ترک یک دو بار خود از آثار این و احکام این حقیقه ست چه انکشاف نبوی
 و اطلال آن حضرت صلی الله علیه و سلم بر تساوی مرتبه آن با فرض اگر حکم امر باطنی و طبعی موجب
 مبادره است تخفیف و ماکن معدن بین حتی نبعث رسول که گویا متضمن نفع و موجب امر طبعی است
 مستعدی ترک کرده بیکاه هم است تا غیر مأمور به خداوندی یا مأمور به خداوندی برابر نگردد و از حد مرتبه
 خود بدر رفته موهم تعدی حدود انشیز سبه حضرت صلی الله علیه و سلم نشود خصوصاً و تسبیح ارشاد
 لقد کان لکم فی رسول الله اسوة حسنة لحاظ کنیم چه بقاضای این فرمان واجب الاذعان
 هرگز تفاوتی در فرض غیر فرضی باقی نخواهد ماند و از اول تا آخر از هر طرف وجه دلاله تساوی فرض و غیر فرض

خواهد برخاست و هر که سرایه دین و ایمان اعتی کلام الله و حدیث را دیده و فهمیده باشد میدانند که این امر چه قدر زبون است بالجمله بحق شریفی که بوجه امر بد و رسید فرض را استحقاق مزید عنایت بود و صورت تساوی عمل این حق بد و نمی رسد والله لا یحب الظالمین علاوه برین اگر رسول الله صلی الله علیه و سلم با وجود عدم ورود امر از جانب خداوندی برستن موکلف مداورت فرمایند بحکم فرمان واجب الاذعان لقد کان لکبر فی رسول الله الایه امتیاز ابراهیم مدوخته واجب اُفتد پس اندرین صورت فائز فرض نکردن او که همانا بوجه تخفیف بود چه باشد این امر و قنیت که بالا رفته کوره مانعی دیگر مثل اندیشه فرضیه که در بعض افعال می باشد نباشد اگر این اندیشه سدر راه بود آن وقت بضرورت شفقة امتی یک نحت ترک ضروری است و با اعتماد و عده و مانکنامعذب بین التراجیح گونه اندیشه میان نمی مگر این ترک ادن هر چند نظر بظاهر دلیل ترک تشدید است مگر بنظر غائر اگر سنگین عین تاکید است چه این اندیشه خود برین تدر دلاله دارد که این ماهیته هم باعتبار ذات و هم بمقتضا دیگر جهات قریب است که فرض گردد بالجمله از دیگر سنن فائق است و برای فرضیه از همه لائق اکنون چون بتکریم تراویح همین صورت بنظری آید باعتبار ذات اگر تکریم با صوم رمضان که فرض است در منفعت هم سنگ در حسن هم رنگ اگر بدین آیه غور کنیم شهر رمضان الذی انزل فی القرآن هدی للناس و بینات من المهدی والفرقان فمن شهد منکم الشهر اصل قرأه قرآن است صوم متفرع بر آن اعنی ماه رمضان این چنین است که چنین نعمتی در آن بر شمار ذاتی داشته انکس این نعمت را بپذیرید و ترک دنیا گیرید یعنی روزه بدارید پس حیف است که روزه فرض شود و تراویح که برای همین قراة و سماعه قرآن ترتیب داده اند فرض نشود این بدان ماند که چیزی نیلگوئی که کمتر ازان داشته باشد بنمایند و بگویند که آن را بگزارد این را بگیر چون آنکس آن چیز را ترک داده بگزینستن این چیز آید ازان بگذارد این وقت آن مردسان لجاج از هر دو محروم مانند و هیچ گفتن نتواند علاوه برین پیشتر گفته آمد که اصل در عبادات هیچ نداشتنه و زکوة بمنزله دفع موانع است اگر در وقتی روزه فرض شود نمازی بمقابل آن ضرر و فرض بایه شد چه

از دفع این موانع در صورتیکه مقدار فرض همان ماند که بود چه سود موانع مذکوره بهر این قدر مانع نبود غرض بدین وجه و خدا داند که سوار این دیگر چه قدر باشد نمازی بالای نماز خمس قابل افتراض بود این قابلیت آن تساوی حسن و منفعت دلیل اول است برینکه این سته از دیگر ستن عزیزتر باید پنداشت و بهر هیچ گونه نباید گذاشت باقی ماند تعیین عدد اول این امور از لازم مرتبه صورت اند نه لوازم مرتبه ذات تا گفته شود که این عدد درین وقت قابل افتراض بنسبت این نماز بود چه اطلاق تهجد و قیام لیل بشهادة آیه قیم اللیل الا قلیلاً الخ و دلالت بعمل نبوی صلی الله علیه و سلم از دو رکعت گرفته الی غیر النهایه صحیح است ندانی که بعد تعیین وقت عمل ستین نمی ماند چنانچه از مسائل متعلقه اجیر خاص فهمیده باشی و ازین جا تعیین وقت فرموده اند اعنی گفته اند قیم اللیل الا قلیلاً نه تعیین عمل و همچنین کمی بیشی قیام شبی دیگر که در معمولات نبوی شنیده برین امر گواه دیگر است هیچ یه دهننت می آید که تعداد نوافل قبل عصر و عشاء و بعد مغرب بیان فرمایند و اگر بیان نفرمایند تعداد رکعات تهجد را بیان نفرمایند که براتب فائق ازان است بحر این است که بهر تهجد بحیثیت قیام لیل عددی معین نفرموده اند بالجمله این طرف رابطه که میان صوم و صلوة است اگر می خواهد می خواهد که بقدر وقتیکه در صورت طلب و کسب معیشت ضائع می شد در نماز گزارند و آن طرف مراعاة من قائم رمضان اگر می طلبد همی طلبد که فقط نگاه داشت مقدار وقت مرعی دارند مگر چون فتوریکه بوجه کسب معیشت در اعضا انسان راه می یافت و بوقت شب حسب غلبه نوم می شد وقت ترک دنیا که مقصود از صوم است پیش نخواهد آمد و موجب غلبه نوم بوقت شب نخواهد شد تا در باره تعیین شب ملخ شود و لحاظ این صعوبة موجب سهولة گردد و این طرف بشهادة ان ناشئة اللیل هی اشد و طأ و اقوم قیلاً مناسب بهر قرأة و قیام بود و قیام بهار بشهادة ان للک فی النهار سباحا طویلاً دشوار و این دشواری هر چند بظاهر مخصوص بحضرت رسول اکرم صلی الله علیه و سلم می نماید اما چون بغور دیده شود در کار این ارشاد تربیت بنیاد و حکمت نهاد در مشغولی است که دیگران را بمنزله لازم ذات افتاده غایه مافی الباب مشغولی حضرت

رسول اکرم صلی الله علیه وسلم از قسم هدایت باشد که کار دین است و مشغولی ما از قسم زراعت و تجارت و صناعت باشد که موجب غفلة نفس بدآئین است بالجمله باین دوجه تعیین وقت شب مناسب اقتاد لیکن با وجود تخصیص وقت که بدین وجه مناسب شد تعیین عدد رکعات تا آن زمانه نبود که که حضرت رسول الله صلی الله علیه وسلم را اندیشه فرضیه ملغ قیام دوام شد مثل جهاد که فرض است و صورتی معین ندارد یعنی وقتی یا عددی یا لباسی یا سلاحی یا جهتی معین نیست این نماز هم از عوارض است بود اما لباس عددی معین نبود چنانکه نستی آن وقت اگر رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم از ضمیر خشیت آن یفرض علیکم اشاره بجانب نفس ماهیة قیام لیل فرموده باشند سقط اشارت آن حضرت صلی الله علیه وآله وسلم عددی معین نباشد بلکه اگر طبع سلیم از جای بدست آرند و کار بدین متقیم سپارند آنچه من می گویم انشاء الله منکران هم گویند چه مورد فرضیه اگر هست همین تعبد است و میدانی که وقتی یا عددی بذات خود معروض وصف عبادة نیست ورنه آن وقت بهر طور و آن عدد بهر نوع معروض عبادة بودی خواه ظرف و بعد عبادة شدند یا ظرف و عدد عصیان یا این شب معراج اول پنجاه نماز فرض شد و بعد از آن نوبت به پنج رسید اما قبل از آن که حضرت جبریل علیه السلام تشریف آرند و پیش آنحضرت صلی الله علیه وسلم نماز گزارند عددی از رکعات وقتی از اوقات معین نبود باز تا دیر بدو رکعة کاری رفت پس از عرصه همان پنج نماز رنگ دیگر گرفتند و از دو بجای رسیدند چون قبل تعیین عدد فعلیه فرضیه تمتع نباشد و بعد تعیین عدد همان فرض اول در پیرایه عدد دیگر ظهور نماید هر قرة فرضیه که همانا اندیشه فرضیه هویدا است چه ضروری است که اول عدد متعین باشد باز توان گفت که مبادا این نماز فرض گردد غرض بهر اشاره و ارجاع ضامن ضروریست که مشارالیه معدود بعدی در صورت هم باشد بجانب ماهیة کلیه هم اشاره توان کرد و انهم درین چنین موقوف چه قابلیت فرضیه اولاً و بالذات اگر هست در ماهیة نماز است عدد رکعة ازین مرحله فرسنگها دور است چه این پیرایه اگر زیاست بر قامت صوره زیاست با این هم این جا خود عددی متعین نیست اطلاق قیام لیل و تعبد بنفس نماز شب بهر عددیکه باشد درست است

بیمثیة قیام لیل عددی متعین نیست پس آنرا اشار الیه ضمیر تکتب قرار دادن خبر از منزله قدم نمی‌باشد
 الغرض اشاره نبوی صلی الله علیه وسلم با رجوع ضمیر بجانب عدد رکعات آن شب نیست که
 در آن شب اتفاق این ارشاد افتاده نظر نوی بجانب ماهیة قیام لیل است آری هر ماهیة را که
 در مرتبه فردیة ظهور کند ضرور است که پیرایه خاص از کم و کیف در برگیرد این جهت وقت ادا
 از تعین وقت و تخصیص عدد و دیگر شخصیات ناگزیر است لکن امریکه در اوقات مکرره پیش
 می‌آید اگر هر دم بعدی دیگر ظهور می‌تواند اندرین صورت ممکن است که مثل تهجد این نماز هم
 بعدی متعین نبودی غایه مافی الباب جانب اقل یا متعین نشودندی یا اقل و اکثر محدود
 کرده اختیار دادندی و مثل تسراة که هر قدر بخواند در فرض محسوب شود اگر فرض یعنی معلوم بقدر
 معلوم است هر چه مافوق اقل یا هر چه مابین اقل و اکثر بودی در فرض محسوب شدی و اگر در حد
 تعیین اقل بطور مذکور فرض همان اقل بود چنانچه ظاهری نماید تا هم گنجایش افزایش بهر طور
 بودی لیکن پیدا است که در فرض بوجه آنکه تداعی از لوازم آنست و تخفیف چنانکه دانی در آن
 ضرور لازم افتاد که اگر این نماز فرض شدی مثل دیگر فرض لاجرم موقت بوقتی و محدود بعدی
 می‌شد مگر عدد یک مناسب این نماز است همین دو عدد است یا زده رکعت یا است چهار اقل
 این نماز شب است عدد یک موهم احیاء لیل تمام و کمال باشد آن دوازده بود و بلحاظ ترتیب
 یک مرتبه پس و پیش کردن در صورت فرضیه لازم آمدی در اختیار سیزده هر چند دلالت بر کمال انقیاد
 و حسن خدمت بود که اگر زیاده از استحقاق می‌طلبند و بارگران بر سر آدمی نهند سر از خدمت نمی‌تابند
 مگر خالی از نوع ظلم یعنی وضع اشئی فی غیر محلّه نبود اگر چه باعتبار تصرف فی ملک الغیر هیچ ظلم
 نیست الله مافی السموات والارض و خداستعالی خود می‌فرماید ان الله لا یظلم مثقال ذرة
 لاجرم یازده اختیار افتادی با این همه علت تقرر یازده رکعت در فرض نیست یا است و چهار
 در اول امر همین بود که بنده گرفتار هوا و هوس را مثل ادائی حقوق خداوندی برای قضا و اجاب
 خود نیز وقتی باید باین نظر علی التخصیف تقسیم فرموده بوجه مرقومه بالا از دوازده سیارده آمده بودند

غرض نصف خود گرفته نصف به بنده بگذاشته بودند چون در رمضان بوجه ترک دنیا که مقصود
 منقسم امانت آن نصف هم فارغ ماند و بهمین جهت درین وقت هم کارگزاری عبادت لازم
 بود که عوض آن در وقت شب طلبیدند همان یازده رکعت که محصول نصف دیگر بود بر سر افتاد
 غرض باین اعتبار قابل تعیین لائق دار و گیر اگر بود عدد یازده بود و چون نظر قدس بالا گردید بنگریم
 از یازده نوبت به بست می رسد چه این بست رکعت فرائض و ترا اگر چه بحساب عدد نماز تمام روز و شب
 است چنانچه پنداشتی اما باعتبار زمانه اگر بنگریم در همان نصف دوره متفرق نهاده اند باین اعتبار
 نصف باقی هم که اکنون فارغ از مشاغل دنیویست قابل همین قدر محصول باشد پس هر نمازیکه عوض
 خدمت این وقت باشد لاجرم محدود بهمین عدد باشد خصوصاً در زمانیکه خزان کسری و قیصر است
 گردان اهل اسلام و شاهزادگان ایوان دروم و شام خدام خاص و عام این است نیک انجام
 شوند در آن زمانه کدام حاجتی هست که سرماییه پریشانی شان می خواهد بود الغرض این نماز اگر فرض
 شدی بظاهر ازین دوعده خالی نبودی و محتمل که ازین هم نسبت در کاشتی اندران صورتی که عجب که
 بسی و شش یا بچهل چنانکه پیشتر دانستی حدیثت ای مگر وجه سی و شش و چهل را اگر بینند چنان
 می نماید که در صورت فرضیه دور معلوم مثل فرائض این نماز هم تنها نبودی یا کمالات خود بودی و مثل
 فرائض خمس مع کمالات بسی و شش یا چهل نوبت رسیدی تنها فرض نماز معلوم مثل فرائض خمس
 همان بست بودی اندرین صورت جمله بست رکعت تراویح موکده باشند اما یازده اذان موکده تر و نمونه
 درین باب همین بست رکعت فرائض خمس و تراست که همه ضرورت بست مگر یازده اذان ضروری تر و
 در فرضیه زیاده آخر نه بینی که در اقل همان یازده بود و باز در سفر همان یازده ماند و تخفیف قرائت هم
 در آن نیست بنظر این همه وجه هویدا است که اگر بالفرض امر شایع این بست رکعت فرض واجب
 نفرمودی آن قاعده که درباره سنت عرض کرده ام مقتضی آن بود که این همه سنت موکده بودندی
 و چنانکه درین وقت در فرضیه با هم تفاوت است آن وقت در سنیه هم با هم شدید و ضعیف
 بودندی از بنیاد آنست باشی که امریکه مفهوم از علیکم است در علیکم بستی و سنته التخلفا و الراشدین

من بعدی اگر باعتبار تفاوت مراتب سنت در باره طلب کلی شک باشد و لاریب
 همچنین است تا هم حرجی نیست زیرا که این وقت مطالبه بقدر محاسن خواهد بود و تمیز
 شنیده که این نماز در کدام مرتبه از حسن است هم باعتبار نفس ماهیة و هم باعتبار صورة
 اعنی تعیین عدد اندرین صورة اگر حضرت عمر رضی الله عنه درین باره چیزی از حضرت رسول اکرم
 صلی الله علیه و سلم شنیده یا دیده بودند فهو المراد ورنه خود حضرت عمر رضی الله عنه اگر این عدد مقرر
 فرموده باشند و از مدح و راست شان دادنی است که چنان از معدن حکمت کلام الله حدیث
 بحکمت این عدد پی برده و چه قدر لباس زیبا باین سنه سپردند جز لا اله الا الله احسن الجزاء بهر حال از
 حضرت رسول اکرم صلی الله علیه و سلم دیده شنیده باشند یا از اشارات خداوندی یا نبوی
 فهمیده باشند بطوریکه باشد بدعت گفتنش بدعت و سنت را بدعت گفتن است چه اگر از حضرت
 رسول الله صلی الله علیه و سلم دیده یا شنیده اند و چه عجب که دیده یا شنیده باشند بمآل آن روایت
 نرسیده و بظاهر همین راست و باز آن را بدعت گفته شود مصداق بدعت قول و فعل نبوی صلی
 علیه و سلم خواهد بود یا ندانیم سنت کدام چیز باشد و اگر از اشارات نبوی فهمیده اند و فهمیدی که
 بجا فهمیده اند باز چه حرج که خود رسول الله صلی الله علیه و سلم بتعمیم و تخصیص توفیق فهم و فراست
 شان فرموده اند با اتباع شان اشاره کرده اند اکنون حاجتم نیست که در پی اثبات این امر
 شویم که مفاد الف لام الخلفاء درین حدیث علیکم بسنتی و سنت الخلفاء الخ مفاد کل افراد است
 نه کل مجموعی چه بطوریکه ما گفته ایم سنت تراویح سنت نبویست فقط حضرت عمر رضی الله عنه
 مرجع آن هستند نه موجد آن تا گوئند که گوید که این سنت عمریست فقط ما مور اتباع آن هستیم که مسلک
 جمله خلفاء باشد اگر حضرت ابوبکر نیز شریک این کار خیر می شدند اتباع این سنت لازم نمی آید
 بالاین همه میگویم اگر غور کرده شود جمله علیکم بسنتی و سنت الخلفاء الراشدين من بعدی
 در مفاد خود همچنان جمله اطیعوا الرسول واولی الامر منکم است و ایست اگر می پرسی در
 آیه الذین ان مکناهم فی الابرص اقاموا الصلوة و اتوا الزکوة و اهدوا بالمعروف و

نهوا عن المنکر بنکر مگر بدین انصاف بنکر که بچه معنی می رساند این آیه دلالت دارد بر آنکه
 غرض از تمکین فی الارض اعنی اولی الامر گردانیدن اقامت صلوة ایتا و زکوة و امر بالمعروف و
 نهی عن المنکر است هر گرا این نیست از اولی الامر هم نیست اگر چه بظاهر از اولی الامر باشد
 و از سخا دانسته باشی که سنته خلفاء لاجرم درین چار امر منحصر باشد پس اگر لام الخلفاء برای معنی
 مذکور باشد لازم آید که در اطاعت اولی الامر منکم همین کلیه مجموعی لمخووظ ماند حسن و قبح این لحاظ
 درین آیه خود ظاهر است ما چه گوئیم و این را هم بگذارند مای پسیم که عدل خلفاء معین نفرموده اند
 و این چار بزرگ را که خلیفه راشد می گویند مراد گویندگان این نیست که دیگران را شدند
 پس لازم آید که وقت انقراض این عالم که دم باز پسین عالم خواهد بود این طاعت واجب شود چه
 اکنون متحقق شد که خلیفه راشد از خلفاء راشدین نمائند که ظهور نکرد لا اقل تا ظهور حضرت امام مهدی
 رضی الله عنه استقامت باید کرد آن وقت اگر سنتی یا بند که معمول به باشد خلفاء است و کجا خواهند
 یافت عمل کنند و نه سبکدوش روند و این را هم نشوند اگر کسی گوید که لام بهر این معنی نمی آید از
 اول تا آخر کلام الله موجود و صحاح سنته و غیره از کتب احادیث صحیح بکثرة علامه صدیق و اوین
 جا همان عرب و علماء عرب در مدارس و ستمال اطفال سوار این موضع که هنوز محل نزاع است
 موضعی بنمایند که محتمل این معنی توان شد و اگر همین است و عدله ان الله یحب المتقین و امثال
 آن و وعید آن ان الله لا یحب الکفرین و امثال آن همه بیکار خواهد رفت نه این مورد شوق خواهد
 بود نه آن موجب خوف چه باین احتمال که مفاد این لام کلیه مجموعی باشد حضرت انسان را که کان
 الاحسان اکثر مشی جلال در تعریف ایشان است گنجائش گفت و شنود پیش رب و دود و
 حضرت رسول الله صلی الله علیه و سلم و نائبان شان بهم خواهد رسید پس مذاب بکدام حجة و عتاب
 بکدام دلیل خواهد شد و اگر مدار کار بر وضاحت مقصود یا تسلیم اکابر است درین حدیث که ام
 تخاست و این حدیث از ان آیات در وضاحت مقصود چه کم و بچنین از اکابر کلام کس است
 که مفاد کل مجموعی را درین حدیث و الف لام را بمعنی کل مجموعی گرفته با بجملة اتباع هر هر خلیفه

باشد مقصود است هر خلیفه که باشد حضرت عمر رضی الله عنه بالضرورة از خلفا و راسدین و این سنه تراویح هم بالیقین سنه اوشان بحدیث موطا و توارث اهل اسلام سلفا و خلفا هیاه حضرت عمر رضی الله عنه دو گواه عادل بر آنست باقی ماند بوجهی در یافتن یزید بن رومان زمانه حضرت عمر رضی الله عنه در روایت موطا قیج کردن و بجهت خواندن بعض سلف پس از حضرت عمر یازده رکعت در وقت قیج کردن بدان ماند که از شکم سینه برآورد غریز من کار محدث دیگر است و کار اصولی دیگر و کافیه دیگر منصب محدث فقط همین است که مراتب احادیث را از صحیح و ضعیف انواع آنرا از انقطاع و اتصال و استناد و ارسال معین نماید ازین بعد کما اهل اصول است اعنی آنکه این حدیث حجه است و آن فی ازین باز در حدیثی که اصولی ترا قابل احتجاج گفت نقیه میگوید و مسائل مکتونه می برآورد درین حدیث هم بهمین ترتیب از هر یک سخنی باید شنید و درباره کاریکی از دیگری نباید پرسید از محدث همین قدر پرسیدی است که رواة آن چه قسم اند و متصل است یا منقطع و اگر منقطع است از کجا منقطع است در باره رواة احدی را گنجائش لب کشائی نیست که ستودگان امام مالک اند پیش توثیق اوشان دیگر از چه مجال که حج کنند اگر گویند همین قدر گویند که یزید بن رومان زمان حضرت عمر رضی الله عنه ندیافته باحصل این گفتگو فقط این باشد که مرسل تابعی است زیاده ازین از محدثان پرسیدی نیست آری از اهل اصول باید دریافت که مرسل تابعی قابل احتجاج و لائق استخراج مسائل است یا نیست امام اهل اصول امام عظیم اند و امام مالک اوشان مرسل صحابه و مرسل تابعین را حجه گفته اند و حجه گرفته اند اکنون کدام است که قواعد موسسه اوشان را ساقط الاعتبار و کان لم یکن فی حد الاعتبار گردانند پس ازین مرتبه فقاہت است درین مرتبه هیچ نقیبی را درین قدر کلام نیست که مفاد این روایت سنیه بستم رکعت است باقی ماند توارث در توارث ازین قدر رخنه نمی افتد که فلان صحابی یا تابعی یا بزرگی دیگر یازده خوانده یا می خواند آری اگر ازین بزرگواران کسی را نشان دهند که قیام بستم را در زمانه حضرت عمر انکار کرده باشد مضائق نیست بلکه امام شافعی

که مرسل را حجة نمی دانند بشهادة امام ترمذی بستی رکعت را مسنون می دانند اگر توارث را
هم تسلیم نکنند بکدام حجة بستی رکعت را مسنون خواهند گفت چه سواء روایت موطا درین باره
بزعیم منکران روایتی نیست که به پایة ثبوت رسیده باشد و اگر هست فهو المراد که هم ثبوت
بستی رکعت بر روایت بدست آمد و هم تشبیه توارث صورة بستی و اگر از من پرسشی بشنو که
دیگران هم بستی رکعت روایت کرده اند عن عبد العزيز بن رفيع قال كان ابي بن كعب يصلي
بالناس عشرين ركعة وعن عطاء قال ادركت الناس يصلون ثلاثا وعشرين ركعة
بالوترو عن ابي الجختى انما كان يصلي خمس ترويجات في رمضان بالليل بعشرين
ركعة ويوتر ثلاثا ويقنت قبل الركوع وعن ان عليا امر رجلا يصلي بهم في رمضان
عشرين ركعة هذه الروايات كلها في مصنف ابن ابي شيبة وفي سنن البيهقي عن
عبد الرحمن السلمي ان عليا دعا القراء في رمضان فامر رجلا يصلي بالناس
عشرين ركعة وكان على يوتر بهم و يادادهم که بعض فقها در کتب خود از بهیقي روایتی
از سائب بن زید در باره خواندن بستی رکعت در زمانه حضرت عمرؓ سواء این روایت موطا
روایت کرده اند هر چند پس ازین حاجتی نمائند که قلم را دیگر بفرسائیم مگر بهر تفسیح طبع ناظرین
شاهدی دیگر بر اعتناء عدد نیست پیش می کشیم در باره عبادت شب را از روز جدا کرده اند و همین
است که حاجت بدو تراعی نماز مغرب و وتر شب اقتاد اگر این همه را یک عبادت قرار دادند
دو وتر که بهم شده زوج گردیده و گردانیده اند نبودندی و چون نباشد دو وتر رکعت از آخر
رباعیات مبنی بر ملک نفع و ضرر لاحق هستند و ادانی که این قسم منافع روز و گرانند و منافع
شب گرو چون ضرر از عدم النفع خیزد چنانکه واقفان واقف اند ضرر نیز بهمین دو قسم منقسم شد
لاجرم عبادت روز از عبادت شب جدا افتاد و ازین جا فهمید یاشی که در زمانه پیشین که یازده
رکعت بود و منشاء عبادت ملک نفع و ضرر یک نوع همه نمازهای پنجگانه یک مجموعه بود چه تا آن
زمانه نظر بر ملک نفع و ضرر سابق بود که همین اعطاء وجود و آلات تکمیل آنست و آن خود دانی

که نوع واحد است الغرض عبادۀ شب از عبادۀ روز جداست باز در روز و شب که نگرستیم
هر نصف از هر دو جدا جداست اگر یکی برای عبادۀ است دیگری برای کار یا برای ماحتۀ بدن
و چه هر نصف از روز و شب ثلثی جدا پیدا کرد و نظر شارع بهر یک اذان انصاف اربعه
بالاستقلال اقتاد و در هر یک ازین انصاف بست رکعت نهاد در نصف آخر روز ده رکعت
فرض و سنته موکد ظہر با چار فرض عصر پیوستہ چارده شدند و چار رکعت فی الزوال با دو
رکعت قبل ظہر که در بعض روایات دین یا شنیدہ باشی اتمام بست رکعت کردند مگر چون این
شش رکعت چندان مهمم بالشان نبودند کہ خواہی نخواہی ادا نمائی بہر مراعات بست رکعت چار
رکعت قبل عصر و دو رکعت بعد ظہر سولے دو موکد کہ در بعض روایات دین یا شنیدہ باشی نهادند تا اگر
از یکے محروم ماند با دوشش دیگر سعادت ادا بست در یاد و از اینجا دریافته باشی کہ مصداق مفهوم
مرد ما بین شش اول و ثانی در بارہ اہتمام بہرتبہ واقع است کہ تنہا یکی ازین دو بان مرتبہ
نرسیدہ و چون نماز ہائی نصف آخر روز بیک حساب ہمہ بجانب ہمہ روز منسوب اند
چہ نظر بر آلا تمام روز است تخصیص نصف اول یا ثانی نیست پس گویا عبادۀ تمام روز
بر عبادۀ نصف مسامحہ فرمودند این تردید را کہ در شش رکعت فی الزوال و دو رکعت اول ظہر و دو
شش رکعت دیگر کہ دانی واقع است واسیح کردند اعنی شش رکعت دیگر غیر مهمم بالشان در
اول روز افزودند و شش رکعت مطلوب را ما بین این مجموعہ ہائی سہ گانہ دائر فرمودند یکے
از ان دو رکعت اشراق دوم چار رکعت چاشت کہ در بیان تکمیل عدد پنجہ رکعت تذکرہ آن
شش رکعت پیشتر ہم بگوئش تو دمیدہ ام و اگر روایت ہشت رکعت ضعیفی را کہ اشراق و
چاشت ہر دو را شامل می نماید یاد کنیم وجہ تخییر در دو رکعت و چار رکعت قبل عصر ہم ہویدامی
شود اعنی اگر در اول روز بر شش رکعت دو رکعت افزودہ ہشت کردند در آخر روز فقط ضرورتہ دو
رکعت ماند و نہ همان چار بلکہ درین صورتہ تخییری ما بین دو رکعت اول ظہر و دو رکعت بعد ظہر کہ
علاوہ دو موکدہ می خوانند و دو رکعت از چار رکعت قبل عصر ہویداد شد و اہتمام مفهوم

مرد و نسبت غیر مرد و معلوم خواهد گردید اکنون حال نماز شب بشنو نمازهای شب را هم دو اعتبار است یکی آنکه همه را بجانب همه شب نسبت کنند دوم آنکه بنام نصف نصف زنند باعتبار اول که بهر کابلان است نماز مغرب و عشاء و سنن آن هر دو و وتر و سنه و فرض صبح همه در نماز شب داخل خواهد باقی در دخول نماز صبح ترددی باشد اول به بین که قبل طلوع واقع است و ظل ارض که در حقیقه منشار تیرگی شب همان ست هنوز سایه انگن دوم وعده ثواب احیا تمام لیل بر جماعت عشاء و صبح یاد کرده قاعده مسامحه در احیاء تمام وقت بتعمیر اطراف آن وقت یاد آر که بر دخول نماز صبح در نمازهای شب صاف دلالت دارد اندرین صورت پنج رکعت مغرب و شش رکعت عشاء با سه رکعت و تر و چهار رکعت صبح شیزده رکعت می شوند باز مفهوم مرد و مابین دو رکعت اول عشاء دو رکعت بعد عشاء که در بعض روایات دیدیم یا شنیدیم باشی و مابین دو رکعت بعد وتر که همه غیر مهمم باشند اندا تمام بست خواهد کرد باعتبار ثانی که برای کاملان است این تقسیم بد و صورت است یکی آنکه بهر مغلوبان خواب است دوم آنکه برای بیدار بختان بیتاب صورت اول آنکه بست رکعت صلوٰه او امین که ابن ماجه تخریج آن کرده موافق این است که مذکوره مابین مغرب عشاء گذارند باقی همه شب در خواب گذارند دوم آنکه هر نصف را جدا جدا احیاء کنند اندرین صورت و تر و نماز صبح در نصف آخر خواهد افتاد و بجهت آنکه درین صورت در نصف اول و هم در نصف آخر سه رکعت افتاده عدد بست هیچگونه دست نخواهد داد چه دو و تر بهم شده در صورت سابقه زوج شده بودند بایک و تر حصول عدد بست که زوج است چگونه راست آید لاجرم کی بیشی یک رکعت در هر دو جانب لازم است و همین است که این طرف پنج رکعت فرض و سنه مومن مغرب باشش رکعت او امین و شش رکعت فرض و سنه مومن عشاء و چهار رکعت اول با دو رکعت اول و آخر بست و یک رکعت می شوند و آن طرف دوازده رکعت تهجد یا سه رکعت و تر و چهار رکعت صبح نوزده می شوند غرض در مجموعه شب چهل می شوند اگر در یک جانب افزوده اند از جانب دیگر همان قدر کاسته اند اما مد نظر همان عدد بست داشته اند مگر شاید

TELEGRAM CHANNEL >>> <https://t.me/pasbandehaq1>

تاملی باشد که از ابن عباس رضی الله عنه درباره نماز شب منقول است که فرمودند که نماز شب سیزده رکعت است یا فرض کنیم در روایتی از روایات این حدیث بعد شرا و فلفظ بواحداً هم باشد اندین صورت بالضرور و ترکیب رکعت بیش نباشد اما فاش باین طور ممکن است که حضرت عید السید بن عباس هر چه درباره تحدید فرموده اند مشاهده فعل نبوی فرموده اند و آنچه دیده اند در زمانه دیده باشند که کعات قرآن یا زده بودند اکنون که دواعی انحصار و تردد سه رکعت و تر فراموش آمدند و آن طرف فضائل دوازده رکعت همان سان بحال خود متوفی لاجرم دوازده رکعت تہجد یا وتر یا ترده رکعت خواهد شد ازین ہم در گزشتیم دو رکعت نقل که حضرت سرور کائنات صلعم گہ بیگانه خوانند اند با سیزده رکعت پیوسته همان پانزده رکعت می شود که مطلوب ما است بالجمله اگر وجوه مذکور بالا و شواہد مسطورہ را لحاظ کنیم و این طرف اہتمام بست بست رکعت کہ در نصف آخر روز و نصف اول شب مسلم شد مگر ہم این لحاظ دیگر یعنی ما را بدین جانب می کشد کہ این جا ہم همان اہتمام باشد چه این نصف در کدام امر از نصفین سابقین کم است و این امر بے آنکہ تہجد دوازده دارند و وتر را سه رکعت پندارند است نمی آید و باین توافق کہ دانستی و دلالت وجہ کہ پنداشتی معارضی نیست کہ اعتبارش مقدم شود اندین صورت کار عقل ہمین است کہ گفتیم ازین جا دانستہ باشی کہ درست رکعت این نصف و سه رکعت و تر باعتبار تصادق و تصدیق یک دیگر همان نسبت است کہ در روز روشن از احوال آفتاب خبر دہیم چنانکہ نور نظر ما از آفتاب خبری دیدہ آفتاب از نور نظر ما خبری دیدہ و همچنین دیگر دلائل و مداللات شواہد مشہود علیہا کہ بدین رسالہ خواهی دید در تصدیق یک دیگر بہین نسبتہ خواهی یافت با قیسانہ نصف اول روز ہشت رکعت ضعیفی خود از حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منقول است دوازده رکعت بطور دیگر بہ ثبوت پیوستہ اخراج الترمذی فی صحیحہ بسندہ عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی الضحی ثلثی عشر تو بنی اللہ لہ نصرا فی الجنة من ذہب ثم قال الترمذی

حدیث انس حدیث غریب دهم دوازده رکعت در روز و روایت ام المومنین ام حبیبه رضی الله عنها ثابت است این دوازده با آن هشت بست رکعت می گردند آسی تعیین وقت ازان روایت ام حبیبه فی برآید بلکه بجانب مطلق روزان دوازده را نسبت کرده اند لیکن انا بخاکه در آن روایت بر دوازده رکعت شب هم همان ثواب وعده فرموده اند لمحاظ آنکه دوازده رکعت شب را در نصف آخرها دادند و ما این همه و تر و نماز صبح را که با هم پیوسته هفت رکعت می شوند بجا داشتند چنان بدین ناقص می آید که عمده وقت او دارد و زده رکعت چهارم نصف اول بود باشد و آن هشت رکعت هم بجای خود باشد چنان نصف را با نصف آخر روز عطاء و هم نقل شایسته تمام است از راه عقل اگر می رسی همچو نصف آخر شب این نصف را بطریقی بسته بگذاشته اند چنانکه مکرر کرر شنبه و اگر از راه نقل استماع موسی و لای ارشاد حضرت رسول صلی الله علیه و سلم را تجسس کن کسی فرماید اخرج ابوداؤد عن عمار بن الخطاب یقول قال رسول الله صلی الله علیه و سلم من نام من حزیبه ادعوشی من قضاؤه ما بین صلوٰة الفجر و صلوٰة الظهر کتب له کأنما قراه من اللیل - الغرض کسیکه از وظیفه شب محروم ماند و قبل نوال خواند گویند بر وقت خود خواند و این طرف خود از حضرت رسول اکرم صلی الله علیه و سلم منقول است که نماز چاشت را به نماز تجمیع شب پیاده اند باقی هشت رکعت چاشت که از حضرت رسول صلی الله علیه و سلم روایت ام ابی منقول است و در بخاری و غیره موجود با این هفت رکعت و ترویضت و فرض صبح نسبت تساویست چه کی یک رکعت درین جانب بناچار است که در سه رکعت بیش نتوان شد و باین خیال که فرموده اند فاذا اخفت الصبح فادعوا کما قال و یحییان ما بین کما ظنکه فرموده اند اجعلوا اخر صلاتکم الخ سه رکعت و تر و آخر شب افتاد و صورة اتصال با چهار رکعت صبح پیدا شد بین دو هم در اغوش یک هیئت اجتماعی آر میدند و صورة و حده در بر کشیدند و با آن هشت رکعت که صورة اصلانی از اصل دارد با آنکه پاشت ما شرق را بطور جمع صوری بهم پیوسته

بودند مشایبه کلی پیدا کردند ازین جا خود بخود این نتیجه می برآید که اگر با وجود دوازده رکعت تہجد و ترویج بجائے خود ماند این ہشت رکعت ہم با آن دوازده رکعت کہ عمدہ ترین اوقات آن نصف اقل است چنانکہ عمدہ ترین اوقات دوازده رکعت شب نصف آخر است بجائے خود ماند والحمد لله علی ما ہدانا این ہمہ لطائف را اگر بغور خواہی دید خواہی دانست کہ بہت رکعت بجائی خود چیزی مقصود باللات است در کمی اذان کی از مقصود لازم می آید در قیام بیل رمضان کہ بنا بر آن بر مکرر عبادت است کہ اذان نباید مان زیادہ را حدی نیست ہر وقت کہ توانی بخوان اکنون باید شنید کہ لزومہ مذکورہ بالا اگر ثابت است ہمین قدر ثابت است کہ کم از یازدہ تہجد کم از بہت در نماز بجای نماند اما اینکہ زیادہ ہم نباید کرد مقتضای حکمت نیست ہاں سود فہم را علاج نیست فہم را یک سو نہادہ ہر چہ خواہند بفرمایند چون با این ہمہ در کمی رخصتہ داند چنانچہ از روایات گذشتہ دریافتہ در زیادتی ہجارتہ چون نخواستہ بود پس این چہ بر عکس است کہ زیادتی را منع کنند و کمی بدل و جان راضی باشند اکنون وقت آنست کہ قلم و کاغذ در دست افگندہ شود مگر بفائده کہ اتفاق تحریرش نشد از خیالی بخالی مشغول گشتہ از مواقع تحریرش پیشتر فرغ و بچنان بدل ماند و تسلیم بر آن زرفت اطلاق ضروری است آن این است کہ روایات ہزار رکعت خواندن امام ابو حنیفہ در سب اگر صحیح است والحمد لله علی من یدویہ با اعتماد محقق امام ہمام را بوجہ تہجد از یازدہ کہ تحدید آن سنۃ شمرده اند مبتدع نتوان گفت و بچنین با عقاد کمال امام در اتباع سنۃ نبوی علیہ و علی صاحبہا الف الف صلوة این روایات را اگر بدین صحتہ نرسیدہ غلط نتوان پنداشت ہر کہ این چنین کردہ گوچہر العلوم باشد خطا کردہ حق ہمین است کہ در قیام سبیل باعتبار اصل بعدی معین نیست تا بدان ساختہ و پرداختہ شود بلکہ تقیید بعدی اگر غور کردہ شود مثل تقیید اطعام طعام و اذکار و تلاوۃ کلام ملک العلام اقبیہ رسوم سوم و دہم و چہلم بدستہ می نمایند آری اقتضای آثار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ از اتفاق وقت اقتضا

ماده و ضرورت طبع صادر شده باشد اگر به نیت نیک است موجب سعادت باطنی میسر
 تعدد حضرت عبدالعزیز ابن عمر رضی الله عنهما اماکن بول و براز نبوی را و انار کشاده در آن
 اماکن نشستن اگر چه حاجت نبودے حق پرستان را ازین معما آگاهی میدهد لیکن
 این ہم مخفی مباد که این تمام است تمام حضرت ابن عمرؓ باین اعتقاد بود که از ترک
 این چنین اتباع زنج و بدعت میسر آید ورنه همه اکابر صحابه خصوصاً خلفاء راشدین
 که بسبب کمال اتباع مقتدا درین شدند و تشریف علیکم بسنتی و سنت الخلفاء
 یافتند مبتدع می شدند لغو باشد اگر نوبه این چنین اعتقاد رسیدے این
 فعل او شان از سر حدسته بدرآمده داخل ساحه بدعت می شد و شاید همین
 اندیشه در سر افتاد که خلفاء راشدین در پی چنین امور نیافتادند پسنداشتند
 که اهتمام با محکم علیکم بسنتی الخ موجب اعتقاد سنیة این امور بدرجه که
 ترک آن بدعت گردد خواهد شد و مداومت ایشان بر عدد بازده در قیام لیل
 اگر به ثبوت رسدند باین جهت بود که این عدد از آثار بنویست اگر اتفاقات سرزد
 بلکه بمخاطب همان تکمیل خمین و غیره که مذکور شد خواهد بود که باعتبار آن تجدید این عدد
 از قسم ثالث میگردد فقط اللهم ان کان حقاً فمن عند لدان کان غیر ذالک
 فانت تعلم انی ظلم جھول۔ مکرر عرض فقیر این است که امید اسکات ختم درین
 زمانه نباید داشت ہاں اگر بدان جانب انصاف است این تقریر پریشانم از جادہ
 تسلیم بستن نخواهد داد ورنه در تسوید این اوراق مجسز پاس خاطر آن عزیز یا قبول
 خداوند اکبر اگر قبول افتد مزدے دیگر نمی بینم اگر پاس خاطر آن عزیز بخاطر نمودے
 از من کاملی بچسپدان با این تفضیل اوقات شریف و کثرت خاطر که بوجہ بیماری حضرت
 والدہ داشتم این کار باین سرعت سر نمیزد مگر الحمد للہ کہ این طرف این کار بپایان
 رسید و این طرف مزاج حضرت والدہ رخت بصیحة کشید و الحمد للہ علی ذالک و ہر چند

اکثر این مضامین گوش خورده آن عزیزانند مگر اکنون کار یاد دیگران افتاد و این طرف
 بسیار از تفاسی بے تحریر مضامین مسموعه آن عزیز صوة نمی بست بالا را این همه
 این هم می خواستم که اگر دیگر بے بسند بدانند که این یک فعل آنحضرت صلی الله علیه وسلم
 چند حکمتها درین فعل دارد و چون این یک فعل صرف این قدر حکمتها و دانشها گردید
 مسموعه درن بچند حکمتها و معنی ساختن باشند اکنون قلم از دست می اندازم و بنا
 خدا ختم می سازم .

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 (اداء خرمضان ۱۴۲۸هـ)

حاشیه متعلق صفحہ ۲۱

سطر ہشتم و نهم

آین جلد سیدہ شاید بخاطر نظر برین این شبہ خطور کند کہ اگر حقیقتہ صلوٰۃ ہمین یک رکعت است می یابست کہ پنج رکعت فرض می شد نہ یازده چه در شب معراج اول پنجاہ نماز فرض شد و پس باذن بوجہ تخفیف از پنجاہ پنج رسانیدند و باز بقاعدہ من جاء بالمحنتہ فله عشر امثالہا پنج نماز و اعلا بر همان پنجاہ شمرند چنانکہ فرمودہ می خمسی خمسون پس اگر حقیقتہ صلوٰۃ ہمین یک رکعت است و نظر برین کم از کم پنجاہ رکعت در شب معراج فرض شدہ باشد اقتضای قاعدہ مذکور بران دلالت دارد کہ پس از تخفیف پنج رکعت باقی می ماند نہ یانہ با این نظر تقریری ثبت کردن لازم افتاد کہ این شبہ را از دل بر کنما اول بوجہ افتراض پنجاہ نماز باید یافت مہموم من ملکہ عبودۃ صفت مالکیت است از صفات خداوندی یا صفت جمال دل شوق اول اگر علی علیہ السلام قبلہ من دون اللہ ما لا یملک لکم ضرا ولا نفعا و امثال آن در آیات و احادیث غور فرما کہ از ارتباط باہمی مالکیت و عبادۃ خبر دلاہ اندہ مفلادین اعراض کہ از استفہام انکاری می برآید ہمین است کہ در معبودان باطلہ شافقت مالکیت نیست کہ استحقاق عبادۃ دارد و مگردانی کہ نفع رسائی و احسان دو نام اند کہ با یک ستمی ملاقت دارند غایۃ مافی الباب فرق اعتباری باشد چنانکہ در نہیم ہمہ موضوع لہ و معنی و مدلول است پس ہر عبادتی و تدلی کہ مشاود آن احسان باشد داخل در مقتضیات صفت مالکیت است کہ بسر کردگی اسم نافع بہم می رسد و همچنین ہر نیاز کہ بتند لکن قہاری و جاری آن بے نیاز مطلق بود داخل در مطلوبات همان صفت مالکیت است کہ بانکہ اسم خاد بہست می آید باجملہ تصرفات مالکان بہ نسبت نمی مستعار بدو نوع می باشد یعنی آگہ بہستیر عطا کنند و دیگر آگہ بادگیر نہ عطا کردن و مسلمہ شستن از کار پردازی لای

نافع است و باز گرفتن از نیرنگها و ضار و هر چه بمای رسد ازان خداوند پروردگار که بپا مستقام
 میدهد و دستیک می‌خواهد باز بگیرد بلکه از همین آمد و شد نم‌پنداشته ایم که مالک همونست که میدهد
 و بگیرد چه این بیان مانده در این عالم می‌بینیم که مالکان اموال منقول و غیر منقول خود را گاهی با اختیار
 خود بهر اتفاح به دیگران می‌دهند و باز وقتی با اختیار خود از دشانی ستانند و این دادن و باز شدن
 چنانچه از آثار و مقتضیات ملک او شان است همچنان در نظر دیگران دلیل مالکیت آمانست و
 دلیل شق ثانی اگر خواهی در آیت جبهه و مثلنا ضرونا فی ربها ناظره و مثال آن آیات و
 احادیث بنگر که بعلیت صفت جمال و سلوایه عباده رین و عن محبوب بجز عبادت انعام کدام نیست
 است که بنده به نسبت خداوند خویش کرده باشد لیکن چنانکه الهی و مده کردن خود دلیل آنست که
 امر موعود مطلوب مابداست این امر وقتی صورت بندد که محرک عبادت شوق دیدار می‌توان شد
 در نه ازین زیاد چه بیود و سری باشد که باب غرضان بر مده است غیر مطلوبه چای سبها کنند
 تعالی الله من ذلك علوا کبیر اغرض تا وقتیکه کسی را رغبت بجانب چیزی نباشد که بدست کس
 دیگر است ازین طرف امید نیاز نباید داشت و بعد از آن چیز دلش را بدست نتوان آورد و آنکه
 بعضی آیات و احادیث بیان کمالات ربانی و اسما حسنی کرده اند غرض ازان همین دعوای عباده
 می‌نماید قاضی ابن حضریت که علت عباده یا صفت مالکیت است یا صفت جمال چه آن کمالات
 یا آلات نفع و ضرر اند که از نیرنگها مالکیت داخل لایه و شیت قدرت مگویند ذاتی و احیای امانت
 اعزله و اذلال و غیره یا از تمات جمال مثل صفات ثبوتیه سجد جات علم قدسه مشیة لوده کلام تکریم که
 اہیات صفات اند و ہمگی منزلت آنها و ہم صفات سلبیه از سوجیت قدوسیت و غیره و بعضی از تمات
 جمال از آلات نفع و ضرر ہم باشد و غرضم از تقسیم حال آنست که صفتی چند ہم پرستہ صمدی و سببی
 اجتماع پیدا کنند که خوش بیکرونیک منظره چنانکه چشم و گوش بینی و غیره اعضا ہم پرستہ
 صمدی بیکر منظر پیدا می‌کنند چون آن صورت حاصل اجتماع یک جلدی باشد آنرا جمال بگویند
 همچنین صفات کماله خداوندی ہم پرستہ صمدی پیدا کرده باشند که آنرا مصداق جمال قرار داده

اسم جلیل که در حدیث الله جمیل بحسب الجمال وارد شده بمحافظ آن وضع کرده باشند و عجب نیست که و خلق الله آدم علی صورتی نظیر همین صورتی باشد پس هر صفی کمالی از صفات کمالیه خداوندی که در حصول هیئت اجتماعی مذکور دخل داشته باشد اگر در کلام الشریعه ذکر کرده اند و ستاود دعوی گردد انشیده طلب عبادت فرموده اند مثل صغره کور نیست چه آن کمالات لاجرم از آلات نفع و ضرر اند یا از نعمات جمال اند این صورت هر تنهایی دنیاوی که بوجه کمالی از کمالات خداوندی باشد راجع بهمین مالکیت و جمل خواهد بود آری کمالات انسانی از جمال انسانی باعتبار عن مغایرت دارد که آن صابطن روح است این در ظاهر بدن و باین وجه می توان شد که نیاز بوجه کمال چه باشد و بوجه جمل جدا چنانکه درین عالم بجه مالکیت جدائی باشد و بوجه احسان جدا لیکن خاص در باب خداوندی محاطه ذکر گون است احسان از تفریحات مالکیت است و کمال از نعمات جمال و جیش بهمین است که در ذات و صفات خداوندی فرق روح و بدن نیست که در جمال و کمال نباشن پدید آید تفاوت ملوک و غیر ملوک نیست که احسان از مالکیت جدا افتد احتمال زوال مالکیت و ملک و تعالی نیست که چیزی را بمکانات همه گویند نه هر چه بپا داده اند مستقار داده اند ملک او تعالی همچنان برقرار است چنانکه در استعاری باشد و همین است که از مالکیت خود بجزای اسمیه که دلاله بهدام و ثبوت دارد خبر داده اند می فرماید الله ما فی السموات و ما فی الارض و چون نباشد هر موصوف بالعرض و الموصوف بالثبات چنانکه مانی ضروری است لیکن مارض در عین وقت عروض بر عرض قائم بیان موصوف بالثبات می باشد اگر تردد داری حال زمین در وقت نور انشائی آفتاب بر و سنگر که درش مدغم قائم آفتاب است نه زمین آری اگر واقع بر زمین گوی بجا است پس مکانات که وجود و کمالات وجود آنها همه بالعرض اند لاجرم مخرج موصوف بالثبات خواهند بود که وجود و کمالات وجود از اوصاف ذاتیه آن باشد و آن کبست خداوند تعالی است که بعرض وجود و کمالات وجودش بر خالق ممکنه مکانات از عدم بساطت وجود قدم نهاده اند و چون این همساده صاف زلوازم ذاتیه و کمالات خانه دارد او تعالی هستند انشکاک چنان صورت بند که احتمال همه موجب خیال زوال ملک او تعالی تو نه شد البتاه

احسانش بطور عطا و عاریت است که مستلزم مالکیت او تعالیٰ است اکنون روشن شد که با شکر
 مویسات عبادت مخصوص همین دو کمال است یکی مالکیت دوم جمال باقی هر کس ایکه خواستگار نیاید
 است یا بوجه یار پر داری ملک است یا بوجه تکمیل جمال چون این قدر فسیدی بقدر دیگر نیز گزینش کن
 برادر من نفع و ضرر را می بینم که هر یک جداگانه خواستگار اطاعت است نه بینی که اجیر و در نقطه پایید
 نفع اطاعت مستاجر و آقا خود می کنند و عبا یا سلطان یا مظلومان بیدست و پاره نقطه بانیست
 جان و مال محصول سلطان و زربطان می دهند و خلافت فرمان اودشان نمی کنند اندکین صورت
 اسم پاک نافع و ضار از اسماء همه و گاه هر یک بالاستقلال خواستگار عبادت باشد که کم از کم
 یک نکته چنانکه خود خواهد بود گرانی که فخر صافی و ضرر در صافی ممکنات که بی آدم هم از آنها است اگر
 ممکن است بواسطه زمانه ممکن است چه حدیث محمد ثانیست جوهر باشد یا عرض منتفع و مضروب و بنوع نفع
 و ضرر و بسته بدست اراده خداوند است که یک خلقش بر ادبی آن و تابع تعلقاتش در انست بالجمله
 چنانکه اراده مثل دیگر صفات بذات خود قائم و دائم است در جانب تعلق خود متجده است در نه لازم آید
 که یا اراده خداوندی حادث باشد یا مرادات او تعالیٰ قدیم بانی مانده صفات و کمالات دیگر خداوندی
 چون عطائی آن ممکنات حواله بارده است تجدد آنها در ممکنات بالعرض باشد نه توسط تجدد املا نه
 بذات خود و در راده هم اگر همین سان گویند بهر لایحه را که بخواهند بیاورند و پیدا است که این محال است چه
 اماده دیگر اگر ذرات او تعالیٰ باشد تسلسل یاده یا ترجیح یا ترجیح لازم آید و گاه کس بگوید خدا را خدا
 مگو تعالی الله عن ذلک علو کبریا بالجمله و در جانب تعلق بذات خود متجده و باشد لیکن چو زمان همین
 تجدد است بجز صفات دیگر از حرکات ارادات ممکنات منظوف آن لایحه آن تجدد اراده خداوندی
 باشد که از همه تجددات بالاست اندکین صورت پر ضرر است که خلقش را بپذیرد قیام و قرار نباشد
 در نه لازم آید که آن قیام و قرار عرضی باشد یا آن تجدد بطلان حق ثانی میبندم دانسته بانی مانده
 اول گزینات را بالعرض خوانیم اگر از خارج رسیده اند ای کجاست که عمل تصرفات و بجزان و محل و وقت
 شد و اگر اداتی صفات آمده لازم آید که ابقاء ممکنات مثل ایجاد ارادی نباشد ایجابی بود بالجمله در صحت

تعلق اراده بر ادی بقاء ممکنات اضطراری خواهد بود یا ایجابی و در بطلان ایجاب و اضطرار ذکر را این
 اسلام در هیچ کلام باشد که او شان جبر ممکنات را ادی می دهند پس بقاء ممکنات ظنیر که یکی از ممکنات
 است نزد شان اراده خواهد بود و او شان هم ممکنات را تصدیق می کنند که هر دوی به یا شنیده باشند
 تا چاریت با این همه مشاهده فعل با یک بین این است که صفات ذاتیه با هم حجاب یکدیگر نمی بینند
 آری هر شئی بعضی خود محبوب یا مرتفع می شود و بعضی دیگر با هم حجاب یکدیگر نمی شوند و وقت احتیاج
 البصار بحال خودی مانند وقت بصارت استماع بدست خود خویشی باشد و آنچه در وقت استماع استماع
 کسی در ابصار هنگام همه تن ابصار شدن نقصانی در استماع می بیند آن در حقیقت کمی نقصان در
 مرتب استماع و ابصار می آید بلکه توجه بمجموعات باعث کمی توجه بصیرات می شود و توجه بصیرات موجب
 نقصان توجه بمجموعات می گردد و توجهات ششی با هم تضاد دارند یا وجه تعلق با امور متباینه که تضاد می باشند
 حکم تضادی دارند و وجه تضاد متباینات ظاهراً است عجزیه و ثمریه نسبت جسم حکم حره و منفرد نسبت
 همان جسم است چنانچه پیداست الفرض یک ضد واجب یا رافع ضد دیگری باشد و ممکن نیست
 که صفات ذاتیه با هم تضاد باشند و نه لازم آید که هر یک از آنها اجتماع تضاد بود و اگر بالفرض اجتماع
 تضاد باشد و یکی از آن سائر دیگر بود چنانکه هر دو عارضه غیبی جامد که ذاتی باشند بر پرده خود می بینند
 لازم آید که هر غیبیه ذات نسبت صفات خود تفاوتی باشد و میدانی که یکس جبراً این مثال بلکه تضاد
 ندارد که ذات واحد بی نقصان امر دیگر نشان شکلیک باشد آدمی مانده اگر از صفات ذاتیه نبودی می توان
 گفت که باقران امده گیر این تفاوت بظهور آید باطل چنانکه در تحقق صفات ذاتیه گنجائش در داخل امر
 دیگر نیست احتمال تفاوت هم بینال بنای آدمی اندین صورت لاجرم هر صفت خود بشرط تعادل عرض و
 متغیر بکار خود باشد یک صفتی ممکن نیست که حاجب دیگر باشد نظر برین لازم است که الاده هم علی الاده
 بکار خود باشد که تجدید است آری این ممکنات که مغلطات است اگر اسرار وجود بر فاستی مثل دیگر
 صفات که تعلق بوجود خارجی ممکنات دارد اراده بر یکا شستی باقی اند این بقاء شهود که در ممکنات دیگر باقی
 بنا حقیقی نیست بقاء و اشال باشد که هرگز بقاء ششی واحد است بمثال که پس روشن است طبعان

خود کن اگر شمس یا چیزی دیگر چنین کوتاه مقدار مقابل آئینه که پس برین بطویل باشد و نه انیک
 جانب بجانب دیگر کشیده بر نمد بادی النظر اگر بنی عکس شمع که در آن آئینه افتاده باشد مثل شمع
 چیز است واحد که بمقتضای شمع از یک طرف بطرف دیگری رود و لیکن اگر دیده عقل را بکشتای دینی یقین دانی
 که هر دم عکس تازان آئینه نمی افتد نه آنکه عکس صاحب دل تا آخر میرود چه اگر در وسط آئینه قلمی
 نباشد یا باشد مگر چیزی دیگر مثل گل آبی بر روش چسبان بعد از آن قدر عکس مذکور در وجود نمودن خواهد بود
 و چشم بجز این چه خوبی گفت که حدوث عکس در تمام الحجاب شرط است فاذا فأت الشرط فأت
 الشرط لیکن همین کلام از طرف پذیرا کن مابین می گوئیم که حدوث عکس تقابل و محاذات شرط
 است فاذا فأت الشرط فأت الشرط و هو یست که شمع را در حال حرکت با جمله اجزاء آئینه
 یک تقابل نیست هر دم با هر جز تقابلی در گشت که موجب حدوث عکس دیگر خواهد بود اکنون باز بر سر
 مطلب می رسم عزیز من چنان بود باشد که کار نافع و مضار زمانه نیست از زمانه دانستی که ساعده مقدمه است
 مستند به کدام کاری مستند به توان کرد نظر برین در ساعه اگر پرده طلب عباد از درگاه نافع و مضار
 رسد بجاست چه در هر ساعه نافع مقداری مستند به از وجود و کمالات وجود با و عطا فرموده و باز مضار هم
 واپس نمود چنانچه مقتضای تجمیع امثال همین است و پیشتر در گوش تو دیده آمدیم که یک رکعت
 عبادت مستند به آن اگر بر آن اکتفا فرمایند بخیثه عبادت نقصانی نباشد چه همه اجزاء و ارکان صلوٰه
 اکنون فراهم آمدند و صورت اجتماعیه که همانان مقصود ازین اجزاء است نقش خود بر وجود کشیده و در یاد
 کمال وجود مشایبه صورت انسان گردید که پس از فراخی جلا اجزاء منقسمه و اجتماع آن بطور معلوم در
 نقش صورت انسانی نقصانی نمی ماند آری چنانکه غلام مشترک را هر روز از طاعت هر دو مون چاره
 نیست و باز در یک وقت خدمت هر دو تصور نیست و بدین سبب کار هر دو نوبه بنوبه می کنند بچنین بنده
 بیچاره از عبادت نافع و هم مضار ناگزیر است و همین است که نفع و مضار بچند زوج و فرد متعاقب و
 متلازم اند تفاوتی و نقصانی بیان نیست زیرا که بقدر امثال بے نشاء امثال ممکن نیست اگر مثلی
 حادث می شود مثلی دیگر فایده در آن فساد و این حدوث تا میسر دم می آید و می رود تفاوت

یک دم هم نیست که در رکعات مطلوب آن تفاوت باشد تا با و در حق یکی در مقسم قیاسی بجای هر یک در کتبه ثالث مغرب و تراگرزداست نه باین وجبه حق یکی باز مستحقان دلاوه دیگر واجب می دهیم نه بلکه و پیش این است که این طرف قاعده الله و توجیب الوتوکی بیشیک رکعت می خواست و آن طرف بشارة سبقت رحمتی علی غضبی ستوجب مزید استحقاق نافع از ضارب و نظریه این از دگرگاه رحمت کی هم حق ضارب لازم مدد معافی یک کتبه ضرور آتاد معین انقلاب ییل نه از مشایخ انقلابی است که موت و قبایل خوانند خصوصاً و تشیکه اینهم پیش نظر دارند که شب و قوت نوم است که حسب رشاد الغوم الخوالموت بر در دست میدانی که موت و قیامت از کار پرداز می اسم ضارب است که سلب و جود و کمالات و جود می نسواید و غفار کلی روید و لیکن روشن است که ادق شناسان زیر بار این حقوق ناشی غیری نماند که اضافت حق بدان قهق پذیرد و نسبت حق تحقق شود بالجمله و در آخر حال منوماست که حق ضارب ساقط شود فقط حق نافع باقی ماند برین تقریر و ترمیم که آنرا و ترا نه از فرموده اند خوب موجب آری در درداشتن و ترا لیل هنوز شب باقی است اگر چه تقریر اول کافی است لیکن مگر غور بخار بریم برین تقریر نیز موجه می شود تقریر پیش اینست که هر چند در شب به نسبت روز تصرفات ضارب به نسبت نافع زیاده تر است اما پنجگان که سلطنت و علمداری نافع بالکلیه برخاسته باشند بی بلکه اکثر و نصف هم زائل نشده آری قدری قلیل از منافع باز داشته می شود لیکن آن بازداشتن یک به بعضی و نه منتهی اگر است اگر عجب به رطوبتی برید و خوراند و چون سیر شود با نایب است تا آنکه نوبه سیری بغیرت و برگشتن صبح انجام آن وقت اصرار و الحاح در بیان خوردن و خوان طهارت اگر آشیا گسسته شده سوری باشد بهمان پیش نظر او گشاده داشتن از منافع و نعم نیست آری خوان از پیش او بردن و زمام اختیار با دست در هر خواب راحت و بجانب بالین استراحت اشاره فرمودن نعمتی است که حقیقه شناسان که از نعمت لال نمی شمارند نظر برین اگر شب در حق غفار روز شب قیامت است مدد در حق آلا و شب مدد قیامت تمام بود اکنون باز بر سر مطلب می آیم و گزارش می نمایم که چون در هر ساعه از ساعات روز ده گانه روز و ده گانه شب که مجبوره است چار می شود و در پرده طلب نازیک از دگرگاه نافع

و دیگر اندر بارضار رسید لازم آمد که با مثال هر دو امر پرداخته شود لیکن پیشتر دانسته شد که حقیقت
صلوة همین یک رکعت است پس نظر برین کم از کم بحکم نافع وضار دو رکعت در هر ساعت فرضی شد
که مجبوره آن بچهل و هشت میرسد بالجمله مقتضای مالکیت خداوندی که بواسطه زمانه بد و بطور اعنی نفع و
ضرر کار بهما زیست آن است که در شب روز و چهل و هشت رکعت از سنده ناچار گرفته شود اما اسم
جلیل شل نافع وضار در مرتبه فعلیه محتاج زمان نیست که آن زمانه و اجراء زمانه حسابی کرده شود این
اسم پاک او تعالی چنانچه وصف قدیم است باین وجه در نفس قیام موصوف خود که ذات پاک
او تعالی است بخود گیر اسم احسنی است اما لازم است متعدی مفرد است اضافی تارویجا
دیگر نه در فعلیه خود دست بدان مفعول مضان الیه زمانه چنانچه بدیهی است بالجمله اینجا از سر کار
بمضات الیه نیفتاده و تعقیق مفعول دست نداده تا بخود زمانه نزاع کشد چه مدار این تجدید همین مضات
و تعدیست آری مادر فعلیه این جا هم تجدید دیگر متصور است مگر نه در مرتبه مصداق جمال فعلیه
آن که آن خود در ذات او تعالی مستخرج است بلکه در مرتبه تجلی و ظهور که صاحب جمالی آئینه پیش
خود دارد یا الباسی نو پوشیده سر از خانه برآورد این نتوان گفت که جانش از قوق به فعلیه رسید و
از ملک زو به بطور استلک کشید این آری آن گفت که جلوه در گردید اگر ده و شانزده در ایجاد نهاد مگر دانی که این
تجلیات و ظهور شیون اگر چه از صفات همان جمال است لیکن زمانه است اکنون تجلیات
که این قسم انقلاب آنهم چنان که موجب تجدید نیاز باشد چند گاه به ظهور آید التماس بکلام ربانی
آوردیم بجزایش فرموده کل يوم هونی شان نظر برین چنان پذیریم که تجدید شیون روزانه میباشد
ساعت بساعت نمی بود آری این متدلمو ظاد اشتن ضرورت است که در محاورات عرب در هیچ مقامات يوم
نوع اللیل مرادی باشد اگر کسی ندانند محکات یک روز یا یک شب می کند همین دجاء را اعتکاف
شب روز لازم می آید بدین وجهی باید که از پیش گاه جلیل میعاد مهلت شب روز بود پس از مروه
شب روز عبادت طلبیده شود که موافق تحریر سابق در نوع صانع یک گفت و پس لیکن چنانکه اسم
مالک باعتبار کار پردازی ای خود در پیش کار نافع وضاری داشت همچنین اسم جلیل باعتبار

تجدد ششون دو مظهر دارد صمد و دود که اول شیر به بی نیازی و ثانی شر به چاره سازی است و با جمل اینها
نیز دو شبهه است لطفاً بی نیازی که مثل نافع و ضرر هر یک ملازم موجب نیاز بالاستقلال است چنانچه
و معنا شنایان محبت خود دانسته باشند پس چنانکه در هر ساحت و مطالب یکی از نافع و دیگر ضرر بود در
هر مظهر و شب دو مصادره از صمد و دود بود و با جمل هر شان قبض و نقیض جملات جدا و هر شان بسط و
انقباض صلاتی جدا باید نظر برین در شب و روز و در کت و دیگر افزوده باشد و جمل چنانچه گفته عرض فرموده
باشد چنان از وجه فرضیه بخواه آگاه شدی از حکمت باز آید دن بیانده هم باید گفت بشود که ستار این
مطلب نیز به تمهید است که بیانش بول ضرورت شاید از قواعد شرعی یا قیاس عقلیه پی برده
باشی که آثار اضافات مضافات السیه برابر میرسد یعنی که اکمل بود و موکل مان و شاهد آن
کاتب آن همه برابر هستند بنا بر این تساوی بر همین است که لغت و غیر در هر چه عذاب بهر این بر وجه مفروضه
از هر تحقیق این فصل مقررات از فعل اضافی نیز به همین فاعل مفعول اگر یک هم ازین نباشد اضافه فعل نقش
و بعد نپذیرد نظر برین هر چه در تحقیق اضافیات از فاعل و مفعول زمان مکان ماضی داشته باشد بعد
ماضی خود مورد آثار اضافه هر چه از مدح و ذم و ثواب و عقاب باشد خواهد بود همچنین اگر نسبت و اضافه
واحد است و احد النسوبین یا احد المضافین متعدد درین صوره آن آثار هر مفعول مضافات را برابر خواهد
گرفت مگر غرض ازین و احد و این تعدد ندان است که مبتدا یا خبر متعدد باشد فقط چنانچه گویند زید و
عمرو قائم یا زید عالم و حافظ چه در اشال این جمله اگر چه بظاهر نسبت و احد است زیرا که جمله یک می نماید اگر
در حقیقه جمله را متعدد را وجه اشتراک احد النسوبین بصورت یک جمله آورده اند نسبت به متقوم به به پیروی
یک نسبت سپرده اند آنکه نسبت و احد است و احد النسوبین متعدد بلکه مراد ازین سخن آنست که فعل واحد
از دو فاعل سر زده باشد یا بر دو کس واقع شود مثلاً دو کس بهم شتند و یک مظلوم را بکشتند یا یک
کس دو مجرم را بهم کرده سر زده اند یا درین صوره اگر چه بظاهر در بعض موارد فاعل متعدد باشند گمان که مضاف
فعل است از و احد مگر نشسته شیع این معانی است که قائل اگر مجرم است و ستمی دین و قصاص من عذاب
می شود باعتبار نسبت از لاق رواج مقول می شود باعتبار صمد و فعل ضرب در نه مجرّد صمد و این

افعل اگر چه برکے واقع نشود اگر واقع شود بر دیوار و اشجار واقع شود گردش میزند و مورد لعنت و غضب و مستحق عتاب می شود و غرض بر جا نگرفتنی مقبلی نظر است مدین قدر هر دو قائل چنان واحد اند که دو ذایع کا دایع ایه هم گرفته بر حلق مذبوح را نشاند پس چنانکه در صورت ذیج حرکت واحد از دو محرک سرزده همچنان حرکت مدحانی مقبول که آن را انتقال موت خوانند اند محرم که همین دو فعل این دو قائل اند سرزده الغرض نظر بظاهر قائل متعدد است و فعل واحد اما در حقیقه قائل نیز میجو فعل واحد است و چون نباشد و متعدی فعل واحد قاع و کثر قائل را بحر فعل لازم است لیکن چنانکه مرزور آورده بعضی افعال خفیفه حاجت نصف زور می افتد که با داده اند و در افعال قوی حاجت همه زور و طاقت می باشد و این تناصف و تضاعف زور موجب تناصف عددی یا تضاعف عددی آن افعال نمی گردد مثلاً فعلی که از نصف نه صادر شود آن را یک فعل و فعلی را که از همه بنفد بوق آمده آن را دو فعل نتوان گفت همچنین در بعضی افعال زور یک کس در بعضی افعال زور دو کس کار میدهد مصدر آن افعال قابل جمع آن دو نفع و آن دو نفع می باشد نه تنها تنها هر نفع و هر زور غایت مالی الباب اهل قی معتقد باشند گویانی که نفع دایم قی بلکه خود تسو قوت موجب تعدیل نمی توان شد چه مصدر افعال قابل اجتماع قوا متعدد است نه خود قوا متعدد تا تعدیل افعال لازم آید چنان این دقیقه شناختی حکمت لازم و موجب قصاص بر جمله شرکاء قتل مقول و هم حکمت این حکم نیز دانسته باشی اکنون بشنو که نفع و ضرر تنها از یک منفعت بوق نیاید لازم است که دو صفة از صفات خداوند مصدر نفع و ضرر شده باشند به نفع و ضرر متضمن معنی عطاء و سلب است و میدانی که عطاء را چنانکه ضرورت معلی له است و سلب را چنانکه ضرورت سالب معلی له است همچنان ضرورت معلی و سلب است که عطاء و عطیة باشد چنانکه باید مثلاً عمر و اد هم و دینار میدود و این یک فعل باین مقومات ثلاثه محقق و متقوم می شود همچنین اگر خداوند معلی و نفع بیکتی عطا می کند و نفعی میرساند این بخشش و عطاء را نیز از این ضروریات ثلاثه ناگزیر است علی هذا القیاس سلب خداوند را سلب افعی باین مکنات قیاس باید فرمود مگر عطاء بدو قسم می ناید یکی آنکه عطاء سلب معنی سلب بینه مقول و سلب از قبایات معلی بصیغه قایل به سلب باشد چنانچه در عطاء

۱. آفتاب در هم و دینار جوید است دیگر آنکه عطار و سلب از صفات معنی و سالب بود چنانکه در طلوع
 و غروب آفتاب هر چه از نور و ظلمت زمین مشاهده می افتد در حقیقته لحوق صفتی از صفات آفتاب که
 در صورت بزمین یا انفکاک آن از آن می باشد لیکن اگر بدین غور دیدن شود در هر دو صورت عطار
 و سلب صفتی از صفات می باشد اگر چه در یک صفت عطار و سلب مبانی از مبانیات نماید
 و شش اگر بر پی این است که در عطار در هم و دینار نیز اعطاء صفت مالکیت خودی باشد
 و نیز سلب و دیگران یکی سپرده باشد ثمرات داد و دهش که ثواب خوشنودی رب الارباب است
 و نیز نتوان رسید اگر حقیقت عطار و اعطاء همین در هم و دینار و دلائل آنهاست در هر دو صورت
 و نیز نتوانست اگر فرق است همان فرق عطار مالکیت خویش و عدم آنست نظیرین طبع نظر همین امر
 خدائی باشد بالجمله اضافتی که معطی را بنسبه عطار حاصل بود و آن اضافت در حق معطی صفتی بود
 از صفات او و معطی را عطا می کنند این بر آن ماند که سنگی بر سنگی نهاده باشد و نظیرین وضع
 سنگ بالا را بنسبت سنگ زیرین اضافتی و صفتی بود که آنرا فقیه گویند پس اگر سنگی
 از بالا کشیده بجایش سنگی دیگر یا چیزی دیگر نهاند آن فقیه سنگ اولی اکنون بنگانی منتقل شد
 و آنکه در اصل فقیه تغییر واقع شده چه مصداق فقیه بر همة فوکل سنگ زیرین است و معطی
 این همانست که بود العرض چنانکه در مثال مذکور سنگ اول صفتی از صفات اضافتی از صفات
 فقیه بنگانی عطا کرده است همچنین در اعطائات این عالم اگر چه عطار بادی النظر باین اذوات
 معطی نماید یا صفتی از صفات معطی را میرسد آن درین تدریج شک نیست که بهر موقع صفتی
 نه از معطی میرسد از صفات انفرادی می باشد نه از صفات انضمامیه اضافتی از اضافات
 فقیه مصداق منتقل بالمفهوم و بهین سبب که نظر ان اشیا مبانی را که صحیح اضافه و یکی از
 در این شتین این اضافه می باشد عطار و عطیه می نشناختند چون این قدر مسلم شد که عطار
 بر هر چه که باشد در صفات می باشد اگر چه در بادی النظر در مبانیات هم نماید بر سر مطلب می آیم
 و نیز در مطلب می نمایم که بهر تقویم عطار و سلب از سه امر ناگزیر است و از آن بجا می آید

یکی قوه اعطاء و سلبه یگر منفی که عطاء یا سلب می فرمایند و یکی بجانب معطی که آن با بقوه آخذه و قابله تعبیر کردن زیباست پس باین نظر که نفع و ضرر معنی اعطاء و سلب را تبیین است لازم آمد که بجانب باریتعالی در امر زمین ضروریات غنمه مذکوره تکریر کنند یکی را اراده نام می نهیم و دوم خزانه الرحمة می خوانیم مگر اضافت یک مابین نافع یعنی جناب باریتعالی و مستفیع عینی عباد واقع است اگر یک جانبش امر و صانیت است یعنی مایه ممکنه عباد درین جانب علیا این دو منسوب به صفات اعنی اراده و خزانه الرحمة در واقع اند حسب قاعده مسطوره بالا بشناخته که احکام اضافت و آثار نسبت بهم به منسوب منسوب الیه بکار بر می رسند و هم بشناخته این اطراف برابر میروند نظیرین در استحقاق عباد که از مقتضیات اضافت اند فیما بین نافع و مستفیع و ضار و مضر است اراده و خزانه رحمت هر دو مستقل باید شناخت و در هر سلسله از هر دو سر کار برده اند جدا گانه در مطالبه یک کتبه که مقدار معتدب درین نوع است صلاح باید پنداشت اکنون لاجرم آن چهل و هشت کتبه که حق نافع و ضار بود مضاعف شده بنود و شش رسیدند و همین طور در کتبه لایان محیل هم باین نظر که انقباض و انبساط نیز مثل نفع و ضرر بود و جز نخل می شود و بحکم قاعده مذکوره هر یک از آن در استحقاق مذکوره مستقل است از دو بچار پاکشیده مجموع این تضعیف صد کتبه شد که پس از تقسیم بر انصاف اربعه شب روز است و پنج کتبه بجهت هر نصف از شش صد آمد مگر شایع بجای بست و پنج کتبه بر دو نماز ظهر و عصر و نصف اخیر روز و همچنین بر مغرب و عشاء نصف لیل شب الکفار فرمودند یکی را ازین ده و نماز نصف اول آن نصف و دیگر را در نصف ثانی بلکه در شروع و آخر آن نهادند چنانچه از استجاب تعین ظهر و اخیر عصر و قبل مغرب و تاخیر عشاء هویدا است و فرض ازین وضع و ترتیب چنانچه پیشتر گفتیم که خوبی اطراف در نظر چشم پریشان کار خوبی همه اجزا رسید همان تعمیر این انصاف بود و بسبب اطراف مگر تخفیف و تسهیل اکنون آن قاعده را باید آرد که احکام اضافت بهر دو طرف برابر می رسد و هر دو طرف در استحقاق آثار نسبت به مستفعی باشند و باند باره حکمت تزیین ثواب جماعت از یک تا بست و پنج چنانچه در روایات بخاری و مسلم موجود و موجود است اطمینان خود کن لیکن چنانکه با قیاس انقباض و انبساط

کمالش یون جمال اند به وقت پے برده ایم کی قابضه و باسطه دیگر مطابق آن که آنرا منقبضه و بسطه می توان گفت بهر آنکه منقسم جمال از منقبضه و بسطه تمیلیل دیگر یافتیم که اصول آن شش صفات اند از صفات سبعة سوا را داده که بقوه قابضه و باسطه معبر شد تفصیل این اجمال هر چند در خود این اوراق نیست که این قطره از دریایم خواهد گزشت اما در مخنی که قائل را برده آورد در پنج هم نباید کرد هر حادث از خدا باشد یا از بنده از حیوة و علم و قدرت و مشیة و اراده و کلام نفسی که آنرا حدیث النفس هم اگر گوئیم بجاست و تکوین ناگزیر است چنانچه پیشیاست اگر کی هم از این صفات سبعة نباشد فعل اختیاری که سرایه احداث و ایجاد بلکه عین ایجاد است صحت نه بند و میدانی که این همه سامان در جانب محدث و موجود است که با مفعول خدا یعنی محدث و موجود که باعتبار دیگر آنرا حادث موجود نیز گویند تقابل تضلیف دارد پس این همه سامان در مقابل هر حادث اُقتاده است نظر برین اگر گوئیم که در پیش نظر ممکنات از کمالات خود اگر آورده اند همین قدر آورده اند اضافه مشاهده و مکاشفه اگر ممکنات را حاصل است همین قدر حاصل است بجا باشد مگر دانسته باشی که جمال هستی است که با جماع یک جلوه میدامی شود همین است که جمال را جمال گفته اند بالجمله مصداق جمال هستی اجتماعی است که هر هر جزء و جمیع متعوم آنست و جمال اگر موجب نیاز است باعتبار نفس و مشاهده است نه باعتبار ذات پس جلوه کلام تجلی و مشاهده بالاعتبار خواستگار عبادش پسندار آن این قدر تقابل داشته اگر دلد اوگان خود را بسطه کشد زیباست بالجمله جمالی که بنده را تا مشاهده آن رساست و جلوه که مخلوق را آن آشنائیت همین هستی مجرعی است با صفات سبعة مذکوره است و پس از درین مسوره بیا قاعده مسطوره فهمیده باشی که هر یکی از این صفات سبعة در خواستگاری یک کتعت مستقل باشد چه جمل حقیقی که مبدء و محبت عباد شده بر هر یک توقیفی دارد پس هر نیازی که نباشد بر محبت باشد بطرف هر یک از این صفات سبعة رو خواهد داشت و هر یک از این صفات استحقاق آن نیاز جداگانه خواهد بود پس ازین اگر نظر را نسبت شیعین بی نیازی و چله سازی

علل و معلولات را مضاعف کنیم مثل هم چاره خواهند شد و معلولات آن نیز که همین رکعات
 اند چاره خواهند رسید بانضمام آن به نود و شش رکعت سابقه که بافضل و تضعیفات نافع و
 ضار بهم رسیده بودند نوبت یکصد و ده رکعت خواهد رسید که پس از اختصار آن بقامده من جاء
 بالחסنة فله عشر امثالها همان یازده رکعت بدست می ماند که ادا در سفر و حضر فرموده بودند مگر
 چون این قدم دیگر لحاظ کنیم که بعد افعال و تجدیدات مربوط به باراده اند چنانچه هویداست دهم آیت یغیث الله
 ما یروئیه پرده از روی این شاهی کشف خود بخود لایحی می شود که قبض و بسط که از قسم فصل است کار
 اراده است باقی ماند انقباض و انبساط پس ازین خود از احوال صفات مسته باقیه خواهد ماند و
 میدانی علت تریب و نیاز بهمین انقباض و انبساط است چه ریج و راحت و محبة و انسیه بفراق وصال
 و خوشی و ناخوشی محبوب می باشد که همانا اقسام انقباض و انبساط است ناز و قسم قبض و بسط نظر
 برین نیاز و عبادت را اگر رابطه معلولیه است بهمین صفات مسته است که پس از تضعیف و مقتضای
 اثنی و دشان انقباض و انبساط است نوبت به یازده رکعت و پس از انضمام نود و شش رکعت سابقه
 یک صد و هشت می گردند اکنون بحمد هر نصف از انصاف شب و روز است هفت رکعت خواهد آمد
 و بسیار قاضیه مسطره روایت ثواب است هفت رکعت که به است نماز جماعت هم در بخاری و مسلم و غیره
 موجود است صحیح می شود بایمانند امر قابل تحقیق یکی آنکه در اختصار رکعات با عدد یکصد و ده
 رکعت کار افتاد و درباره تعمیر انصاف از لطراف عدد یکصد و هشت که در بخش است و هفت است لحاظ
 آمد و این فرق چیست دم اینکظم و هم چنین مغرب و شام اگر بهم شده کار تعمیر یک یک نصف میکنند
 باری نماز صبح بدست مبارک و تعمیر و نصف می کنند اگر نماز صبح را از نمازهای شب و نماز چنانچه
 مقتضای قبلتیش از طلوع همین است باعشا پرسته کار تعمیر نصف اخیر شب میکند و شاید همین است
 که نماز عشاء و صبح که با جماعت گزیده شوند و عدد ثواب احیاء هم شب فرموده اند اگر نمازهای مذکور
 چنانچه مقتضای بعدش از صبح صادق که همانا مبدأ عزت همین است با نماز ظهر و عصر پیوسته
 احیاء همه روز خواهد داد نظر برین می باشد که اگر ثواب ظهر و عصر و غیره ثواب است پنج رکعت بودند

ثواب نماز صبح به ثواب پنجاه رکعت برابر آید، اگر ثواب ظهر و عصر و غیره به نسبت و هفت دیدی
 ثواب صبح به ثواب پنجاه و چهار خود را کشیدی این چه سبب است که ثواب صبح نیز به سنگ ثواب
 نمازهای دیگر مانند پنجاه یا پنجاه و چهار نرسیده شرح معاد اول این است که افعال متعدیه دست
 بدو اسن آونخته اند یکی فاعل که باعتبار آن وصف صدور به دست آورده دوم مفعول که بالجملة
 آن صفت وقوع و تعلق بهم رسانیده مگر چنانکه حرکت قطعی در افعال ما از نوعات متناهی
 صورت بند و بچنان زمانه در افعال خداوندی از تعلقات متواتره بوجود آید بلکه حقیقه زمانه
 حرکت قطعی صفتی از صفات خداوندی خصوصاً صفت وجود است که ساقط کن بهمین امثال ممکنات
 است چنانکه از اشاره که در باره تجد امثال گذشته دانسته باشی بالجملة حقیقه زمانه که بیش از
 تجد نیست از تعلقات متواتره صورت بند و در جانب صدور ثبات و وحده است نه مکرر و تجد
 آری تعلقات بصیغه مفعول کثیر آمد بدین وجه منشاء تجدی تو اتند شد چون این است در نسخ
 بدان که قبض و بسط کار فاعل است و تقاضی و انبساط کار مفعول از جهت صدور کار است و این را
 جهت وقوع در کار آن الائی زمانه است این زیر دامن آن باطل زمانه نسبت آله بفاعل دلد
 و با ثانی نسبت آله بمفعول پس چنانکه نظر بر زمانه باشد توزیع و تقسیم زمانوی مد نظر بود آنجا که ماده
 را که کار پرداز قبض و بسط است نه مورد انقباض و انبساط در حساب آوردن و باعتبار اثنیة قبض
 و بسط حق او را مضاعف و مکرر گرفتن خبر از سور فهم و غلط فهمی میدهد که از ان متعالی
 عن العیوب علام الغیوب نباید دیدانی که در تضاعف ثواب از یک تا بیست و پنج یا بیست و
 هفت نظر بر همین تقسیم و توزیع زمانه است چه اگر و عدل بیست و پنج یا بیست و هفت است بدین
 نسبت است که درین قدر زمانه که نصف روز یا نصف شب است بمقابل انوار الهی و جبرار
 خداوندی که بواسطه این قدر زمانه ببار رسیده می بایست که از اول تا آخر مشغول عباده بوده
 باین قدر رکعات از عهده بندگی برد آندی چون این عهده برای اکنون به نماز عصر و ظهر و نماز
 مغرب و عشاء تعلق گرفت آن کار بزرگ ازین دو نماز انجم رسیده می باید که آن ثواب که بر کن

متفرج می شود اکنون بهین خدمت اندازی داشته شود مگر باید است که نماز و ضرائح که درین صورت
 طایفه موجب اند هر از منظر وفات زمانه اند نه آنکه اند زمانه بجانب بالاست نظر برین در اعطاء ثواب
 این خدمت نظر بر عدد یکصد و هشت کردن لازم آمد و رخصت گرفتن یک صد و ده نشد و در اختصار
 رکعات از یازده بکم نظر بر تجدید زمانه تقسیم و توزیع بر زمانه نبود بلکه حقوق مطلقه را خواه از این
 مالک باشد یا از ان جیل حق قابض و باسط باشد یا متقبض و منبسط بهم ادا قام کردن منجماست
 و آنچه از تعادل یازده رکعت یازده ساعه از شب روز مذکور شد نه باین اعتبار است که این تعداد
 زمانه از ان طرف بکار بنده محتاج مسده.... آن بهین قدر رکعات بجا باید آورد حاشا و کلا
 کدام الجاست که باین چنین خیالات دل خود را بیا لای از دیوانه تا ماضی همه میدانند و
 آنکه نظر بر طور گذشته اماخته اند تحقیق دانسته باشند نفسی نمی رود که نعمتی بلکه خدمت از ان
 طرف نمی آیند از سعی شنیده باشی نفسی که فرو می رود مدحیات است آنکه بر می آید معنی
 ذات بلکه باعث این تقسیم تراجم حقوق خالق کائنات و حاج بنده سراپا حاجات است
 اشتغال بهر دو کار از بنده ناچار دشوار بود بعضی را آنکه افعال را از زمانه ناگزیر است تحدید
 قدری از ان ضرورت داده اند اقتضای اجتماع این دو طایفه همین بود که حقوق هر دو طایفه سعادا
 کرده شوند غرض اینجا که نظر بر زمانه است وقت ادا حق است و آنجا وقت طلب آن آنجا
 مقتضی بعضی فاعل زمانی است چنانچه پیشین شده اینجا مقتضی بعضی مفعول زمانی است چنانچه
 هوید است و ازین تا آن فرقیست که خود میدانی چون کلام مادر اول بعد ازین تقسیم نقض تقریر
 مانند ان شد و آنکه در تحلیل جلیل عنقه اراده را بیک سو نهاده و از کار اد که فعل بود حساب نموده فقط
 بر انفعالات صفات بسته باقیه مجازات زمانی را مقهور داشتند و تحلیل نافع و مضار نظر بر کار اراده
 هم گماشتند حال آنکه اینجا هم کار اد همان فعل است نه فعل نیز نظر بهمان شمار و هزاران نیست
 نه فقط بر کمال آن ذوالجلال جوابش این است که در اعطاء و سلب و نسبت تعیین کرده اند مگر
 مقصود بالذات نسبتی است که یک طرفش معطی است و یک طرف معطی و عطا رفته آن نسبت که

در بیان سطلی و عطارد منتقزی شود این جافعل سطلی و نقفال عطارد بهم شده یک طرف نسبتی که در
و بدین سبب احکام نسبت بهر دوی مسند و پس از قبض و بسط و انقباض و انبساط که در شیون
جلیل می باشد اگر چه نسبتی دیگر فیما بین منقبض و منقبض عنه و منبسط و منبسط الیه پیدا شود مگر نه
آنکه قائل به مفهوم قبض و بسط است مصداق آن و مقصود بالذات ازان بلکه مصداق آن
همانست که در بیان قاضی و منقبض با بسط و منبسط جا گرفته و همین است که در بین جاضورت
مفعول ثانی نیفتاده و در احطارد سلب نسبت مقصوده نسبت فیما بین سطلی و عطارد و سالب و سلب نسبت
بلکه این نسبت بهر نسبت مقصوده که در آله ایست که بی گمان وجود آن نسبت متصور نیست ازین جا
که عطارد و سلب متحدی به مفعول آمده و ازین جا دانسته باشی نسبتی فیما بین منقبض و منقبض عنه
و منبسط و منبسط الیه پیدا می شود آن در کدام مرتبه از مراتب است الفرض آن بجای خود نسبتی است
جد امکان و نسبت اولی نسبتی است بجائی خود مستقل شل آن نسبت که از یک مفهوم اطلاق بر آید
یکی در مفهوم سلبه خود مختلج دیگر نسبت گو با اعتبار وجودی دست نگر دیگر باشد اکنون بشتر که منشأ و جلاله
در جلیل اگر ارسیت زمانی همان نسبت ثانی است که باعتبار وجود موقوف بر اولی است شل توقف بر
بنابر طلوع شمس باعتبار مفهوم تالسبه اولی رایجی از عالم احد النسبیین قرار داده احکام نسبت
ثانی را بجانب منسوبین نسبت اولی بر نه بلکه ضررهاست و ضرورت است که این جا احکام نسبت ثانی
را تا منقبض و بسط که یکی از اطراف این نسبت است و هم طرفی از دو طرف نسبت اولی رسانند بالا
برند و در احطارد و سلب چون گفته دیگر گوشت که خود نسبت اولی یکی از اطراف ثانیست و در نازین
چه کم که ما خود است در اطراف آن لاجرم احکام نسبت ثانی را ترقی تا سطلی و سالب ضروری است
فقط بر عطارد و سلب انقضاء نباید کرد و الله اعلم بحقیقه الحال این است مابیه الانفراق اگر فهم داری و نه
ذلات نظمی که ازین حیران مدین مزل الاقدام بوقوع آمده باشد در اشارت راه از پا افتاده تا بمقصود
اصلی رسیدن نخواهد داد چون ازین فرخشا جان سلامت بردیم و گوهر مقصود کف آوردیم وقت
آنست که این جام جهان فنا توجیهی خمس و خمسون بطوریکه نه پیا بشکند و نه باده بریزد

پیش نظر کشیم در تقریر گذشته منع شد که باشد که محل تقضیه پنجاه رکعتی خواه از شیون
 مالک باشد یا از شیون جمیل زمانه همه را پیش دست کار همه ازین روزه می رود و نظر برین
 مطابقت زمانه لازم آمد و مقابل زمانه ضرورت آن طرف اگر مالک و جمیل باعتبار
 تعدد شیون و تجدد احوال به پیرایه پنجاه محل مستطوره سر می آورد این طرف نیز خدمتیکه
 مقابل آن دو اسم پاک نهاده اند به پنجاه عدد عدد باشد مگر دانی که تعدد شیون و تجدد
 احوال اسما حسنی اگر بطهوری آید بواسطه زمانه بطهوری آید چنانچه از مراعات مساوات که بگذشت
 شناخته باشی و برین وجه یقین می پیوندد که این عدد و آنهم تا پنجاه در حقیقت از اوصاف
 زماناست و اوصاف اسما حسنی درین بحث از اسما حسنی فقط دو اسم مالک و جمیل
 بکار آمد و دانی که تعداد آن باعتبار ذات چه قدر است اگر ازین مرتبه هم نظر یابا کنیم مالک و
 جمیل دو اسم جمیع معنی می خوانند و آنجا این تعدد هم بوجهی انجامد بالجمله این تعدد اگر هم سیه
 از زمانه هم سیه و سرایه این مقدار اگر هست همین تعدد و تجدد مساوات انصاف آنهاست
 چنانچه از عنوان این تحریر هویداست مانندین صوره اگر اختصار پنجاه به پنج کرده باشند چنانچه
 فرموده اند می خمس و خمسون اختصار پنجاه وقت به پنج وقت فرموده باشند نه آنکه پنجاه
 رکعت را پنج رسانیده باشند تا ماعقل در حیرت افتد که اینجا پنجاه رکعت بیارزده رکعت آورده اند
 نه آنکه پنجاه رکعت را به پنج رکعت پیرده اند و شرح معارف ثانی اینست چنانکه تشریفات نسبت
 موجب تکثر احکام نسبت می شود چنانچه گزشت همچنین وحدت اطراف نسبتین بالنسب اگر
 ادیک جنس باشند موجب اتحاد احکام و حده آثار نسبت میگردد نمیدانی که اگر نمازی
 دو سهویاز زیاده کند سجده السهو از قدر خود نیفزاید یک رمضان اگر دو فعل موجب کفاره
 کرده کفاره بجا آوردن خواهد یک کفاره کافیست و دوسره موجب قطع کرده اگر گرفتار
 آید یک دست او باید برید علی هذا القیاس وجه این ادغام و اندام بجز این چیست که
 منسوب و آنست که اگر چه حسب متعدد گردیدند اندامی فاعل همون یک است اگر چه

افعال کثیره بر روی کار آورده و حق همه غلام از اعتنا احد الشریکین نیز بهمین طرف زود دارد تفصیل این اجمال اگر هوس داری بشنو که هر فعل را از مرتبه توقع که فاعل باشد تا گزیر است این نمی توان شد که بی امانت مرتبه بالقوه مرتبه بالفعل بغلیه آید بهر این دعوی چه حاجت که دلیلی بر محاریم که پیش اهل علم برترتبه بدیهیات رسیده بلکه نزد اهل عقل خود از بدیهیات است پس هر فعلیکه از یک جنس باشد یا گوی منشأ آن این مرتبه بالقوه باشد فاعل آن بهین یک قوه است و پس گو در بادی برای مرد صاحب قوه را نیز فاعل نام نهند یا بطور تعبیر عنوانی صفت دیگر از صفات صاحب قوه در بیان آورده نسبت فاعلیه کنند مثلاً گویند کتب القائم او فهد القلعد و امثال ذلک بظاهر نظر درین اشک نسبت فاعلیه این افعال بعضاً تائید کرده اند که در تحقق این افعال هیچ دخل ندارند آنچه در تحقق این افعال دخل است قوتی مسلکاً اگر است و فاعل در حقیقه همان است نه این اوصاف هنرانی بان اگر افعال از یک جنس نباشند باز نتوان گفت که این همه فروع از یک اصل برآمده اند چنانچه هر فعل را ضرور است که از قوتی برآمده باشد که اعتماد آن بر آن باشد و قیام آن بدان همچنین ضرور است که اگر افعال یک فاعل از یک جنس نباشند ملکات قواء آن غیر مختلف الاجناس باشند بلکه یک قوه مخرج افعال مختلفه الاجناس نتواند شد و لازم آید که حصه ملکات اعتباری باشند که در پاره آن اعتبار مصادیق متنوعه شریفته باشند پس است که خروج حرکتی است بجای کانی پس اگر افعال مختلفه از یک ملک مخرج باشند لازم آید که محرکات مختلفه از یک سبب که همان ملک است برآید و اندک اول در آن جای بوده اند و پس از آن رو به بیرون نموده اند اکنون بگو که آن حصه که است و آن حصه که اگر این سخن را بوجه البی و البهانه با ایل قریب دانسته و بدلت بخله که اصلاق خروج درین مقام تجوز است نه تحقیق تا برین بنا اول وجود خارج در مخرج لازم آید چه افعال را نتوان گفت که اول در ملک وقوع موجود بودند و بعد آن بهین غلیه است که معبر برترتبه بالفعل می شود و جایش اینست که مراد ما از مرتبه ملک وقوع و بعد صفتی است بجانب موصوف بالذات و از مرتبه

فضیلة تعدی و عرض آن بر معروض که موصوف بالعرض است و میدانی که هر معروض ما
 که موصوف بالعرض باشد موصوف باید بالذات و حرکتی باید که به وسیله آن صفت موصوف
 بالذات باورسد و حرکات از هر قسم که باشند هر چند ماهیت واحد دارند اما اختلاف
 اجناس آن در محاورات املی علم همین اختلاف تحرکات آنهاست نه مبنی حرکت را بکم و
 کیف نسبت داده انواع جداگانه قرار میدهندی که بیند حرکت کمی و حرکت کیفی و غیر ذلک
 اکنون بشنو که اگر ملکات متعدده در شخصی فراهم آیند و مصدر افعال مختلفه شوند بظاهر
 اگرچه فاعل واحد است و منسوب الیه شخص مبین اما در حقیقه نه فاعل واحد است نه منسوب الیه
 شخص منسوب الیه و فاعل هر یک از افعال جداگانه ملکه است جدا و قوتی است ممتاز و
 بدین سبب یقین پیدا کنیم که نسب بهیچ وجه از یک دیگر ممتاز اند پس شاید که آثار یک دیگر
 مدغم و مندرج شده رنگ بحدی بگیرند مثلاً شخصی هم زنا کرد و هم چیزی بدزدی برود احکام
 این دو فعل که جداگانه هستند هم مندرج نخواهند شد لهذا ضرورت است که هم بتأزیان و پاشت او
 بیفتند و هم بخیب او را از رسوخ او برآزند نه ایست که یکی ازین دو قناعت کنند و بگذرانند
 و جهش همین است که منسوب الیه تعدد است نه واحد قوع زنا قوتی است جدا و ملکه سرت
 ملکه است علاوه بر دو چیز واحد است که موجب وصفا احکام شود مگر ما افعال متحققه بکنش
 نیز اگرچه ملکه واحد باشد وقت صدور فعل ملکه را به نسبت منسوب خود محلی و مقامی باشد که بهر
 عوض آثار نسبت نظر بر آن محل و مقام ضروریست علی الاطلاق کین ما اتفاق قطع نظر از آن
 محل و مقام آن آثار را باوراج نشناسند مثلاً سنگی بر نشی زیر سایه اگر
 نهاده باشد آن سنگ را بهر عرض فقیه نسبت به زمین و برائے عرض تحتیه نسبت سائبان
 ضرور است که در همان حینه و مکان بماند که بود اگر بالفرض از آن جاکشید بیرون برند نه آن
 فقیه بدست مانده آن تحتیه بجای خود و جهش بجز این چیست که آن محل و آن مکان از
 دست رفت اکنون بشناس که در عتاق بطوریکه همین علت است که غلام را به نسبت مالکان خود

مقامی و محلی می باشد که تا بقدر آن در آن مقام همه را نسبت مالکیت با و در دست می مانند و خروج آن ازان مقام بحر یک مالکان وابسته تا لیکن هویدا است که زوال نسبت یکی از مالکان بجهت تحریک آن ازان مقام متعین نیست و تحریک آن ازان مقام نسبت همه مالکان را بر هم میسازد و ازین جادانسته باشی که در ملک هم تجزئی نیست چنانکه سنگ مذکور همه تن معروض فوقیه و همه تن معروض تحتیه می شود این نیست که چیزی فوق است و چیزی تحت همین سان غلام نیز همه تن معروض مالکین همه مالکان می شود مگر در استخدام که زمانیست دفعاً للمخرج بتهائی و تناوب اشاره فرموده اند و آن که حصص کم و بیش می باشند یا دو حصه دار برابر یک سهم می بودند آن را از قسم تعدد نسبت در یک جانب و اتحاد منسوب بیک جانب پندارند آن که در اصل نسبت ملک تجزئی باقی کمی بیشی وقت استخدام یعنی بر همین تعدد منسوبیات و دو حصه منسوب است نه بر کمی بیشی اصل نسبت ملک زیاده ازین تسلیم سائی مناسب مقام نیست که سخن بجا بیوده بر نسبت ابتدا بر سر مطلب می رسم برادر من اگر شغفه بقاضا نفس کافر کیش مثلاً مبتلا زنا شد یا تازیانه یا پشت خود را خون کناسید از محلی و مقامی که داشت پائی خود را داشت و نسبت غیظ و غضب خداوندی مثلاً یا ظیفه وقت را بر هم زد چون باز با اشاره شیطان زیر پا بر بے نفس بیدین در آن مقام آمد باز همان نسبت بدست آورد و سختی تازیانه داشت که هم سزای اوست و هم بیک وجه نفسانوار که از مورد غضب برون می کشد اکنون بر تعیین دانسته باشی که نماز صبح اگر تعمیر دو جانب می کند چه شد که منسوب الیه این دو نسبت بهمین یک نماز است اثر این دو نسبت که از هر دو جانب ثواب بست و پنج بود درین جا سبب انتخاب نخواهد شد بلکه همان بست و پنج خواهد ماند این وقتیست که این نماز را این طرف به نماز عشاء و آن طرف به نماز ظهر پیوندند و هر دو را به هم کرده کار تعمیر را برین بگیرند اگر آثار عشاء از حد او که نصف شب است چنان که درین رساله موجه شد بر خلاف اشکال نبوی چنان که

دانستی این طرف متجاوز نه دانی و برکات ظهر را از حد او که نصف روز است این طرف
 نه پنداری باز هم نظر بقوة تعمیر و تنویر اوقات که در نماز پائنهاده اند همان ثواب بست
 پنج ارزانی داشتن ضرور است اعنی چنانکه قیمت ذر و نقش بر جوهر ذات اوست نه بر
 انگه بر معیار رسیده خط روشن می کشد آری جوهر ذاتیش بدین فعل ظاهری شود
 و موجب رفع تردد که در عطا قیمت بود می شود همچنان در همه موصوفات نظر بر ملکات
 آنهاست نه بر افعال آن افعال فقط منظر آن ملکات می باشند چنانچه جناب باری بجملة
 لیلکم لیکم احسن عملا همین طرف اشاره فرموده اند زیرا که امتحان منظر کمال اهل کمال
 می باشد نه موجد کمال بدین سبب نماز صبح هم قابل این قدر ثواب باشد چه اگر نمازی
 بجانب دیگر ازین نصف که صبح در آنست بمقابل بودی هر آئینه تنویر آن نصف بطوریکه
 از ظهر و عصر و مغرب و عشاء بظهور آمده بظهور آمده - و الله اعلم و علمه اتم و احکم فقط

نتیجه شد

تقریظ

ریختہ رِقلم برکت توام خاتم المفسرین و تدوق المحدثین مخدم العلماء
 مطالع الفضلاء مولانا شیخ محمد تھانوی قدس سرہ اسرارہ
 و افاض علینا من سماہ
 بعد الحمد والصلوة می گوید احقر العباد شیخ محمد تھانوی عفی اللہ عنہ
 جرائمہ چون تحریر مستنیر ریختہ قلم صواب رستم فاضل بتظیر عالم غزیر
 مقبول صغیر و کبیر اعنی بہ حبی فی اللہ نخبۃ الاکارم مولوی محمد قاسم نانوتوی
 صانہ اللہ و آیانا عن شر کل مخترع و غوی سخی بہ مصباح الترویج " از
 اول تا آخر حرف تا حرف ازین طرف تا بآن طرف از نظرم در گذشت و لم
 بر آن نمی شد کہ از انطرف نظر بر آرم و بنظر دیگری گزارم فاما بنظر اشتراک
 نظر اہل نظر ناچار بدیگران ہمین سپارم یا قسم اوما مصباح الہدئے
 سیما مر آن کسانیکہ می روند علی العمیاء و راحت جان لذت روح و روان
 طالبان استننان بسنت حضرت جان پیغمبران علیہ و علیہم افضل صلوات
 الرحمان پس در رشاقت صنیع و لطافت بدیع و طلاقت فصیح و حضانت

منہج و متانت جلیج و فطانت رفیع و استمساک بآیات بینات استعصام
 باحادیث حضرت خیر الانام علیہ آلہ و صحبہ خیر الصلوٰۃ و السلام و تثبیت
 بآئینہ پُر انوار و پُر اسرار حضرات صحابہ کرام علیہم رضوان اللہ ذی الجلال
 والا کرام و تدبیر بکمال تثبیت و تبیین و تفیظ و تفقہ و تدبیر بذیول اصول
 ارکان و استخراج فروع بغایت فتوح معانی از مبانی بلار عایت این
 و آن از ابتداء زمان بے عدیل ست مرغوب مع طولہ محبوب بفروع
 مع اصولہ خصوص شکر و فکاری اثبات بست رکعات بہ پیرایہ تقاریر
 گوناگون و تصاویر بوقلمون مستغنی البیان است شکر اللہ سعی مرتبہ و غفرانہ
 ذنب مقطرہ آمین ثم آمین فصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و آلہ و صحبہ اجمعین

قطعة تاریخ من نتائج طبع ذکی و فہیم مولوی عبد الحکیم صاحب حکیم

گمان میر کہ بخود رائی مدعا یا بے
 ز شاہ راہ شریعت نشان کجا یا بے

خبر یرید ہمین مدعی سنت را
 چودل فریفتہ اجتہاد خود داری

طریق زمصباح جو کہ حق این ست
 بسنت عمری راہ مصطفیٰ یا بے
 ۹۰ محبہ کر ۱۲

قطعہ تاریخ دیگر از مولوی عبدالحکیم ضاحکیم	
مشرف است بدین محمد عربی پیشوا بہ گرفتن ہم دست حق طلبی	خوشا کی کہ بفضل خدائے تعالی بسیا حدیث علیکم بسنتی بشنو
(کتابہ) سید علی احمد کاتب قصیدہ یوسف و زلیخا	ہم رویم و مصباح ہادی سنت حکیم ہم اقتدائی صحابہ ہم اقتدائی نبی ۹۰ ہجری ————— ۱۲۷

الحَقُّ الصَّرِیحُ فِی اثْبَاتِ التَّرَاوِیْحِ

(فارسی)

یہ رسالہ ”مصانح التراویح“ کی طرح بیس تراویح کے اثبات میں ہے جو کہ جناب عبدالرحیم خان صاحب کے ایک مکتوب کے جواب میں تحریر کیا گیا۔



کمترین اناام محمد قاسم نام که هیچمدانی شعار اوست و طاعة نفسانی کار او بخدمت مجموعه مکارم اخلاق عبدالرحیم خان صاحب دام اخلاق سلام مسنون عرض کرده عرض پردازست که نامه نامی که بنام احقر به نشان میرٹھه ارسال فرموده بودند از میرٹھه به نانوته و از نانوته بگنگوه و از گنگوه برامپور شده تردم در اواخر شوال رسیده ممنونم گردانید نظر بر اهتمام سامی در امور دینی و آنهم چندان که در فضائل اعمال دلائل اینچنین باید و دلالت این چنین چندان که بر خود نفرینها کرد که هنوز گرفتار هوا و هوس و هر دم بحکم مساهله کار ایندم بدم می الفکنم همان قدر بر آنجناب آفرینها خواندم و گفتم که چون در فضائل اعمال این قدر اهتمام است و این مسارعة در دیگر اعمال عالیہ از فرائض و سنن موکده چه قدر ذخیرہائے عمدہ بهم آورده باشند جزاء کم الله خیر الجزاء ازهما ندم خیال جوابش غرمم رامی انگیخت و پاس مبارک بدلم می آویخت اما بالائے تکاسل طبع زاد که باستماع عادات احقر از

بعض ملازمان دریافته باشند پریشانی روزگار که هر روز از جای بجای میرفتم و هجوم کار که از کاری برکاری می نشستم نیز فرصتم نداد که به همچو اشغال غیر ضروریه پردازم بایم همه بدیدن سیاق و سباق نامه سامی و مطالعه دلائل و مقاصد گرامی ندانم غلط است یا راست از هر طرف بوی تعصب و تعمق شمیم و بظاهرایم کار جناب نیست کسی دیگر است که در پرده نام جناب درین میدان کورانه رفته فرموده امام ابن صلاح رابا مدعا یش چه ساس آری اگر اثبات احکام نهر منحصر در صحاح بودی می توان گفت که فلاں حدیث اثبات تراویح نمی توان کرد آری اثبات مطالب بقدر ثبوت دلائل می باشد صحاح بقدر ثبوت خود و ضعاف بقدر ثبوت خود اثبات مطالب میکند غرض حسب متنوع دلائل مطالب متنوعه به ثبوت میرسند از متواترات عقائد ضروریه مثل توحید و رساله و حقیقه کلام الله ثابت می توان کرد و از احاد صحاح این کار نمی برآید و از احاد و جوب اعمال و تاکد سنن باید گرفت از ضعاف این کار نباید گرفت این فرق از کجا خاسته از تفاوت سند خاسته ورنه نفس حدیث و اضافه نبوی همین خواهد که هر دورابیک پله باید نجید مگر ظاهر است که احادیث ضعیف نه چنان ثابت اند که هم سنگ صحاح و حسان گردند نه چنان باطل که هم رنگ موضوعات شوند پس لا جرم مرتبه انها باعتبار ثبوت و عدم ثبوت فیما بین صحاح لے بلکه حسان و موضوعات خواهند بود نه مثل موضوعات که سراسر باطل الدوبوی از ثبوت لشمیده بیکار بمالند حسان و صحاح و متواترات در کار اثبات پرکار اند

الدین صورت ثبوت فضائل اعمال که از مطالب حسان و صحاح و متواترات فروتر است از ضعاف چه مستبعد و ظاهر است که در صورت ترک التفالقهها به ثبوت و تاکد تراویح معلوم رتبه اش از فضائل نمی فزاید پس اگر حدیث نسبت تراویح ضعیف باشد ظاهر پرستان را چه باک در فکر او اگر جگر خون کنند مدعیان تاکد کنندگان اگر تعارض مزعوم کسانی که درین زمانه درین باره غوغا کرده اند و میگویند که حدیث بست یا حدیث یازده متعارض است مبرهن شود البته ترک بست و اختیار یازده خیلی بجا بود گودرانهم گنجایش گفتگو هائے دیگر باشد و بیشتر از اثبات تعارض از برهمی ملة و برهمی کلمة الاسلام چه سود باقی ماند اینکه جنات ختمی مآب صلی الله علیه وآله وسلم در رمضان و غیر رمضان همی یازده را بجا آورده اند چنانچه از حضرت عائشه رضی الله عنها مرویست بآنکه حضرت رسول اکرم صلی الله تعالی علیه وآله وسلم در لیالی سه گانه همی یازده خواند ند چنانچه از جابر رضی الله عنه مرویست این حدیث گو بظاهر با حدیث بست که مرفوع است بنظر ظاهر بینان متعارض نماید مادر حققت حکم بتعارض خالی از جهل یا عناد نیست اول تراویح را از تهجد باید گفت بعد ازاں تطبیق تعارض عزم باید کرد اگر اگویند که تراویح مثل صلوٰة او ابین که بعد مغرب میخوانند و نوافل عشاء که در پس و پیش آن خوانده می شوند نوع دیگر و تهجد نوع دیگر و هر دو حدیث مذکور درباره تهجد است خود ظاهر است که اعتراض تعارض بے کسو خواهد رفت باز چون بالتصال تراویح باعشاء ادا

کردن آن در اوّل شب و الفراق تهجد از عشاء که نوم و دیگر اعمال
 کثیر بمیان می آیند دادا کردن آن در آخر شب نظر افکنیم این
 راموجه می یابیم مع هذا در تهجد روایات کثیره از حضرت عائشه
 رضی الله عنها مرویست دهم از بعض صحابه رضی الله عنهم مألور
 بعض ازاں در صحیحین و بعض در کتب دیگر از صحاح سنت
 منقول است چنانچه خوانندگان حدیث همه میدانند پس هرچه
 ملازمان جناب و منشی سامی جواب آن خواهند داد ازیں تعارض
 هم همان را قبول کنند بالجمله چنانچه حمل بر تعدد واقع احادیث
 بخاری و مسلم را موافق باهم توان کرد حدیث بست رکعت و یازده
 رکعت رانیز باهم متعاقب باید ساخت ازیں صورت ضعف حدیث
 بست در امثال منطوق آن مانع نخواهند شده ان اگر امام ابن صلاح
 لیاقت قبول اقوال از نصوص قطعیه بهم رسانیده اند و کلام الله یا
 حدیث باتباع اوشان خوانده و دیگر علماء اصول و فقه را این
 منصب بهم رسیده ما را گنجایش عرض معروض خویش نیست و
 اگر اوشان را امام اصول حدیث باین معنی تصور بده اند که درین فن
 یکتاء روزگار و مرد این میدان و این کار بودند درباره محافظه الفاظ
 حدیث هر قاعده که بنیاد نهند بر چشم نهادلی است و هر راهی که
 روند قابل گام کشادلی است ما را مسلم مگر اوشان را اگر در
 محافظه الفاظ حدیث که بغرض محافظه معانی مقصود است چنانچه
 جمله "قلیل الشاهد الغالب" یا جمله "قرب مبلغ اوعی سن
 سامع" پیوسته بران شاهد است اله اصول فقه را در فن محافظه
 معانی ید طولی است اوشان دران باره اگر قابل اقتدا هستند ایشان

دریں باره لائق اتباع قاعده بنیاد نهاده ائمه اصول فقه همین است که فضائل اعمال از ضعاف هم ثابت می تو ان شدد اگر نیک تامل کرده شود آن موضوعات که نظر بر کذب روایش در مواقع دیگر ان را در موضوعات شمرده اند باین کلیه بالیقین غلط و مخالف واقع می شد باشند "فان الكذب قد یصدق" هم چنانکه جمله صحاح صحیح بمعنی مطابق واقع نمی باشند "فان الصدوق قد یخطئ" و نیز احتمال دروغ از غیر معصوم چه مستبعد چنانچه در بعض صحاح مشهور هم همین است ندانی که در بخاری شریف در باب عمر شریف حضرت رسول اکرم صلی الله علیه وآله وسلم سه روایات باهم متعارض آمده شصت و شصت سه و شصت پنج و همه میدانند که توافق این روایات باعتبار منطوق خویشان محال است لا جرم یکی مطابق واقع و در مخالف واقع خواهند بود حالانکه باعتبار اصطلاح اصول حدیث هر سه روایات صحیح اند و رنه امام بخاری که التزام ایراد صحاح کرده اند در کتاب خود نمی آورده اند این صورت را مرجحی باید که یکی را مظنون الصدق یا مقطوع الوقوع گردانند و دیگر آنرا مظنون الکذب و یا قطعی البطلان گردانند پس مرجح اگر از قسم روایات است عام است که صحیح باشد یا ضعیف چنانچه ظاهر است و اگر از قسم درایات باشند از اندازه حرکه که یکی از کارهائے نبوی است چنانچه آیت "یعلمهم الکتاب" والحکمة بران دلالت میدارد و برون نرفته باشند اندرین نیصورت حدیث ضعیف هم اگر مؤند بدرایه شود از مرتبه خود بالا رفته کاردگر خواهد کرد چنانچه آیت "و اذا جاء هم امر من الامن

او الخوف اذا عوابه ولو ردوه الى الرسول و الى اولى الامر منهم لعلمه الذين يستنبطونه منهم "بریں قضیہ گواہ ہم موجود است چه اخبار مشار الیہا اگر از قسم صحاح بودی اذاعة را محل طعن نمی شدو اگر در آیه و روایة مؤید ضعاف نمی شد جمله "لعلمه الذين يستنبطونه" چه معنی داشتی اکنون معروض آن است کہ روایة بست رکعة نیز بزعم احقر مؤید بلرایة است و معارض کدام روایة نیست اگر اندیشه کہ بدان اشارہ کردہ آمدہ ام سدراہ قلم نبودى اگر ہمہ مافی الضمیر خود زیر قلم نیاوردى باری قلیل کثیر ازان آویزان گوش سامی میکردم مگر چه کنم کہ منشی سامی در استدلالات از حق کنارہ میرود چنانچہ قدری معروض شد و قدری اکنون معروض میشود مدار طعن بر روایة مؤطاء برین داشته کہ یزید بن رومان زمانہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ندریافته سبحان اللہ چه دلیل است و چه مدعا خلاصہ طعن این ہر اید کہ مرسلات تابعین اعتبار را نشاید اول این را البات باید کرد بعد ازان روایة مذکورہ وارد باید فرمود عدم اعتبار مراسیل تابعین اگر تراشیدہ خویشتن است این را کہ می پرسدو اگر تقلید دیگر است بجز امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کیست کہ با این طرف رفته امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ و امام مالک رحمہ اللہ و امام مالک رحمہ اللہ ہمہ ہر اند کہ مراسیل تابعین ہمہ مثل مراسیل صحابہ ہمہ مثل مراسیل صحابہ معتبر اند بلکه از سند زیادہ چه ترک اسناد دلیل وثوق خود است و ذکر اسناد ہر فہم سامع گذاشتن و گویا العدة علی الراوی گفتن است اگر از تقلید عار است قول امام ابن صلاح رحمہ اللہ را ہدیوار باید زد اگر تقلید

اوشان جانش است امام ابو حنیفه رحمه الله و امام مالک رحمه الله چه تقصیر فرموده اند امام ابن صلاح رحمه الله اگر تاسیس قواعد حفظ و نگاه داشت الفاظ بصیرت حاصل کرده اند امام ابو حنیفه رحمه الله و امام مالک نیز در تاسیس قواعد محافظه معانی ید طولی دارند و اگر ازین قواعد محافظه معانی بهم نرسیده و در بعض مواقع بنظر ملازمان جناب علی تقدیر التسلیم معنی مقصود از دست میرو داز قواعد محافظه الفاظ نیز این محافظه علی العموم دیده نمیشود چنانچه از ملاحظه احادیث عمر شریف حضرت رسول الثقلین صلی الله علیه و آله وسلم هویدا است و اگر درین باره به تقلید امام شافعی رحمه الله بروشان احسان نهاده اند از ما مبارکباد مگر اند نیصورت اگر ملازمان جناب اقتفا امام شافعی رحمه الله ورزیده ما گنهگاران اتباع امام ابو حنیفه رحمه الله لازم گرفته ایم اگر فرق است همیں قدر است که امام ابو حنیفه امام اعظم اند بالجمله بتقلید یکی از ائمه مقلدان ائمه دیگر را الزام نباید دادو باوشان دست گریان نباید شدایی است جواب آنچه که ملازمان جناب بطور قواعد روایة بر بست رکعة طعن فرموده بودند باقی مطاعینکه بطور درایة وارد فرموده اند جواب آن چه گویم که خود از دائره فهم بیرون می نما ید بجز آنکه تعصب و تعمق باعث این یاوه گوئیها شده باشد دیگر چه گفته شود و اگر باور نیست باید شنیدیکی از ان مطاعنها این هم است که اگر بروایة "علیکم بسنتی و سنة الخلفاء" و ست آویخته شود بلحاظ آنکه سنتی و سنة الخلفاء هر دو معروفه اندو تکرار معاف مشعر باتحاد اول یا ثانی میباشد لازم است که سنة الخلفاء که

اتباع آن در حدیث اشاره فرموده اند همان سنة نبوی علیه وعلی آله تحیه و سلام و در بست رکعت این امر مفقود است میگوییم که اول این قاعده نزد علماء اصول کلیه نیست تابا اتباع اوشان ملازمان منخوم را گنجایش طعن بهم رسد و مارا فکر جواب باعث تردد شود دوم این جا فقط لفظ سنت مکرر آمده آن بذات خود نکره است و تکرر نکره باعتراف همان کسان که تکرر معرفه را مشعر بر اتحاد شمرده اند مشعر تغایر است نظر برین لازم که سنة الخلفاء غیر سنة نبوی علیه الصلوة والسلام باشد ویای متکلم و لفظ الخلفاء اگر معرفه است یکی هم ازان مکرر نیست و اگر نظر بر معرفه عرضیه است آن معرفه خود از معرفه دیگر مغایر شده چنانچه آن دو بذات خود متغایر اند این و آن معرفه نیز متغایر خواهند بود و جهش چنانکه دانی اینست که محکوم علیه حقیقی در صفات عرضیه همان موصوف بالذات میباشد پس اگر موصوف بالذات چیز واحد است صفت عارضیه نیز چیز واحد خواهد بود و اگر دوشی متغایر است صفات عارضیه را هم دوشی متغایر باید پنداشت پس اگر سنتی و سنتی مکرر می آمد یا سنة الخلفاء و سنة الخلفاء مکرر می شد این گفتگو را بظاهر خیلی بجا گفته می شود باین همه در "ابناء نا و ابنا کم" بلکه در "انفسنا و انفسکم" که در کلام الله یک جمله مکرر آمده چه خواهند فرمود سبحان الله باینچنین ابله فرسیها و این لن ترانیهای دور و دراز علاوه برین همه اهل فهم را درین قدر اتفاق است که عطف مقتضی تغایر می باشد تا وقتیکه تغایر حقیقی بالتغایر اعتباری بدست نیاید عطف نتوان کرد دوم آنکه طعن لام تعریف در

جمع مفید استغراق می باشد اندر نیصورت لازم است که جمیع خلفاء مراد باشند پس سنة الخلفاء که اشاره بالتزامش فرموده اند می باید که سنة همه خلفاء راشدین باشد و بست رکعت اگر هست سنة حضرت عمر رضی الله عنه هست سنة حضرت ابی بکر نیست این اعتراض از همه افزون تر است ماشاء الله فهم مطالب همیسان باید و نکته فهمی کم از کم این قدر شاید مخلوم من این قدر مسلم که جمع محلی باللام از الفاظ عموم است و لام تعریف در جمع اکثر مفید استغراق می باشد اما منشاء آن مخلوم ندانم معنی اجتماع از کدام پهلوی می برارند و این تحقیق از عقل یا از نقل از کجای نگارند مفاد استغراق همان مفاد کل افرادی می باشد نه مفاد کل مجموعی تا این مطلب باین دلیل مربوط می شود ظاهر است که در کل افرادی حکم راجع بهر فرد جداگانه می باشد آری در کل مجموعی حکم قضیه راجع بجانب مجموع میگردد و افراد را ازان سروکاری نمی بود و آنچه منشی جناب فهمیده اند مخلصش همین ارجاع حکم بجانب مجموع است ازیں تا ازان فرقی هست که فرق زمین و آسمان تعبیرش توان کرد باین همه حدیث "اصحابی کالنجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتم" را حکم باید کرد و باید دید که چسان فیصله این نزاع میکند علاوه برین نصوص قطعیه قرآن شریف و حدیث را که در بعض مواقع بر جمع محلی باللام مستعمل می نمایند مثلاً "ان الله لا یضیع اجر المحسنین" چه جواب خواهند داد کدام است که امیداند که اینجا اجر مجموعه مراد نیست چه یک محسن هم اگر بعالم باشند تا هم اضاعت اجراء نخواهند شد و نیز باید که بر طبق

فهم منشی جناب اجر همه محسنین یکے باشد و آن هم چند انکه
تعدد شخصی را دران گنجائش بود نه تعدد نوعی را امجال چه عطاء
ابریکباره خواهد شد مثل صلوات که بتعدد از منه و اختلاف مکرر
سه کرر مطلوب می شود بتعدد از منه مختلف تنخواهد شد همچنین
در "جاهد الکفار والمنافقین" لازم است که جهاد مجموعه کفار و
منافقین مراد باشد اندر نیصورت با حضرت رسول الله صلی الله
علیه و آله وسلم را باید گفت که از نیجهان بی اداء فرض تشریف
بردند یا برخداوند احکم الحاکمین نعوذ بالله غصه باید کرد که
اینچنین حکم دشوار بر نبی خود فرستاد که ادایش نتوانستند و عیب
عدم امثال ازیں جهان بردند نعوذ بالله من سوء الفهم و ازیں هم
در گذشتیم اذان ثالث جمعه بشهادة صحیحین سنة حضرت عثمان
ذی النورین است رضی الله عنه پیشتر از زمانه اوشان فقط بآن
دو اذان اعنی یکی اذان خطبه دویم تکبیر بود پس از سنة الخلفاء در
حدیث مذکور اگر سنة همه خلفاء بطور مذکور مراد باشد لازم آید
که اذان مذکور داخل بدعت شود چه نه سنة نبوی ست نه سنة
خلفاء بطور مذکور و این التزام بدعة الدرنیصورت نه تنها
بر حضرت عثمان رضی الله عنه خواهد بود بلکه جمله صحابه
رضوان الله علیهم اجمعین که دران زمان حاضر بودند مبتدع
خواهند شد و میدانی که این همان گناه و همان عیب است که
رفاض و شیعه از دائره سنت و جماعة بدان بدر رفتند و از نیهم باید
گذشت در آیت "اولئک الذین هدی الله فیهذهم القلده ضمیر"
هذهم راجع بسوی الذین است معنی معنی این شد که روش آن

کسانی که ذکر اوشان کرده ایم باید گرفت غرض لفظ هدیه در قوه هدی الدین شد و معلوم است که مخاطب باین حکم جناب رسالت مآب صلی الله علیه وآله وسلم اند و مشار الیه بموصول انبیاء مذکور الصدر که منجمله آن حضرت موسی علیه السلام و حضرت داود علیه السلام هستند و موافق این خطاب و این ارشاد حضرت صلی الله علیه وآله وسلم در روزه عاشوره اقتدا به حضرت موسی علیه السلام کردند و در سجده تلاوة سورة قص اقتدا به حضرت داود علیه السلام کردند و اگر سجده سورة قص اقتداء به حضرت داود علیه السلام نکنند گویند گویند که سجده حضرت داود علیه السلام بجهة استغفار و سجده حضرت سید ابرار صلی الله علیه وآله وسلم بجهة شکر پروردگار که مارا ازیں قسم ابتلاء محفوظ داشت در اقتداء حضرت موسی علیه السلام در روزه عاشوره کلام نیست چنانچه لفظ حدیث نحن احق بموسى او كما قال بران گواهیست گو بوجه دیگر از پیشتر هم این روزه معمول حضرت صلی الله علیه وآله وسلم باشد آری اگر اجتماع وجوه کثیره در یک عمل محال بودی مضائقه نبود مگر مساعدین نه عقل است چنانچه دانی و نه نقل چنانچه انما لكل امر مانوس میخوانی و میدانی که از همین جاتضاعف ثواب صله از صدقه می برآید چنانچه ماهران حدیث می دانند الغرض این قسم سنن فقط یک دو نبی است سبب جمله انبیاء هدی همه مرسلین مذکورین نیست اند و نیصورت در حدیث "اقعدوا بالذین من بعدی" که لفظ "الذین" واقع است همان عموم خواهد بخشید که "الذین" واقع آیت مذکوره بخشیده فرق

اگر هست فرق تشبیه و جمع است مگر این قسم فرق در تبدل ماهیه مضامین و لوازم آن کارگر نمی تو ان شد پس چنانکه در آیت مسطورہ سنت یک نبی قابل اتباع برآمد این جا سبب یکے خلیفہ از ازاں دو کہ دریں حدیث مراد اندلائق اتباع و اقتداء خواهد بودہاں اگر این جا لفظ اقتداء نبودی شاشاید مجادلا نرا گنجائش زبان کشائی می بودمی توانستند گفتن کہ در اقتداء و اتباع مثلاً فرق است این است آنچه کہ بطور عجلہ و نظر سوسری دراستدلالات مجتہد جناب مفاہد بہ نظر این ہیچمدان درآمدہ اکنون التماس انیست کہ نظر باین تعصب و تعمق کہ در اجتہاد مجتہد صاحب یافتہ نگاشتہ ام از تحریر جواب اصل مسئلہ دست کشی اولی دانستم چہ اگر چیزی مینو یسم لا جرم تنقیح و تصحیح آن وسنجیدن بحوالہ همان صاحب میشد کہ باین راہ رفتہ اندواشان اول بار کدام ناانصافی گذاشتہ اند کہ باین بار کوتاہی خواهند فرمود بیت توکارزمین رانکوساختی + کہ بآسمان نیز پرداختی + ورنہ در اواخر رمضان شریف بتکلیف مولوی احمد حسن امروہی کہ یکی از احباب احقر اند چیزی دریں بارہ نوشتہ بامروہ فرستادہ بودم از و شان نقلش بہم رسانید ہ میفرستادم لیکن چہ کنم کہ بنظر انصاف معذورم دیگر آنکہ الچہ کہ بلفظ مضامین شعر یہ بآن اشارہ فرمودہ اند میخام کہ نقلش اگر ممکن باشد بہ من ارزالی فرمایند تا شاید چیزیہ زیر این پردہ باشد باقی عرض دیگر این است کہ بندہ کمترین عاملان بالحدیث را بشرط فہم بدلمی الکار و ہلکہ این راشعار ایمان می داند لیکن این چنین بد فہمان را کہ مضامین نامہ

سامی ریخته قلم اوشان است هرگز عمل بالحديث روانمیداند اینچنین کسان منجمله "یضل به کثیرا" هستند والعاقل تکفیه الاشارة الغرض راهی اختیار باید کرد که براکابر صحابه طعن نیفتد و دین برهم نشود و احادیث باهم و با قرآن شریف متعاقب مانند اما طوریکه باختیار آن مطاعن بجانب صحابه عائد شوند و احادیث باهم متعارض شوند و روش قرآنی مکذب آن شود هرگز پسندیده خدا و رسول نیست صلی الله علیه وآله وسلم و طرزی که ایجاد و مجتهد مذکور است همچنین است چنانچه عرض کرده شد دیگر آنکه هر که قصد عمل بالحديث کند آنرا باین چنین اجتهادات چه کار اگر اراده عمل بالحديث باین معنی است که هرچه در ظاهر احادیث یابند بران عمل کنند آنمقصد مقتضی این است که رای خود یکسو نهند و درپی عمل شوند ورنه رای و عقل پیشانیان بهر حال اولی و الفضل برهیست و اگر قصد عمل بطور رای و عقل است پس اندر نیصورت بر مجتهدان سابق و مقلدان اوشان چه طعن والله الموفق لنا ولكم اگر حرفی نازیبا از قلم احقر صدور یافته آنرا از قبیل جزاء سیئة سیئة مثلها بلکه کمتر از آن پندرانند چه مضامین نامه سامی در پرده استدالات معلومه نه رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم را گذاشته نه صحابه کرام را رضوان الله علیهم اجمعین.



مکتوبات دوم حضرت مولانا رشید احمد صاحب

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

خان صاحب عبدالرحیم خان سلمه بعد سلام مسنون آنکه نواز
شنامه سید درباب تراویح النجہ تحریر بود ظاهر و متبادرازاں چنین
می شد که مقصود استفسار مسئله نیست بلکه اعلام و الزام تحقیق
خود است لهذا در تحریر جواب تامل ماند آخر الامر چنان مناسب
معلوم شد که اشاره چند فقره عرض کنم از تسلیم و غیرتسلیم
کاری نیست لهذا در تحریر جواب دیر شد براهل علم پوشیده
نیست که قیام رمضان و قیام لیل فی الواقع یک نماز است که در
رمضان برای تیسیر مسلمین در اوّل شب مقرر کرده شده و هنوز
عزیمه در ایش آخر شب است و در قیام لیل فخر علیه السلام
چنانکه یازده رکعت و کم ازاں ثابت شده اندسیزده رکعت سوائے
سنة فجرهم در صحیحین موجود الدده رکعت نفل ازروایة ابن
مسعود از قول ابن عباس (۱) فصلی رکعتین (۲) ثم رکعتین.

(۳) ثم رکعتین (۴) ثم رکعتین (۵) ثم رکعتین (۶) ثم رکعتین ثم
او تر نزد حنفیه ده رکعة نفل و سه و تر آنالکه و تر رایک رکعة قرار
دهند دو ازده رکعة نفل ثابت اند و قضاء آنجناب دو ازده رکعت
را در روز اگر به شب تهجد فوت میشد هم معین دو ازده رکعة نفل

است و این ر در صحاح موجود است باید دید پس می بایست که محدثین زمان رادر دو ازده رکعة تردد نمی شدو بسنیة آن یقین می بودند قصر بریازده مع الوتر و در زمان صحابه هم چنانکه یا زده از سائب نقل می فرمایند از اعرج امام رحمه الله در مؤطاً دو از ده رکعة نفل روایة می فرمایند چنانچه در مشکوٰۃ موجود ات ندانم که چرا بر سامی محقی ماند غلط کردم جناب رالف صحابه بمقابله سنت حضرت فخر عالم بزعم مخالفة حجت نیست و این نیز بر اهل علم واضح است که نفس قیام رمضان را آنجناب سنة فرموده اندو تحدید عدد رکعات آن نه فرموده که کمی و زیادة دران روانباشد چنانکه در فرائض در روایت سنن ست درنه اختلاف در ادای عدد آنها واقع نشد می لهذا هر قدر که زیادة در عدد رکعاتش بود موجب اجر است نه باعث گناه و ابتدا و هیچ حدیث در منع آن وارد نیست بلکه حدیث "علیک بکثرة السجود" مطلقاً استحسان کثرت رکعات نوافل روز و شب می فرماید البته جائیکه شارع تحدید فرموده چنانکه در فرائض و سنن بروایت نقصان و زیاده دران روانیست و مع هذا اگر قبل آن یا بعد آن در محل نوافل کسی نوافل تنفلاً خواندند بدون اعتقاد سنیت آنها کسی است که اورا منع فرماید و بدعة گوید پس هم چنان در تهجد و قیام رمضان زیاده رکعات راجه اندیشه خواهد شد و آنچه در عدد رکعت تهجد فخر عالم علیه السلام تحقیق است ازان رواست که فعل آنجناب محقق گردد که چیست نه آنکه زوائد ازان بدعة است صرحه "به النووی فی شرح المسلم" برین قیاس است سائرسنن که اصل آنرا شارع

علیه السلام سنت فرموده و تحدید دران نفرموده مثلاً تسبیح رکوع و سجود که دران زیاده از قدریکه آنجناب میگفتند بدعه هست و قرءة قرآن که زیاده از مقرر آنجناب است در فرض و نفل بدعه نخواهد بود و علی هذا درهمه این قسم امور ازیں است که علماء قاطبة اگرچه سنة مؤکد همون قدر را گفته اند که بران قدرچه سنة نزدشان صادق آید مگر زائد رادران بدعه ندانسته خصوصاً زیادتیی که از صحابه ثابت شده چنانچه روایات عدیده مختلفه سامی دیده باشند تعامل عشرين پس در زمان حضرت عمر رضی الله عنه بادشاه و تقریر آنجناب معمول شد چنانکه در موطأ مالک رحمه الله مرویست و خلدشه انقطاع بر محل خود نیست چرا که یزید بن رومان تابعی ثقة اندوارسال ثقة مقبول میباشد مالک و محدثین سلف راهمین مذهب است اگرچه شافعی واحد دران کلام کرده اند کتاب ابی داؤد بسوئ اهل مکه و دیگر کتب أصول حدیث مطالعه نمایند مع هذا حدیث صحیح بیهقی که صاحب فتح روایة آن فرماید مؤند اوست و مزیل شبه انقطاع و ترمذی در جامع خود از حضرت عمر و علی و غیرهما من الصحابة روایت آن میکنند پس اکنون در ثبوت عشرين از آنجناب رضی الله عنه چه تردد ما لدواین زیاده را خالف سنة پنداشتن نهایت موجب تعجب است که هیچ اهل علم چنان نه فرماید چه بالانوشة که قیام لیل محدود لیستند و رنه هرگاه بحدیث صحیح ثابت شد که فخر عالم علیه السلام گاهی ماه کامل غیر رمضان صائم نبود و نه هیچ ماه را از صوم خالی گذاشته اگر کسی تمام ماه روزه دارد تنفلاً مخالف سنة گردد و گرفتار بدعه

معاذ الله باید که حضرت عمر رضی الله عنه و علی رضی الله عنه و دیگر صحابه و تابعین باعتراف ترمذی و غیره بسبب تقریر زیاده عدد رکعات اهل بدعة شوند استغفر الله و بسیار امور نفل از صلوة و صوم و زکوة و حج و ذکر و تسبیح بدعة شوند تامل در کار است اهل علم را چنان فرمودن سخت نازیبا ست مابین لفظ مخالف و موافق و محدود و غیر محدود بدعة و سنة امتیاز واجب است و چونکه در حدیث "علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدين" ارشاد جناب رساله علیه الصلوة است که چنانکه سنة مرا التزام کردن بر شما است سنة خلفاء را هم التزام ضرور است و مراد از سنة خلفاء امریست که آنجناب صدور آن نشد و از خلفاء وقوع آن شده و آن هرگز خلاف کلیات شرع نمی خواهد بود بلکه موافق سنة و مستنبط ازان لهذا این بست رکعت هم مندوب و سنة شدند و بدعة گفتن آن سخت نازیبا که هیچ عالمی چنین نه گفته اری آنچه خلاف است در آن است که زیاده بر آنقدر که آنجناب علیه الصلوة خوانده اند آیا سنة مؤکده اندیا مستحب ازیں بعد آنچه درین حدیث افاده فرموده اند بلکه مراد از سنة خلفاء سنتی است که عین سنة نبویه باشد از عجائب روزگار هست چرا که اگر مراد از عینة آنست که بعینه آن فعل را آنجناب علیه السلام عمل در آمد فرموده مسنون کرده باشند پس می پرسم که درین صورت خاصه تقریر خلفاء چیست آیا بعد وفات آنجناب کسی را از خلفاء مجال نشیب و فراز داشته یا نسخ و تبدیل آن میرسد تا سنتی که سنة خلفاء کرام و غیر آن را ترک کنیم و اگر مراد از عین آنست که مستنبط از سنة

بود یا نظیرش در سنة موجود باشد و موافق کلیه شرعیه بود مثل جمع قرآن شریف و ترتیب سور آن مثلاً لا ریب این امر مسلم صحیح است مگر این زیاده رکعات راندانم که بجه وجه مخالف سنة قراردادده خواهد شد و آنچه از اصول قاعده اعاده معرفه تحریر است در تلویح این بحث را باید دید که این قاعده کلیه نیست و خلاف این بسیار موجود است این قاعده آنجا بود که قرینه خلاف موجود نباشد این جا عطف لفظ سنة الخلفاء بر لفظ سنتی مغایرة رومی خواهد و مقصود جناب رسالت علیه السلام ازین التزام سنة الخلفاء خود است مراعاة امثل سنة خویش چنانچه در حدیث دیگر فرموده "فاقتلوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر" بلکه در حدیثی باقتدائی جمله صحابه فرمود "اصحابی کالنجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتیم" و همچنان آنچه لام استغراق فهمیده اندنه این معنی است که آنچه سنة مجموعه خلفاء باشد بشرط اجتماعهم علیها آنرا قبول سازیدوا امریکه یک دو خلیفه مثلاً کرده باشند ترک کنید درین صورت آنچه باقتدای شیخین حکم است نا تمام خواهد شد که دو خلیفه را دران ذکر فرمودند همه را و حدیث نجوم مخالف آن خواهد شد و ترتیب مصحف عثمانی بدعه خواهد شد چه خلیفه اول جمع آن کرده بودله ترتیب آن و مسئله عول و تحدید حد شراب و دیگر امور که در زمان حضرت عمر رضی الله عنه قرار یافته الدهمه خلاف سنة خواهند شد معاذ الله بلکه مراد آن است که سنة همه خلفاء را التزام سازند چنان لکنید که سنة بعض آنها گیرید و بعض آنها نگیرید قال الله تعالی "یا ایها النبی جاهد الکفار والمنافقین" که

معنی بر آن آنست که با جمیع کفار و منافقین جهاد باید پس حسب فهم سامی باید که آنجناب امر الهی نکرده باشند که با تمام کفار عالم جهاد آنجناب واقع نشده و چه ضرورت است که در حدیث لام لام استغراق باشد میگویم که لام آن لام عهد خارجی است که خلفاء خمسہ معهوده را مراد داشته فرموده اند که طریقه ایشان را قبول کنید و هیئت اجتماعی از حدیث فهمیدن همانا که محاوره کلامیه ندانستن است پس بهرحال آنچه در ترجمه حدیث نوشته اند هر دو تقریر بر محل خود نیستند زیاده چه عرض کرده آید و در بعض دیگر جا هم در صحیفه سامی محل کلام است مگر بنده ابا صل مسئله کار است و از تقریر زائد غرض نیست اکنون که بست رکعت تراویح از فعل خلفاء ثابت شده اند عمل بران موجب سعادت است و بدعة فهمیدنش محض بی جا البته زائد از هشت رکعة رابعض مستحب دانسته اند و بعضی موکده گفته اند این مسئله خلافیه قدام است که ما را درین گفتگو ضرور نیست والله تعالی اعلم فقط.

سوال اول

هرگاه در تعریف سنة مواظبت نبوی صلی الله علیه وآله وسلم مع ترک احیاناً ماخوذ است و اینهم ظاهر است که بر تراویح مواظبت کدائی ثابت نیست پس بر سنیة آن از کدام دلیل اطمینان کرده شود و آنقدر که بران مواظبت ثابت است همان هشت رکعات تهجد هستند لا غیر پس باید که همین قدر سنة باشد و زیادت بران روا باشد فقط.

سوال دوم

اینکه این دو ازه رکعات که بر هشت رکعات سنت نبوی صلی الله علیه وآله وسلم افزوده شدند آیا در تاکد بهمان مرتبه هستند که آن هشت رکعات را حاصل است یا ازان مرتبه فروتر فقط.

جواب سوال اول

این که هر چه صحابه رضوان الله علیهم اجمعین بران مواظبت فرموده باشند سنت مؤکده می باشد لقوله علیه السلام "علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدين المهدیین نعم" تاکد یکه در مواظبت رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم هر چیزی میباشد در مواظبت اصحاب کرام نیست چرا که مراتب سنت مؤکده در تاکد متفاوت می باشند قال رد المحتار نا قلا عن شرح المنیة قال مراتب الاستحباب متفاوتة کمراتب السنة انتهى و خود حدیث علیکم بسنتی الخ ناظر درین است چرا که رعایات تقدم و تاخر در کلام بلغاء بلا وجه نباشد خصوصاً کلام ما انتظام سرور انبیاء تاج الفصحاء والبلغاء پس تقدم سنتی و تاخر سنة الخلفاء مع اشارات دقیقه دیگر کمال اکداول را از ثانی می خواهد چنانچه از آیت "ان الصفا والمروة من شعائر الله" خود رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم استخراج فرموده الدار شاد کرد که بدایة می کنم بدانکه بدایة کرد حق تعالی باورد ذکر کما هو فی الحدیث پس این جا تقدم زمانی است و آنجا تقدم فی المرتبة بهر حال از تقدم ذکر تقدم رتبه مستفاد میشود و امامواظبت آنحضرت صلی الله علیه وآله وسلم

بجیزی بطور فرض اگر از خصوصیات نیست برامته هم فرضیه
 رامی خواهد و اگر از خصوصیات باشد لیکن امة ازان ممنوع نباشد
 پس این مواظبت سنیه را نمیخواهد بلکه استحباب مقتضای اوست
 چنانچه تهجد که ترد بعض بران حضرت صلی الله علیه وآله وسلم
 فرض بود و امة را مستحب مگر چون دلیل دیگر بر تا کد این فعل بر امة
 پیدا آید البته آنگاه سنة خواهد شد مثل تراویح که هر چند ترد همون
 قاتل فرضیه تهجد بر آن حضرت صلی الله علیه وآله وسلم تراویح نفس
 تهجد است علی التحقیق مگر چونکه برین تهجد مشخص باین هیئت
 کذائیه مواظبت صحابه پیدا آمد بدلیل قولی تا کد پیدا کرد و هو قوله
 علیه السلام علیکم بسنتی الخ و اگر نیک دیده آید مواظبت فعلی
 حکم هم بر تراویح از رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم هم توان دید
 چرا که رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم چند روز خوانده عنبر
 ترک آن فرمود که مبدا بر امة واجب شود و در جرح افتد همانا که
 فعل او را گاه گاه و ترک او را بعد مواظبت حکمی دارند " قال
 ردالمختار والمراد ایضا المواظبة ولو حکما لتداخل التراویح فانه
 صلی الله علیه وسلم بین العذر فی التخلف عنها قاله الطحطاوی عن
 ابی مسعود رضی الله عنه " انتهى و پس حد محرره سائل بر جمعیت
 خود اندو بر رای کسیکه فرضیه تهجد را بر آن حضرت صلی الله علیه
 وآله وسلم منسوخ گوید چنانچه قول حضرت عائشه رضی الله عنها
 هست رواه مسلم فی سنة پس مواظبت تهجد دلیل سنت موکده
 خواهد بود و دلائل قولیه ناظر استحباب مگر تهجد رمضان به قولی
 تراویح است بدلیل سنت مؤکده خواهد ماند والله اعلم.

جواب سوال دوم

آنکه بست رکعت تراویح در زمان تحیریت نشان حضرت عمر رضی الله عنه قرار یافته اول یازده رکعت معه وتر خوانده شد پس در آخر امر بر بست و سه معه و ترقرار یافت رواه مالک فی المؤطا بسند صحیح و آنچه سنت خلفاء باشد تا کد آن از جواب اول واضح شد باقی ماند اینک همه مؤکده باشند یا بعض پس صاحب هدایه و غیره بر آنند که همه مؤکده اند و قدوری گفته که بعض آنچه از رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم ثبوت یافته مؤکده باشند و آنچه زیاده بر آن در زمان عمر رضی الله عنه قرار یافته مستحب بود ابن همام هم بهمین میل دارد هر چند ابن همام را علماء جواب داده اند مگر از تقریر بنده جمع بهر دو قول تو ان کرد که مراد قدوری از استحباب مزید کمی تا کد نسبت به هشت رکعت و مراد هدایه تسویه در نفس تا کد است نه فردر آن چرا که تا کد کلی مشکک است و حدیث "علیکم بستی الخ" دلیلی است پس که بعد آن حاجت نقل دیگر نیست و بعد ثبوت روایة مؤطاء که اصح الکتب فی الحدیث در طبقه اولی است و هم پله بخاری حاجه کتب نیست همین معمول خواهد بود و مذهب مالک رحمة الله علیه هم همین باشد مگر تا هم آنچه که زیاده رکعات از دیگر ائمه آمده اند موجه تو ان شد که مثلاً بعد هر ترویحه اهل مدینه چار رکعت میخواندند و بست رکعت فرادی زائد شدند و

جمله چهل شدند و انها را هم مجازاً در تراویح شمردند و اهل مکه بعد هر ترویحه اسبوع طواف کردند و دو رکعت طواف خواندند ده رکعت فرادی مزید شد سی رکعت را مجازاً تراویح شمردند و بعد بست رکعت قبل و تربعض گاه که اربع رکعات را ترک کرده در دعوات مشغول ماندند شانزده رکعة مزید شد سی و شش گردید ندویک اسبوع را قبل و تراگر کم کردند دو رکعت کم شد بست هشت شدند و بست رکعت خود امری است مثبت و محقق از فعل صحابه و یازده از فعل سرور عالم صلی الله علیه وآله وسلم که اکدا بست است الحاصل ثبوت بست رکعت باجماع صحابه در آخر زمان عمر رضی الله عنه ثابت شده پس سنت باشد و کسی که از سنیه آن انکار دارد خطاست والله تعالی اعلم و علمه اتم و احکم فقط راجی رحمة ربه رشید احمد گنگوہی.



قَالَ الْبَاقِي عَلَى اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ
أَنَا أَنَا قَائِمٌ وَاللَّهُ يَعْلَمُ

الحق الصریح

اثبات التراویح

مطبعة الافاضات

مجتهد الشریعہ العالمین شیخ الاسلام

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب آثار الشریعہ ہمارے
ہیں کہ

احقر محمد علی مالک کتب خانہ امدادیہ دیوبند نے

بہی چوب برقی پریس دہلی میں طبع کرا کر

اپنے کتب خانہ امدادیہ دیوبند سے شائع کیا

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

کترین انام محمد قاسم نام کی پیدائی شعار دوست و طاعت نفسانی کاراد بخدست مجموعہ حکام
 اخلاق عبد الرحیم خاں صاحب دام اخلاق اسلام سنون عرض کردہ عرض پر دوا است کونان
 سالی کہ بنام احقر بنشان سیرتھ ارسال فرمودہ بودند از میرٹھ بہ نالوتہ و از نالوتہ بگلگوہ و از گلگوہ
 براپسور شدہ زوم دراواخر شوال رسیدہ منونم گردانید نظر بر اہتمام سالی در اسوردنیہ
 و آنہم چندانکہ در فضائل اعمال دلائل یچنین باید و دلائل یچنین چندانکہ بر خود نفرینہا کرد کہ ہنوز
 گرفتار ہواؤ ہوس و ہر دم حکم سہلہ کارانیدم بدم می فکلم ہماں قدر بر آنجناب آفرینہا خواندم
 و گفتم کہ چون در فضائل اعمال نیقدر اہتمام است و ہر مساعت در دیگر اعمال عالیہ زفرافض
 و سنن سوکدہ چہ قدر ذخیرہ ہائے عمدہ ہم آورده باشند جزاکم اللہ خیر الجزاۃ از ہماندم خیال
 جوابش عزیمت رمی آنکجنت و پاس خاطر مبارک بدلم می آویخت اما بالائے تمکاسل طبع زاد کہ
 باستماع عادات حقرا از بعض طائران دریافتہ باشند پریشانے روزگار کہ ہر روز از جاؤ بجائو
 میفرم و هجوم کار کہ از کارے برکاسے می شستم نیز فرستم ندا کہ باہمو شغال غیر ضروریہ پردام
 با اینہمہ بدین سیاق و سباق نائے سالی و مطالعہ دلائل و مقاصد لری ندانم غلط است بیست
 از ہر طرف بوائے تعصب و تمق شیدم و بظاہر ایں کا جناب نیست کسے دیگر است کہ در پردہ نام
 جناب وریں میداں گوراندہ رفتہ فرمودہ امام ایں صلاح را باید علایش چہ مساس آری
 اگر انتہات حکام منحصر در صحاح بودے می توان گفت کہ فلاں حدیث اثبات تراویح نمی توان
 کرد آری اثبات مطالب بقدر ثبوت خود اثبات مطالب یککند عرض حسب تنوع دلائل
 مطالب تنوع ثبوت میسرند از متواترات عقائد ضروریہ مثل توحید و رسالت و حقیقت کلام اللہ
 ثابت می توان کرد و از احاد صحاح ایں کاری برآید و از احاد و جواب اعمال و تا کہ سنن باید گرفت
 از صحاح ایں کار نباید گرفت ایں فرق از کجا خاستہ از تفاوت سند خاستہ ورنہ نفس خاستہ
 و ہفتافہ نبوی ہمیں خواہد کہ ہر دو را یک پلہ باید سنجیدہ مگر ظاہر ہست کہ احادیث ضعیف نہ
 چنان ثابت اند کہ ہر سنگ صحاح و حسان گردند نہ چنان باطل کہ ہر سنگ موضوعات شوند
 پس لاجرم مرتبہا نہا اعتبار ثبوت و عدم ثبوت فیما بین صحاح نے حستان و موضوعات خواہند
 بودند مثل موضوعات کہ سراسر باطل اند و بوائے از ثبوت نشیدہ بیکار نماشا حستان و صحاح

و متواترات دیگر را اثبات پرکارانند بصورت ثبوت فضائل اعمال که از مطالب حشاش و محاج و متواترات فروتر است از ضعف چه مستبعد و ظاهر است که در صورت ترک اعتقاد فقهای بوثوت و تائید تراویح معلوم که رتبه اش از فضائل نمی فرزاید پس اگر حدیث نسبت تراویح ضعیف باشد ظاهر پرستان را چه باک و در فکر او اگر جگر خوں کنند کنند مدعیان تا که کنند هان اگر تعارض معلوم کسانی که درین زمان درین باره غوغا کرده اند و میگویند که حدیث بشت یا حدیث یازده متعارض است بهرین شود البته ترک بشت و اختیار یازده خیل بجای بود و در آنهم گنجایش گفتگوهای دیگر باشد و بیشتر از اثبات تعارض از برهی طه و برهی کلثمه اسلام چه سود بانی مانده انیکه جناب ختی مآب صلی الله علیه و آله وسلم در رمضان و غیره رمضان بی یازده راجع آورده اند چنانچه از حضرت عائشه مرویست با آنکه حضرت رسول اکرم صلی الله تعالی علیه و آله وسلم در بیانی سه گانه بی یازده خوانده اند چنانچه از حبش مرویست این حدیث گویند ظاهر با حدیث بشت که مرفوع است بنظر هر بیان متعارض نماید اما در حقیقت حکم متعارض خلل از جهل یا عناد نیست اول تراویح را از تجمیع باید گفت بعد از آن تطبیق تعارض عزم باید کرد اگر گویند که تراویح شل صلوٰة اربعین که بعد مغرب بخوندند و نوافل عشاء که در پس و پیش آن خوانده می شوند قطع دیگر تجمیع نوع دیگر و هر دو حدیث مذکور در باره تجمیع است خود ظاهر است که اعتراض تعارض بیک سو نخواهد رفت با رجوع با اتصال تراویح با عشاء را که کفین آن در اول شب و افتراق تجمیع از عشاء که نوم و دیگر اعمال کثیره میان بی آیند و ادا کردن آن در آخر شب نظر کنیم این را موجهی یا بام مهند در تجمیع روایات کثیره از عائشه مرویست و هم از بعض صحابه مآثر بعض از آن در صحیحین و بعض در کتب دیگر از صحاح سنت منقول است چنانچه خوانندگان حدیث هم میداند پس هر ملازمان جناب منشی سالی جواب آن خواهند داد ازین تعارض هم ما را قبول کنند با کجری چنانچه عمل بر تعدد وقایع احادیث بخاری و مسلم را موافق با هم توان کرد حدیث بشت که در روایت و یازده که در آن نیز با هم متعلق یا بد ساخت ازین صحت ضعف حدیث بشت در امثال منطوق آن مانع نخواهند شد هان اگر امام ابن صلاح بیاقت قبول اقوال از نصوص قطعی هم رسانیده اند و کلام الله یا حدیث باتباع او شبان خوانده و دیگر علماء اصول فقه را این منصب هم رسیده ما را انچه از عرض معروض خویش نیست اگر او شبان ما امام اصول حدیث باین معنی تصدیقه اند که درین فن یکبار و دیگر و مرد پس میدان

وایں کار بودند در باره محافظه هفاد حدیث هر قاعده که بنیاد دهند چشم نهایی است و هر چه
که رونق قابل گم گشادنی است ما مسلم گراوشان را اگر در محافظه هفاد حدیث که بعضی محافظه
معانی مقصود است چنانچه جمله فلیبلغ الشاهد الغایب یا جمل قریب مبلغم ادعی من سامع
پیوسته بر آن شایسته است انکه اصول فقه را درین محافظه معانی یدلولی است او شان در آن
باره اگر قابل اقتضا هستند ایشان درین باره لایق اتبل قاعده بنیاد نهاده انکه اصول فقه
همین است که فضائل اعمال از صفات هم ثابت بنویس شد و اگر نیکستایل کرده شود
آن موضوعات که نظر بر کذب و رواتش در موقوف دیگر آن را در موضوعات شمرده اند
باین کلیه بالیقین غلط و مخالف واقع نمی باشد فان الکنوب قد یصدقون بچنانکه جمله
صحیح صحیح یعنی مطابق واقع نمی باشند فان لصدوق قد یخطئ و نیز احتمال دروغ از غیر
معصوم چه مستبعد چنانچه در بعضی صحاح مشهور هم همین است ندانی که در بخاری شریف
در باب عمر شریف حضرت رسول اکرم صلی الله تعالی علیه وآله و اصحابه و سلم سه روایت یک
متعارض آمده شعث و شعث و سه و شعث و پنج و همه میدهند که توافق این روایات
باعتبار منطق خویش محال است لاجرم یک مطابق واقع و دو مخالف واقع خواهند بود و حال آنکه
باعتبار مطلق اصول حدیث هر سه روایات صحیح اند و نه امام بخاری که التزام ایراد صحیح
کرده اند در کتاب خود نمی آورده اند این صورت را بر می باید که یک را منطون الصدوق یا
مقطوع الودع گردانند و دیگر آن منطون الکذب و یا قطعی البطلان گردانند پس مرجع گزین
قسم روایات است عام است که صحیح باشد یا ضعیف چنانچه ظاهر است و اگر از قسم روایات
باشد مانند از حکمت که یک از کارهای نبوی است چنانچه آیه یعلمهم الکتاب و الحکمة
بر تین دلالت میدهد و بیرون زفته باشند اندیس صورت حدیث ضعیف هم اگر موید هدایت
شود از مرتبه خود بالاتر رفته کار و گزیند و چنانچه آیه و اذا جاءهما امر من الامن و الخوف
اذا عاباه و لوروده الی الرسول و الی اولی الامر من بعد به یطمان الذین یتسلطونه من بعد
برس قضیه گواه هم موجود است چه اخبار شارحانها اگر از قسم صحاح بود اذاعه بر محل طعن
نی شد و اگر آیه در آیه موید ضعاف نمی شد جمله یعلم الذین یتسلطونه چه معنی داشته اکنون
معروض آن است معایه بست رکعتین بر علم احقر موید بدایت است و معارض کلام روایت
نیست اگر اندیشه که همان اشاره کرده آمده ام سده را قلم نبود اگر همه مانی الضمیر خود و قلم

نیاروی باری قلیل کثیر از آن آوره گوش سامنی میکردم مگر چه کنم که سنشی سامی در ستمندالات
از حق کناره سیر و چنانچه قدرے معروض شد و قدرے اکنون معروض میشود و از طعن
بجواب سیمو طابراین داشته که بزید بن رومان زمانه حضرت عمر رضی الله عنه ند ریافته سبحان الله
چه دلیل است و چه مدعا خلاصه طعن این بر آید که مرسلات تابعین اعتبار را نشاید اول این را
اثبات باید کرد بعد از آن روایت مذکوره را رد باید فرمود عدم اعتبار مرسل تابعین اگر ترتیب
خویشتن است این را کمی پرسد و اگر تقلید دیگر آن است بجز امام شافعی کیست که باین
طرف رفته امام ابو حنیفه و امام مالک همه بر آنند که مرسل تابعین و اتباع تابعین هم مثل مرسل
صحابه معتبرند بلکه از مسند زیادیه چه ترک اسناد دلیل و ثوق خود است و ذکر اسناد فہم سماع
گذاشتن و گویا العہدہ علی الراوی گفتن است اگر از تقلید عارضست قول امام ابن صلیح را بد
یوار باید زد و اگر تقلید او شان جائز است امام ابو حنیفه و امام مالک چه تقصیر فرموده اند امام ابن
صلیح اگر تاسیس قواعد حفظ و نگاہداشت الفاظ بصیرت حاصل کرده اند امام ابو حنیفه و امام
مالک نیز در تاسیس قواعد محافظت معانی بد طولی دارند و اگر این قواعد محافظت معانی ہم نیز
در بعض مواقع بہ نظر ملازمان جناب علی تقدیر التسلیم معنی مقصود از دست سیر و از قواعد
محافظت الفاظ نیز این محافظت علی العموم دیدہ نمی شود چنانچه از ملاحظہ احادیث عمر شریف حضرت
رسول متقلین علی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہویدا است و اگر درین بارہ بتقلید امام شافعی مگردشان
احسان نہادہ اند از ما مبارک باد مگر اندرین صورت اگر ملازمان جناب فقہ امام شافعی ہم
در دیدہ مانہ نگاران اتباع امام ابو حنیفه و امام عظیم اند با بجمہ بتقلید یکے از انہم مقلدان انکہ دیگر
ما الزام نباید داد و با دشان دست گریبان نباید شد این بہست جواب انجہ کہ ملازمان جناب
بطور قواعد حدایت برست رکعت طعن فرمودہ بودند بآئی مطاعینکہ بطور درایتہ دارد فرمودہ
اند جواب آن کہ گویم کہ خود اندازہ فہم بیرون می نمایند بجز آنکہ تعصب و تمیق باعث این یا
وہ گویہا شدہ باشد دیگر چہ گفتہ شود و اگر باور نیست باید شنید یکے از آن مطاعنہا انہم بہست
کہ اگر بردا یہ علیہ کم بسنتی و سنۃ الخلفاء دست اویمتہ شود بلحاظ آنکہ سنتی کہ سنۃ الخلفاء
ہر دو معروفہ اند و تکرار معرفۃ مشعربا اتحاد اول یا ثانی میباشند لازم است کہ سنت الخلفاء
کہ اتباع آن در حدیث اشارہ فرمودہ ہماں سنت نبوی باشند علیہ و علی آلہ تحیۃ و سلام
و در بست رکعت این امر مفقود است میگویم کہ اول این قاعدہ نزد علماء اصول کلیتہست

تا باتباع او شان ملازمان مخدوم را گنجایش طعن بهم رسد و ما را فکر جواب باعث تردد شود
دوم این جا فقط لفظ سنته مکرر آمده آن بذات خود نکره است و تکرار نکره باعث ابطال
کسان که تکرر معارف را مشعر بر اتحاد شمرده اند مشعر تغایر است نظر برین لازم که سنته انحراف
غیر سنته نبوی علیه الصلوٰۃ و السلام باشد و یا نه حکم و لفظ انحراف اگر معرفت است یکے هم از آن
مگر نیست و اگر نظر بر معرفت عرضیه است آن معرفت خود از معرفت دیگر سفایر شده چنانچه آن در
ذات خود متغایر اندازد و آن معرفت نیز متغایر خواهد بود و وجهش چنانچه دانی نیست که محکوم
علیه حقیقی در صفات عرضیه همان موصوف بالذات میباشد پس اگر موصوف بالذات چیزی
واحد است صفت عارضیه نیز چیزی واحد خواهد بود اگر دو شئی متغایر است صفات عارضیه
هم دو شئی متغایر باید پنداشت پس اگر سنتی و سنتی مکرری آید یا سنته انحراف و سنته انحراف
مکرری شد این گفتگوار بظاهر خیلی بجا گفته می شود و باینهمه در ابتناء و ابتناء که هر یک در
انفسنا و انفسکوک در کلام الله یک جمله مکرر آمده چه خواهند فرمود سبحان الله باین چنین ابد
فوقها و این لن ترینهادر و در از علاوه برین همه اهل فهم را دین قدر اتفاق است که عطف
مقتضی تغایری باشد تا وقتی که تغایر حقیقی یا تغایر اعتباری بدست نیاید عطف نه کرد و دوم
آنکه طعن لام تعریف و جمع مفید استغراق میباشد اندرین صورت لازم است که جمیع خلفاء
مراد باشند پس سنته انحراف که اشاره بالترشش فرسوده اندی باید که سنته همه خلفاء را بشدین
باشد و بیست رکعت اگر هست سنته حضرت عمر است سنته حضرت ابی بکر نیست این اعتراض
از همه افزون تر است ما شاء الله فهم مطالب همی سان باید و نکته فنی کم از فهم این قدر شاید
مخدوم من زینقدر سلم که جمع محلی باللام از الفاظ عموم است و لام تعریف و جمع اکثر مفید استغراق
ی باشد اما بنشی آن مخدوم ندانم معنی بر اجتماع از کدام پهلوی بهارند و این تحقیق از محفل
ما از نقل از کجای نگارند مفاد استغراق همان مفاد کل افرادی می باشد نه مفاد کل مجموعی تلامیس
سطلب باین دلیل مربوط می باشد و ظاهر است که کل افرادی حکم را جمع بهر فرد جدا گانه
می باشد آری و کل مجموعی حکم قضیه را جمع بجانب مجموع میگردد و افراد را از آن سروکاری نمی
بود و آنچه بنشی جناب فهمیده اند مخلصش میس از جمع حکم بجانب مجموع است ازین تا از آن
فرقی نیست که بفرق زمین و آسمان تعبیرش توان کرد باین همه حدیث اصحابی کالنجوم
باینها مقتدیهم اهتد بهم را حکم باید کرد و باید دید که چنان فیصله این نزاع می کنند علاوه

بریں نصوص قطعیہ قرآن شریف و حدیث را کہ در بعض مواقع بر جمع محل بالاسم مستعمل می نماید
 شلاً. اِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْحَسَنِیْنَ چه جواب خواهند داد که ام است که نمی داند که اینجا
 اجر مجموعہ مراد نیست چه یک محسن هم اگر بعالم باشد تا هم ضاعه اجرا و نخواهد شد و نیز می باید که بر
 طبق فہم منشی جناب اجر بہ محسنین یکے باشد و آن هم چند آن کہ تعدد شخصی را در آن گنجایش بود
 نہ تعدد نوعی را بحال چه عطار اجر یک بارہ خواهد شد مثل صلوة کہ بتعد دازند و اختلاف مکرر
 سے کر مطلوب می شود بتعد دازند مختلف نخواهد شد بچنین درجہ جاهد الکفار و المنافقین
 لازم است کہ جہاد مجموعہ کفار و منافقین مراد باشد اندر نیصورت یا حضرت رسول اللہ
 علی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ و اصحابہ وسلم باید گفت کہ ازین جہاں لی اواع فرض تشریف بردند
 یا بر خداوند عالم الحاکمین نعوذ باللہ غصہ باید کرد کہ بچنین حکم دشوار بر نبی خود فرستاد کہ ادائش
 نتوانستند و عیب عدم امتثال ازین جہاں بردند نعوذ باللہ من سوء الفہم و ازین ہم
 در گذشتیم از آن ثالث جمعہ بشہادہ صحیحین سنت حضرت عثمان ذی النورین است فقی اللہ
 عنہ پیش تر از زمانہ او شل فقط بآں دو ازاں آئی یکے از آن خطبہ دوم تکبیر و پس از سنت
 الخلافہ در حدیث مذکور اگر سنت ہمہ خلفاء بطور مذکور مراد باشد لازم آید کہ ازاں مذکور داخل عبت
 شود چه نہ سنت نبوی است نہ سنت خلفاء بطور مذکور و ایں التزام بدلت اندر اینصورت نہ
 تنہا بر حضرت عثمان خواهد بود بلکہ جمیع اصحاب رضوان اللہ علیہم جمعین کہ در آن زمان حاضر بودند
 مبتدع خواهند شد و میدانی کہ ایں ہماں گنہ و ہماں عیب است کہ رفاض و شیعو از دائرہ
 سنت و جماعہ بنہاں بد رفتند و ازین ہم باید گذشت در آیت اول ثلاث الذین ہذا اللہ فی
 ہذا یحکم اقتدہ ضمیر بدہم راجع بسوئے الذین است معنی ایں شد کہ روش آن کسانیکہ ذکر
 او شل کردہ ایم باید گرفت غرض افظہ بدہم در قوت ہدی الذین شد و معلوم است کہ مخاطب
 بایں حکم جناب رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ و اصحابہ وسلم اند و اشارہ الیہ بوصول
 انبیاء مذکور الصدقہ کجملہ آن حضرت موسیٰ علیہ السلام و حضرت داؤد علیہ السلام ہم هستند و
 موافق ایں خطاب و ایں ارشاد حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم در روزہ عاشورہ
 اقتدا بر حضرت موسیٰ علیہ السلام کردند و در سجدہ تلاؤہ سورہ ص. اقتدا بر حضرت داؤد علیہ السلام
 کردند و اگر سجدہ سورہ ص اقتدا بر حضرت داؤد علیہ السلام لگویند و گویند کہ سجدہ حضرت داؤد
 علیہ السلام بجهت ہتفقار سجدہ حضرت سید ابراہیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بجهت شکر پروردگار

که ما را ازین قسم ابتلا محفوظ داشت در اقدار حضرت سوسنی علیه السلام در روز عاشوراء کلام نیست چنانچه لفظ حدیث غنی احق بموسی او کما قال براس گواه هست گو بوجه دیگر از پیشتر هم این روزه معمول حضرت صلی الله تعالی علیه وآله وسلم باشد آری اگر اجتماع وجوه کثیر در یک عمل محال بود مضافاً نبود مگر مساعد این به عقل است چنانچه دانی و نقل چنانچه انما لكل امرء ما نوى میخوانی و میدان که از همین جاتضاعف ثواب صله از صدقه می برآید چنانچه با هر اس حدیث می دانند الغرض این قسم سنن فقط یک دونبی است سبب جمل انبیاء و هدی همه چنین مذکورین نیست اندرین صورت حدیث اقتدا و بالذین من بعدی که لفظ الذین و تبع است همان عموم خواهد بخشید که الذین واقع آیه مذکور و بخشید فرق اگر است فرق تنبیه و جمع است مگر این قسم فرق در تبدیل ماهیه مضامین مواز آن کارگرنی توان شد پس چنانکه آیه سطو سنه یک بنی قابل اتباع برآمد اینجا سبب یک خلیفه از آن دو که درین حدیث مراد اندلایق اتباع واقعه را خواهد بود و این اگر این جالفظ اقتدا نبود شاید مجادلازا گنجایش زبان کشائی می بود می توانستند گفتن که در اقتدار و اتباع مثلاً فرق است این است آنچه که بطور عجالت و نظر بر سر می در استند لالات مجتهد جناب مفاسد بنظر این بهیچدا در آمده اکنون الناس اینست که نظربا این تعصب و تمیق که در جهاد مجتهد صاحب یافته نگاشتام از تحریر و جمل اصل مسئله دست کشی اولی داتم چه اگر چیز می نوشم لاجرم تنقیح و تصحیح آن و بنجیدن او حواله همان صاحب می شد که بایں راه رفته اند او شان اول با کدام نا انصافی گذاشته اند که بایں بار کوتاهی خواهند فرمود بیت -

تو کار زمین را نکو ساختی که با آسمان نیز رواختی

در نه در اواخر رمضان شریف بشکیف مولوی احمد حسن امروہی که یکے را اجاب احقر اند چہ درین باره نوشته ہا مرہہ فرستاده بودم از او شان نقلش بہرسانندہ میفرستادم لیکن یہ کہتم کہ بنظر انصاف مغرورم دیگر آنکہ آنچه کہ بلفظ مضامین شعر یہ ہاں اشارہ فرمودہ اند بخوانم کہ نقلش اگر ممکن باشد بہن ارزانی فرمائید تا شاید چیز سے زیر این پردہ باشد باقی عرض دیگرین است کہ بندہ کمترین عاملان بالحدیث را بشرط فہم بدنی انگار و بلکہ این را شعارایان می شناسم لیکن این چنین ہاں فہماں رہ کہ مضامین نامہ سامی رنجیہ قلم او شان است ہرگز عمل بالحدیث روا نمیدانم این چنین کسان بنجلہ بیضل بہ کشیدہ ہستند و العاقل تکفیه الارشاد الغرض یہی

دوازده رکعت نقل است و این همه در صحاح موجود است باید دید پس می‌بایست که محدثین
 زمان را در دوازده رکعت رد نمی‌شد و بسینه آن یقین می‌بودند قهر بر یازده صحابہ و در
 زمان صحابہ هم چنانکه یازده از سائب نقل می‌فرمایند از اعراج امام مالک در موطا دوازده
 رکعت نقل روایت می‌فرمایند چنانکه در مشکوٰۃ هم موجود است ندانم که چنانچه برای مخفی ماندن
 کدام جناب را فعل صحابہ بمقابل سنت حضرت فرغ عالم صلی الله علیه و سلم بر علم مخالفه نیست و این نزد اهل
 علم واضح است که نفس قیام رمضان را آنجناب سنت فرموده اند و تعداد رکعات آن
 نفرموده و کمی و زیاده در آن روایت شده چنانکه در فرائض و روایت سنن است و در
 اختلاف در آدائی عدد آنها واقع نشد و لهذا هر قدر که زیاده در عدد رکعاتش بود موجب
 اجراست تا باعث گناه و ابتلاء و بیج حدیث در سنن آن وارد نیست بلکه حدیث طبرانی
 بکثرة السجود مطلقا تسلسل کثرة رکعات نوافل روز و شب می‌فرماید اینها بیکه شروع
 تحدید فرموده چنانکه در فرائض و سنن روایت نقصان و زیاده در آن روایت نیست و معینا
 اگر قبل آن یا بعد آن در محل نوافل که نوافل متغایر خوانند بدون اعتقاد سنت آنها کسی است
 که او را منع فرماید و بدعت گوید پس همچنان در تہجد و قیام رمضان زیاده رکعات را چه اندیشه
 خود شد و بکنه و عدد رکعات تہجد فرغ عالم علیه السلام تحقیق است از آن روایت که نقل
 آنجناب محقق گرد و که چیست نه آنکه زائد از آن بدعت است صریحاً التودیع فی شجر
 المسلم بریں قیاس است سائر سنن که اصل آن از شریع علیه السلام سنت فرموده و تحدید
 در آن نظر فرموده مثلاً تسبیح رکوع و سجود که در آن زیاده از قدریکه آنجناب میگفتند بخت هست
 و قررة قرآن که زیاده از قدر مقر آنجناب است در فرض و نفل بدعت نخواهد بود و علی‌هذا همه
 این قسم امور ازین است علماء قلبت اگر چه سنته موگه همون قدر گرفته اند که بر آن قدر حد سنت
 نزدشان صادق آید مگر زائد را در آن بدعت ندانسته خصوصاً زیاده که از صحابہ ثابت شده
 چنانچه روایات عدیده مختلفه برای دیده باشند اما تعالیٰ عشرین پس در زمان حضرت
 عمر رضی الله عنه بارشاد تقریر آنجناب معلوم شد چنانکه در موطا مالک مرویست و حدیث
 انقطاع بر محل خود نیست چرا که یزید بن رومان تابعی ثقه اند و ارسال ثقه مقبول میباشد
 مالک محدثین سلف را همین ناپسب است اگر چه شافعی و احمد در آن کلام کرده اند کتاب الی
 داود بسوئے اهل مکہ و دیگر کتب اصول حدیث مطالعه نمایند معینا حدیث صحیح بی‌شکی که جناب

فتح روایت آن فرماید موافقت و منزلت شبیه انقطاع و ترمذی و صاحب خود از حضرت
 عمر و علی و غیره مابین الصحابة روایت آن میکنند پس اکنون در ثبوت عشرين از آن جناب
 رضی الله عنه چه تردد ماند و این زیادة را مخالف سنت پنداشتن نهایت موجب تعجب است
 که هیچ اهل علم چنان نفرماید چه بالا نوشته ام که قیام ییل محدود نیستند و رتبه هر گاه بحديث
 صحیح ثابت شد که فخر عالم علیه السلام گاهی ماه کامل غیر رمضان صائم نموده بتلخیص ماه را از
 صوم قائل گذشتہ اگر کسی تمام ماه روزه دارد متقلاً مخالف سنت گردد و گرفتار بدعت حاذق الله باید که
 حضرت عمر و علی و دیگر صحابہ کرام و ائمہ اربعین اعتراف ترمذی و غیره بسبب تقریر زیادة عدد رکعات
 اہل بدعت شوند استغفر الله استغفر الله بسیار مؤثر از صلوة صوم و زکوة و حج و ذکر تسبیح و غیره
 شوند تا بل در کماست اہل علم را چنان فرمودن سخت نازیبا است مابین لفظ مخالف موافق
 و محدود و غیر محدود و بدعت و سنت امتیاز واجب است و چونکہ در حدیث علی کفر بسنتی و سنت
 الخلفاء الراشدین بالخبر شاذ و جناب رسالت علیہ الصلوٰۃ است کہ چنانکہ سنت مرا التزام کردن
 بر شماست سنت خلفا را هم التزام فرمود است و مراد از سنت خلفا را مریت کہ الا آنجناب
 صد و آن نشود از خلفا و قریع آن شده و آن هرگز خلاف کلیات شرع نمی تواند شد بلکه موافق
 سنت و مستنبط از این است کہ ہم منسوب و سنت شدند و بدعت گفتن آن سخت
 نازیبا کہ هیچ علمائے چنین نگفته اند آنچہ خلاف است در آن است کہ زیادة بر آن قدر کہ
 آنجناب علیہ الصلوٰۃ خوانده اند آیا سنت نمونہ اند یا استحباب ازین بعد آنچه درین حدیث
 افادہ فرموده اند بلکه مراد از سنت خلفا بسنتی است کہ عین سنت نبویہ باشد از عجائب
 روزگار است چرا کہ اگر در بدعت نیست کہ بعینہ آن فعل را آنجناب علیہ السلام عمل فرمود
 سنون کرده باشند پس می پرسم کہ درین صورت خاصہ تقریر خلفا چیست آیا بعد وفات
 آنجناب کسی را از خلفا بحال نشیب و فراز داشته یا نسخ و تبدیلی آن می رسد تا سنتی کہ است
 خلفا کرام و غیر آن ترکیب کنیم و اگر مراد از عین آنست کہ مستنبط از سنت بود و یا نظیرش
 دستہ موجود باشد موافق کلیہ شرعیہ بود مثل جمع قرآن شریف و ترتیب سور آن مثلاً
 پس لایب این امر کلم صحیح است مگر این زیادة رکعات ماند انهم کہ بجه وجه مخالف سنت
 قرار داده خواهد شد آنچه از اصول قاعده اعاده معزله تحریر است در مکتوبات این بحث
 را باید دید کہ این قاعده کلی نیست و خلاف این بسیار موجود است این قاعده آنجا بود کہ قرینه

خلاف موجود نباشد اینجا عطف لفظ سنه اختلاف بر لفظ سنتی مغایره را می خواهد مقصود جناب رسالت علیه السلام از این الزام سنه اختلاف خود است مراست ماثل سنه خمسین چنانچه در حدیث دیگر فرموده فاقتم و ابنا الذین من یعدی الیه یسکرون و عمر بلکه در حدیث اقدم جلد صحابه فرموده اصحابی کانجو مباحثه اقامت ایتیم اهدت ایتیم و هم چنان با کلام استغراق فهمیدند این معنی است که آنچه سنه مجموع اختلاف باشد بشرط اجتماع هم علیها آنرا قبول سازید و امری که یک دو خلیفه مثلاً کرده باشند ترک کنید درین صورت آنچه باقی است از تخمین حکم است ناقص خواهد شد که دو خلیفه را در آن ذکر فرمودند همه را و حدیث نجوم مخالف آن خواهد شد و ترتیب صحیف عثمانی بدست خواهد شد چه خلیفه اول جمع آن کرده بود و ترتیب آن مسئله عول و تحدید حد شراب و دیگر امور که در زمین حضرت مقرر قرار یافته اند به خلاف سنه خواهند شد معاذ الله بلکه مراد آن است که سنه همه خلفا را الزام سازید چنان کنید که سنه بعضی آنها گیرید و بعضی آنها نگیرید قال الله تعالی یا ایها النبی جاهد الکفار و المنافقین که معنی آن آنست که با جمیع کفار و منافقین جهاد باید پس حسب فهم سالی باید که آن جناب امر آنی نه کرده باشد که با تمام کفار عالم جهاد آن جناب واقع نشود و چه ضرورت است که در حدیث لام لام استغراق باشد میگویم کدام آن لام همه خارجی است که خلفا فرستاده معهوده را مراد داشته فرموده اند که طریق ایش را قبول کنید و بهیتم جماعیه از حدیث فهمیدن همانا که محاوره گلاویه انداختن است پس بهر حال آنچه در ترجمه حدیث نوشته اند بهر دو تقریر بر محل خود نیستند و یا به چه عرض کرده آید و در بعضی دیگر جایم در صحیفه سالی محل کلام است مگر بنده ناچار اصل سبک کلام است و از تقریر زاندر عرض نیست اکنون که است رکعت زلوت مع از فعل خلفا ثابت شده اند علی بر آن موجب سعادت است و بدین فهمیکش محض جفا نیست زاندر هشت رکعت را بعضی سبب دانسته اند و بعضی موکده گفته اند این مسئله خلاصه کلام است که ما را درین گفتگو ضرورت نیست والله اعلم فقط.

سوال اول هرگاه در تکریم سنه سوا طبع نبوی صلی الله علیه و آله و سلم مع التزک جانا ما خود است و اینهم ظاهر است که بر تراتوج سوا طبع کفالی ثابت نیست پس بر سنیت آن در کدام دلیل المینان کرده شود و آنقدر که بر آن سوا طبع ثابت است همان هشت رکعات آنچه بهتمند لا غیر پس باید که همی قدر سنه باشد و زیادت بر آن روا نباشد فقط.

سوال دوم اینکه این دو آئوده رکعات که برہشت رکعات سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افزودہ شدند آیا در تائید ہماں مرتبہ ہستند کہ آن بہشت رکعات را اہل بہشت یا از سبقت جواب از رسول اول انیکہ ہر چہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین بر آن مواظبت فرمودہ باشند سنت سبکہ وی باشد بقولہ علیہ السلام علیکم بسنتی و سنتی الخلفاء الراشدين المعصومین نعم تاکدیکہ در مواظبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر چہ میر می باشد در مواظبت اصحاب کرام نیست چرا کہ مراتب سنتہ ٹوکرہ در تاکد ستفادت می باشند قال مرد المختار زافلا عن شرح العمید قال مراتب الاستحباب متفاوتة کما تبی السنۃ انتہی خود حدیث علیکم بسنتی الخ ناظرین درین است چرا کہ رعایات تقدم وتأخر در کلام بلغا بلا وجہ نباشد خصوصاً کلام بانظام سرور انبیاء رتلج الفصحی و البلغایس تقدم سنتی وتأخر سنتہ لکلفایس اشارات دقیقه دیگر کمال تاکد اول را اذنانی می خواہد چنانچہ آیت ان الصفاء والہرۃ من شعائر اللہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم استخراج فرمودند ارشاد رکہ بدایہ یکم بدایہ بدایہ کہ در حق تعالی با و در ذکر کما ہونی الحدیث پس انجا تقدم زمانی است و آنجا تقدم فی المرتبہ ہر حال از تقدم ذکر تقدم مرتبہ استفاد میشود و اما مواظبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بجز بظور فرض اگر از خصوصیات نیست برائت ہم فرضیت رای خواہد و اگر از خصوصیات باشد لیکن بہت ازان ممنوع عبادت پس ہاں مواظبت سنتہ را نمی خواہد بلکہ استحباب مقتضائے اوست چنانچہ تہجد کہ نزد بعض براں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرض بود و ائمہ دستب مگر چون دلیل دیگر بر تاکد این فعل برائت پیدا آمد البتہ آنکا کہ سنتہ خواہد مثل تراویح کہ ہر چند نزد ہوں فائل قاضیہ تہجد بر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تراویح نفس تہجد است علی التحقیق مگر چونکہ بریں تہجد شخص باین ہیئۃ کذا تہجد مواظبت صحابہ پیدا آمد بدلیل قوی تاکد پیدا کرد و ہو قول علی السلام علیکم بسنتی و اگر تیک دیدہ آید مواظبت فعلی حکمی ہم بر تراویح از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم توان دید چرا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چند روز خواندہ عند ترک آن فرمود کہ بجا دارا سنت واجب شمرود و رجب افتند ہا تاکد فعل اورا گاہ گاہ ترک اورا بعد از مواظبت حکمی دارند قال مرد المختار و الملاد ایضا المواظبۃ ولو حکما التذلل التواویح فانہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بین العذر فی تخلف عنہا قال الطحاوی عن

اباالمسعود انتهی و پس حد محرره سائل بر جمعیت خود مانده برائے کسیکه فرضیه تہجد را بر
 آن حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منسوخ گوید چنانچہ قول حضرت عائشہ شہست روئے سلم
 فی سنتہ پس سوا طلبت تہجد دلیل سنتہ مؤکدہ خواهد بود و لائل قولیہ ناظر استجاب مگر تہجد بیضنا
 کہ تراویح است بدلیل قولی سنتہ مؤکدہ خواهد ماند و انشاء اللہ
 جواب سوال دوم آنکہ نسبت رکعت تراویح در زمان خیریت نشان حضرت عمر رضی اللہ
 عنہ قرار یافتہ اول یا زودہ رکعت معہ و زنجیاندہ شد پس در آخر امر بر بست و سہ معہ و تر
 قرار یافت و وہ مالک فی النوطا پسند صحیح آنچه سنتہ خلفا را باشد تا کہ آن از جواب اول واضح
 شد باقی مانده آنیکہ ہمہ مؤکدہ باشند یا بعض پس صاحب ہدایہ وغیرہ بر آنند کہ ہمہ مؤکدہ اند و
 قدوری گفتہ کہ بعض آنچه از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثبوت یافتہ مؤکدہ باشند و آنچه
 زیادہ بر آن در زمان عمر رضی اللہ عنہ قرار یافتہ مستحب بود ایں ہمام ہمہ امین میل دارد ہر چند بن
 ہمام ماعلم جواب دادہ اند مگر از تقریر بندہ جمع ہر دو قول توان کرد کہ مراد قدوری از استجاب مزید
 کی تا کہ نسبت بہ ہشت رکعت و مراد ہدایہ تسویہ در نفس تا کہ ہست نہ قدر آنکہ چراکتا کہ کلی
 مشکک است و حدیث علیہ السلام بسننی الخ و دلیل ہست پس کہ بعد آن حاجت نقل دیگر
 نیست و بعد ثبوت روایتہ سوطا کہ صحیح الکتب فی الحدیث در طبقہ اولی اوست و ہم پند بخاری
 حاجت جمع روایات نیست ہمیں معمول خواهد بود و مذہب مالک جمہ اللہ ہمہیں باشد مگر تا ہم
 آنچه کہ زیادہ رکعات از دیگران آمدہ اند موجدہ توان شد شلاً بعد ہر ترویجہ اہل مدینہ چار رکعت
 میخواندند بست فراوی زائد شدند و جلد چہل شدند و آنہما را ہم مجازاً و تراویح شمرند و اہل مکہ
 بعہم ترویجہ سبع طواف کردند و دو رکعت طواف خواندند و رکعت فراوی مزید شد سی رکعت
 را مجازاً تراویح شمرند بعد بست رکعت قبل و تر بعض گاہ کہ اربع رکعات را ترک کردہ در وقت
 مشغول ماندند شانزودہ رکعت مزید شد سی کوشش گردیدند و یک را قبل و تراگرم کردند و رکعت
 کم شد بست ہست شدند و بست رکعت خود امر بست ثبوت و تحقق از فعل صحابہ و زیادہ
 از فعل سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ اکدا از بست ہست الحاصل ثبوت بست رکعت یا
 جمیع صحابہ مگر آخر زمان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ثابت شد پس سنت باشد و کسیکہ از سنت
 اس انکار دارد خطاست و اللہ تعالیٰ اعلم و علما تم و احکم فقط
 راجی رحمۃ ربہ رشید احمد گٹوہی

تَوْثِيقُ الْكَلَامِ فِي الْأَنْصَافِ خَلْفَ الْإِمَامِ

(اُردو)

اس رسالہ میں حضرت حجۃ الاسلام رحمہ اللہ نے یہ ثابت کیا ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی کو قرأت کرنی منع ہے۔ عقلی دلائل کے ساتھ ساتھ زیادہ عقلی انداز میں یہ مسئلہ سمجھایا گیا ہے۔



اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مَلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝
 اِيَّاكَ نَعْبُدُوْا اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ
 الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ ۝ آمِيْنَ.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ نِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَاَزْوَاجِهِ اَمَهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ
 وَذُرِّيَّتِهِ وَاَهْلِ بَيْتِهِ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى سَيِّدِنَا اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مُّجِيْدٌ.

بعد حمد و صلوٰۃ اوّل چند باتیں عرض کرتا ہوں اُس کے بعد مطلب اصلی عرض
 کروں گا۔ اوّل تو یہ گزارش ہے کہ اوصاف دو طرح کے ہوتے ہیں ایک تو بالذات
 دوسرے بالعرض مگر اوصاف بالعرض حقیقت میں وہی اوصاف موصوف بالذات
 ہوتے ہیں جو بوجہ ارتباط باہمی موصوف بالعرض کی طرف مجازاً منسوب ہو جاتے ہیں
 چنانچہ مشاہدہ احوال کشتی و جالسان کشتی سے واضح ہے۔

غرض یہ بات قابل لحاظ ہے کہ اس صورت میں وصف واحد ہوتا ہے پر موصوف
 متعدد کوئی موصوف بالذات کوئی موصوف بالعرض پھر موصوف بالعرض بھی ایک
 موصوف بالذات کے لئے متعدد ہو سکتے ہیں اور اسی تقریر سے یہ بھی واضح ہو گیا ہوگا

کہ ضروریات وصف کی ضرورت فقط موصوف بالذات کو ہوگی البتہ آثار وصف موصوف بالعرض کی طرف وصف کے ساتھ آئیں گے یہی وجہ ہے کہ اسباب محرکہ کی فقط کشتی کو ضرورت ہے البتہ تبدل اوضاع جو آثار حرکت میں سے ہے کشتی کی حرکت کی بدولت مثل کشتی کشتی نشین کو بھی میسر آ جاتا ہے گذارش ثانی یہ ہے کہ لفظ دال علی الوصف سے حقائق شناسوں کے نزدیک موصوف بالذات ہی مراد ہوگا ہاں اگر کوئی قرینہ صارفہ ہو تو اُس وقت موصوف بالعرض بھی مراد لے سکتے ہیں۔

عرض ثالث یہ ہے کہ جیسے ایک چیز کو باعتبارات مختلفہ معنی اور مدلول اور موضوع لہ اور مفہوم وغیرہ کہہ سکتے ہیں یا ایک شخص کو باعتبارات مختلفہ باپ بیٹا۔ چچا بھتیجا وغیرہ کہہ سکتے ہیں ایسے نماز کو باعتبارات مختلفہ صلوٰۃ ذکر طاعت عبادت حسنہ وغیرہ کہہ سکتے ہیں مگر جیسے معنی و مدلول وغیرہ اسما یا باپ بیٹا وغیرہ القاب کے لئے اعتبارات جدا جدا ہیں اور آثار جدا جدا مثلاً باپ کے لئے تعظیم ہے اور بیٹے کے ذمہ طاعت و خدمت ایسے ہی نماز کے اسماء والقاب میں خیال کرنا ضرور ہے۔

عرض رابع یہ ہے کہ جیسے سانکوں کے عجز و نیاز و آداب و تعظیم و دُعا و ثناء کو بایں وجہ کہ بغرض سوال ہوتے ہیں یا انجام سوال کے بعد سوال پر متفرع ہوتے ہیں سب از قسم سوال سمجھے جاتے ہیں یا اُپلہ لکڑی وغیرہ سامان پخت پز کھانے پینے کے مد میں لکھے جاتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ سب کے دام لگا کر یوں کہا کرتے ہیں کہ کھانیکا اس مہینے میں اتنا صرف ہوا ایسے ہی نماز کے اُن افعال کو جو باعتبار ذات افعال اعتبار صلوٰۃ کے تلے اُن کا داخل کرنا حقیقت شناس روا نہیں رکھ سکتا بایں نظر کہ مقصود اصلی اُن سے وہ اعتبار صلوٰۃ ہے یعنی اُس کے سامان ہیں یا اُس پر متفرع ہیں یعنی اُس کے آثار ہیں داخل صلوٰۃ سمجھنا لازم ہے۔ مگر جیسے اُپلے لکڑی کو باوجود حقوق مذکور نہ وہاں رکھ سکتے ہیں جہاں کھانے کو رکھتے ہیں اُن کے لئے اگر محن یا کوٹھڑی تو اُن کے لئے دیگ رکابی وغیرہ اور نہ وہ آثار اُن پر بذات خود متفرع ہوتے ہیں جو کھانے پر متفرع ہوتے نہ اُن

میں وہ مزا ہے نہ راحت رُوح افزا ہے روئی وغیرہ کو پانی تو ے گھرے دھونے وغیرہ کے حاجات اور لکڑی اُپے وغیرہ کو آفتاب کی ضرورت توڑنے پھوڑنے وغیرہ کی حاجت ایسے ہی افعال صلوٰۃ و ملکھات صلوٰۃ کو باہم متغایر سمجھئے اور اگر اس سے بھی زیادہ روشن مثال کی ضرورت ہو تو سنئے رعایا کو بغرض عرض مطلب و استماع احکام شاہانہ دربار شاہی میں جانے کی ضرورت ہوتی ہے اور اس وجہ سے تمام آداب و تعظیبات جو وقت حضوری دربار بجالائے جاتے ہیں سوال ہی کے مد میں شمار کئے جاتے ہیں۔ مگر جیسے عرض مطلب کے لئے زبان اور استماع حکم کے لئے کان چاہئے حضوری دربار کے لئے شست و شوئی دست و پا و روئی اور درستی لباس کی ضرورت ہے اگر حضور نہ ہوتا تو اس کی حاجت نہ تھی اور عرض مطلب اور استماع حکم نہ ہوتا تو زبان و کان کی حاجت نہ تھی ایسے ہی اعتبار صلوٰۃ کے اور احکام ہیں اور اعتبار حضور کے اور احکام ہیں البتہ جیسے عرض مطلب وغیرہ بے حضور متصور نہیں ایسے ہی تحقق اعتبار صلوٰۃ بے حضور متصور نہیں البتہ جیسے دربار کا جانا اور آداب کا بجالانا سب از قسم سوال ہی سمجھے جاتے ہیں اور کیونکر نہ سمجھے جائیں۔ حضور دربار اسی لئے ہے بذات خود مطلوب نہیں ایسے ہی اعتبار صلوٰۃ اور اعتبار حضور کو متعاقب اور متلازم خیال فرمائیے۔

عرض پنجم یہ ہے کہ احکام انبیاء کرام علیہم السلام دو قسم کے ہوتے ہیں ایک تو از قسم روایت اور ایک از قسم درایت اوّل میں تو احتمال خطا ممکن نہیں انبیاء کرام علیہم السلام صادق و مصدوق ہوتے ہیں وہ راوی خدا تعالیٰ مروی عنہ خطا آئی تو کدھر سے آئی، ہاں احکام قسم ثانی میں گاہ بے گاہ خطا کا بھی احتمال ہوتا ہے اور اس لئے احتیاط کی بھی ضرورت ہوتی ہے البتہ اتنی بات مقرر ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی خطاء کی اصلاح ضروری ہے اس دعوے پر احادیث کثیرہ شاہد ہیں پھر اس پر مرتبہ بشریت سے دور نہیں اس لئے اس میں زیادہ کنج و کاو کی حاجت نہیں ان پانچ باتوں کے بعد یہ گزارش ہے کہ صلوٰۃ کے لئے طول تو ایک رکعت سے زیادہ نہیں چنانچہ احادیث کثیرہ مثل من ادرك

رکعة من الصلوة من ادرك رکعة من الجمعة من ادرك رکعة من الصبح من ادرك رکعة من العصر اس پر شاہد ہیں۔ ورنہ تخصیص رکعت لغو ہے اور حدیث لا صلوة الا بفاتحه الكتاب بعد لحاظ اس امر کے ہر رکعت میں ضرورت فاتحہ ہے وہ جس قسم کی ضرورت ہو اس کی مؤد ورنہ ایک سلام سے جتنی رکعتیں پڑھی جایا کریں ایک ہی فاتحہ کافی ہوا کرے ادھر شب معراج میں بوجہ تخفیف پچاس نمازوں کے بعد فقط پانچ کا رہ جانا اس طرف مشیر کہ استحباب پچاس ہنوز باقی ہے اور کیوں نہ ہو مقتضاء تخفیف بشہادت عقل سلیم یہی ہے اور اگر کہیں اس کے مخالف نظر آئے تو وہاں یہ تخفیف ہے باعث تقلیل نہیں ہوئی بلکہ لحاظ کسی حسن و قبح کا بھی شریک حال ہے اس صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت و ہمت سے یہ توقع ہے کہ آپ اس مستحب محبوب کو بے وجہ ترک نہ کرتے ہوں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صلوة شب و روز کو تتبع کیا تو پچاس ہی رکعتیں ہوتی ہیں ہاں اگر کبھی دن کو کچھ کمی ہوئی تو رات کو غالباً جبر نقصان فرماتے تھے اور رات کو کچھ نقصان رہ گیا تو دن کو اس کو پورا فرماتے تھے۔

اس معمول نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھئے تو اس سے بھی یہی سمجھ میں آتا ہے کہ طول صلوة ایک رکعت تک ہے مگر چونکہ دشواری پچاس بار کی حاضری میں تھی گو ایک ایک رکعت کے لئے کیوں نہ ہو تخفیف میں تنقیص اوقات زیادہ ملحوظ رہے علاوہ بریں فقہاء کا یہ ارشاد بھی کہ صبح کی ایک رکعت ملنے کی بھی اُمید ہو تو بطور معلوم سنت صبح کو ادا ہی کر لے کچھ یہی کہے ہیں کہ وہ بھی صلوة ایک ہی رکعت کو سمجھتے ہیں یعنی جب تک ادا صلوة بالجماعت ممکن ہو سنت مؤکدہ صبح کو ترک نہ کرے دونوں فضیلتوں کو جمع کر لے ہاں اجتماع ممکن نہ ہو تو پھر جماعت زیادہ ضرور ہے ہاں ہمہ بعد اتمام رکعة عودا رکعتیں سابقہ بھی بحکم فطرت سلیمہ اسی پر دال ہے اور صلوة واحد ایک رکعت پر ختم ہو جاتی ہے، اس صورت میں دو رکعت اور تین تین رکعت اور چار چار رکعت کو ایک صلوة کہنا ہاں اعتبار ہے کہ فصل بالاجنبی کی ضرورت نہیں مگر جیسے اس صورت میں صلوة متعددہ کو ایک

صلوٰۃ بوجہ مذکور سمجھتے ہیں ایسے ہی صلوٰۃ امام و مقتدی کو جو بد لالت و وجہ لاحقہ واحد ہے بوجہ تعدد مصلین متجدد سمجھتے ہیں، وجہ اول تو یہ ہے کہ افضلیت امام علی الترتیب المعلوم اس بات پر شاہد ہے کہ جیسے حرکت کشتی نشین سرعت و بطوہ استقامت و استدارات وغیرہ میں تابع حرکت کشتی ہے ایسے ہی فضیلت و نقصان میں صلوٰۃ مقتدی تابع صلوٰۃ امام ہے۔ یہی وجہ ہوئی کہ امام کا علم و اقراء و اورع وغیرہ ہونا محمود و مستحب ہوا اگر دونوں کی نمازیں جدا جدا ہوتیں اور اس امر میں ایک دوسرے سے مستقل و مستغنی ہوتا تو آگے پیچھے کھڑا ہونا کچھ اس بات کو مقتضی نہ تھا کہ امام ایسا ہونا چاہئے ورنہ بہت سے منفرد بھی اس حکم کے مخاطب ہوتے الغرض مثل کشتی و جالسان کشتی اگر امام کی طرف سے افاضہ و مقتدیوں کی طرف سے استفادہ نہیں تو یہ افضلیت امام پھر کا ہے کے لئے ہے

دوسری حدیث الامام ضامن اس بات پر شاہد ہے کہ امام کی نماز فاسد ہو تو مقتدیوں کی نماز کا فساد لازم ہے اور مقتدی کی نماز فاسد ہو تو اسی کی نماز فاسد ہوگی اور کسی کی نماز فاسد نہ ہوگی تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ضمانت و وجوب حق پر دال ہے اور ظاہر ہے کہ ادائے حق ضمانت سے اصل مدیوں بری ہو جاتا ہے ورنہ بار دین اُس کی گردن پر رہے گا۔ اور مدیوں اگر عوض مال مودی ضامن کو نہ دے تو مدیوں ہی کے ذمہ مطالبہ رہے گا۔ ضامن کے ذمہ کسی کا مطالبہ نہ رہے گا اس لئے یہ ضرور ہے کہ حق ضمانت امام سے ادا نہ ہو تو مقتدیوں کی براءت بھی متصور نہیں اور مقتدیوں سے واجب ادا نہ ہو تو امام کی براءت میں کلام نہیں۔ غرض فساد نماز امام سے مقتدیوں کی نماز کا فساد ہو جانا بھی اس پر شاہد ہے کہ مثل حرکت کشتی صلوٰۃ امام مقتدیوں کی طرف منسوب ہو جاتی ہے اور جیسے کہ سکون کشتی سے سکون جالس ضرور ہے اور سکون جالس سے اسی کا سکون لازم آتا ہے اور وہیں تک متعدی نہیں ہوتا ایسے ہی در بارہ فساد یہاں بھی یہی حال ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ جیسے بوجہ تندی ہوا وغیرہ موجبات اضطراب اگر کشتی مضطرب ہوتی ہے تو جالسان کشتی کا اضطراب یعنی تہ و بالا ہونا ضرور ہے اور فقط کشتی نشین کو اگر ہوا

تند لگی تو نہ وہ تہ وبالا ہونہ کوئی اور سوا اس کے اور وجہ اس کی وہی اتحاد حرکت بطور معلوم ہے اور اسی وجہ سے اس اضطراب و عدم اضطراب سے یہ سمجھ جاتے ہیں کہ ادھر سے افاضہ اور ادھر استفاضہ ہے ایسے ہی سہو امام سے سب پر سجدہ سہو کا لازم آنا اور مقتدی کے سہو سے کسی پر سجدہ کا لازم نہ آنا اتحاد صلوٰۃ پر بطور معلوم دال ہے اور اس کو دیکھ کر اہل فہم یہ سمجھ جاتے ہیں کہ امام کی طرف سے افادہ اور ادھر سے استفادہ ہے۔

چوتھے رکوع و سجود میں تقدیم و تاخیر کا مقتدیوں کے حق میں ممنوع ہونا بشہادت فطرت سلیمہ اس پر شاہد ہے کہ امام ہی کی نماز مقتدیوں کی طرف منسوب ہے اور اس صورت میں اس معیت کی ضرورت ایسی ہے کہ جیسے آئینہ کے مستعیر ہونے کے لئے تقابل کی حاجت یا بذریعہ کشتی متحرک ہونے کے لئے کشتی کے ذیل میں ہونے کی ضرورت ورنہ در صورت استقلال یہ ممانعت لغوی۔

پانچویں امام کے ستر کا مقتدیوں کے حق میں کافی ہو جانا چنانچہ حدیث ابن عباس اُس پر شاہد ہے اس پر دلالت کرتا ہے کہ اصل مصلی وہ امام ہے اور مقتدی اور مقتدی اُس سے مستفیض ہیں۔ الغرض صلوٰۃ امام و مقتدی بوجہ مذکورہ واحد ہے امام اصل اور موصوف بالذات ہے۔ اور مقتدی تابع اور موصوف بالعرض اور کیوں نہ ہو اگر اختلاف تشکلات قمر وغیرہ امور معلومہ سے قضیہ نور القمر مستفاد من نور الشمس کا یقین ہو جاتا ہے تو یہاں بھی استفادہ معلوم کا یقین ضرور ہے اس لئے ضروریات اعتبار صلوٰۃ یا یوں کہئے ضروریات اعتبار اتصاف بالذات مثل قراءت سب امام کے ذمہ رہیں گے اور ضروریات اتباع یا یوں کہئے ضروریات اتصاف بالعرض مثل نیت اقتداء سب مقتدیوں کے ذمہ اور ضروریات اعتبار حضور مثل رکوع و سجود وغیرہ دونوں میں مشترک شرح اس معما کی یہ ہے کہ صلوٰۃ کو صلوٰۃ باعتبار عرض معروض معلوم و استماع احکام مقررہ جو قراءت فاتحہ اور قراءت سورۃ میں ہوتا ہے کہتے ہیں وجہ اس کی اوّل تو یہ ہے کہ لفظ صلوٰۃ بدلات صیغۃ اللغۃ اس جانب مشیر ہے کہ دُعا لسانی مقصود ہے

دوسرے جیسے قوت باصرہ وغیرہ قوی کو دیکھنے سننے وغیرہ کے لئے بنایا اور اس لئے یہ امور ان قوی کے حق میں طبعی ہیں ایسے ہی بدالالت و ما خلقت الجن والانس الا ليعبدون نفوس انسانی کو عبادت کے لئے بنایا اور اس وجہ سے عبادت اُن کے حق میں ایک خواہش طبعی ہوگی مگر چونکہ طاعت و عبادت اس کو کہتے ہیں کہ مطاع و معبود کے موافق مرضی کیا کرے۔ مگر اس کی مرضی کا جاننا اُسی کے بتانے پر موقوف ہے اس لئے بالضرور بحکم شوق عبادت خدا تعالیٰ سے استدعاء ہدایت ضرور ہوئی سواصل میں اسی استدعاء اور اس استدعاء کے جواب کی استماع کے لئے یہ افضل العبادات یعنی نماز مقرر ہوئی قیام کا اس لئے موضوع ہونا تو خود ہی ظاہر ہے رہا رکوع و سجود اگر نظر سرسری سے دیکھئے تو یہ بھی مثل سبحانک اللہم اُس کے ملحات میں سے ہیں اگر سبحانک بمنزلہ سلام دربار ہے تو رکوع و سجود مثل آداب و نیاز وقت انعام ہیں یعنی جب سوال اهدنا الصراط المستقیم کے بعد سورت پڑھے گئے تو بدالالت ذلک الكتاب لا ريب فيه هدى للمتقين یہ معلوم ہوا کہ سائل کا سوال پورا ہوا اور اُس کی اُمید برآئی اس لئے اس انعام کے شکرِیے میں آداب و نیاز بجالانا اُس کے ذمہ ضرور ہوا البتہ اس تقریر کے موافق یہ مناسب تھا کہ سارا قرآن بعد فاتحہ ہر رکعت میں پڑھا جایا کرتا کیونکہ مجموعہ کتاب کی نسبت یہ ارشاد ہے ہدی للمتقين اور شاید یہی وجہ ہوئی کہ بعض صحابہ نے بعض اوقات ایک رکعت میں سارا قرآن پڑھ لیا تھا مگر پانی کے ہر قطرہ کو پانی اور خاک کے ہر ذرہ کو خاک کہتے ہیں ایسے ہی قرآن کے ہر ٹکڑہ کو بشرطیکہ کتاب ہونا یعنی حامل جز یا طلب ہونا اُس میں پایا جاتا ہو کتاب کہہ سکتے ہیں۔

اس لئے بغرض تخفیف تھوڑا سا پڑھ لینا جائز رکھا چنانچہ علم ان لن تحصوه لغاب علیکم فاقرأوا ما نيسر من القرآن بھی اس پر شاہد ہے کہ اصل یہی تھا کہ سب پڑھا جایا کرتا پر تخفیف کے باعث کمی کی اجازت ہوگئی بالجملہ باعتبار حقیقت نہ وہ از قسم استدعاء نہ یہ از قسم دعا مگر چونکہ بلحاظ عظمت و شان مسؤل منہ سوال کے لئے یہ

دونوں ضروری ہیں تو جیسے سامان پخت و پز ملحق بالطعام ہو جاتے ہیں چنانچہ اوپر عرض کر چکا ہوں ایسے ہی یہ بھی ملحق بالسوال ہیں اور غور سے دیکھئے تو رکوع و سجود اُن دونوں حالتوں پر دلالت کرتے ہیں جو بندہ سراپا اطاعت کو وقت سوال استماع مژدہ انجام ہونی چاہئیں یعنی سائل کو اوّل تو مسئول منہ کی طرف میلان ضرور ہے اُس میلان پر ہی سوال متفرع ہوتا ہے چنانچہ ظاہر ہے اور بعد استماع مژدہ جان بخش خاص اُس صورت میں جس میں مطلوب دلی طالب رضائے محبوب ہو انقیاد اور امتثال لازم ہے اوّل پر تو رکوع دال ہے چنانچہ ادھر کو جھکنا اور پھر بعد رکوع سَمِعَ اللہ لَمِنَ حَمْدِہ کہنا اُس پر شاہد ہے جھکنا تو خود اس عالم شہادت میں تعبیر میلان ہے اور سَمِعَ اللہ الخ کہنا بے اُس کے موزوں نہیں ہو سکتا کہ رکوع کو سوال حالی کہئے اور انتظار توجہ محبوب کو جس کو استماع سے تعبیر کیا کرتے ہیں اُس کے مقتضیات میں سے قرار دیجئے اور ثانی پر سجود دلالت کرتا ہے کیونکہ منقاد کا زیر حکم منقاد لہ ہونا اس کے تسفل اور اُس کے ترفع اس کے تذلل اُس کے تعزز پر دلالت کرتا ہے مگر چونکہ میلان فی حد ذاتہ ایک امر واحد ہے اور امتثال کی متعدد صورتیں جیسا حکم ہوگا ویسا ہی اُس کا امتثال ہوگا اس لئے رکوع میں وحدت اور سجود میں تعدد مطلوب ہوایا یوں کہئے کہ اصل انقیاد شوق ہے یا خوف ہے۔ باعث شوق اگر اسم نافع ہے تو موجب خوف اسم ضار اس لئے دو سجدے مقرر ہوئے تاکہ اثنیۃ النواع امتثال پر دلالت کرے بہر حال سوال قالی کے ساتھ سوال حالی بھی جمع کیا گیا تاکہ وہم نفاق پاس نہ آنے پاوے مگر چوں کہ سوال حالی گو باعتبار تحقق سوال قالی سے مقدم ہو لیکن ظہور میں اُس سے متاخر بلکہ اُس کا محتاج تھا۔

اس لئے وہ افعال جو بالطبع مظہر احوال مشاۃ الیہ ہوں وضع میں سوال قالی سے موخر رہے مگر اس صورت میں نماز کے تمام ارکان کا استدعا و استماع کے لئے موضوع ہونا زیادہ تر روشن ہو گیا کہ افضلیت طول قنوت غلط نہیں اور یہ بھی روشن ہو گیا کہ جیسے ایمان بایں وجہ کہ وہ نیت ایک عام اور عزم انقیاد مطلق ہے تمام اعمال سے افضل ہے

حالانکہ ہر عمل میں نیت خاص کا ہونا ضرور ہے ایسے ہی صلوٰۃ اِس وجہ کہ اُس میں استدعا ہدایت مطلقہ اور اظہار امتثال مطلق ہوتا ہے جملہ عبادات سے افضل ہے اور کیوں نہ ہو زکوٰۃ و صوم تو قطع نظر اس سے کہ ایک امتثال خاص ہیں اصل میں عبادت ہی نہیں بوجہ التحاق امتثال امر عبادت بن جاتے ہیں۔ ورنہ لازم آئے کہ اللہ تعالیٰ سب میں زیادہ عابد ہو کیونکہ زکوٰۃ میں اصل مقصود داد و دہش ہوتی ہے اور صوم میں اصل مقصود تترہ سو ظاہر ہے کہ ان دونوں باتوں میں اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ ہے۔ رہا حج اُس کے ارکان اگرچہ مثل ارکان صلوٰۃ باعتبار اصل طبیعت بتوسط محبت انقیاد پر دلالت کرتے ہیں مگر چونکہ اُس کے افعال اصل میں مظہر شیون محبت ہیں تو وہ عموم اور اطلاق عبودیت کہاں جس پر صلوٰۃ دلالت کرتی ہے محبت ہر چند سامان اطاعت ہے مگر اُس کے بعض آثار مثل تنگ دلی وغیرت وغیرہ بسا اوقات بظاہر موہم عدم انقیاد ہو جاتے ہیں۔ علاوہ بریں اصل انقیاد اور واسطۃ انقیاد میں بہت فرق ہے، حج میں واسطۃ انقیاد ہے اور نماز میں اصل انقیاد سے علیٰ ہذا القیاس جہاد وغیرہ طاعات کو خیال فرما لیجئے لیکن در صورتیکہ در بارہ اعتبار صلوٰۃ جو اصل مقصود من الصلوٰۃ ہے چنانچہ اختصاص و اشتہار بنام صلوٰۃ بھی اُس پر شاہد ہے امام اصل ٹھہرا اور مقتدی اُس کے تابع اور اُس سے مستفید تو بحکم اتصاف بالذات ضروریات اعتبار صلوٰۃ یعنی فاتحہ جو ایک عرضی بندگان سراپا اخلاص اور استدعا مطیعان با وفا ہے اور سورت وغیرہ جو حکم نامہ الحاکمین ہے امام ہی کی جانب رہا یہی وجہ ہے جو یہ ارشاد ہوا و اذا قرء القرآن فاستمعوا له وانصتوا ہاں اگر یہ اصلیت و تبعیت نہ ہوتی تو جیسے دو منفرد اگرچہ قریب ہی قریب کیوں نہ ہوں در بارہ قراءت ایک دوسرے کا کفیل نہیں ہوتا تو یہاں بھی ایک کو دوسرے کا ضامن نہ کہتے اور یہ بھی نہیں تو کبھی الثبات ہوتا۔ مگر اس کو کیا کیجئے کہ امام کی قراءت تو سب کے نزدیک ضروری اس صورت میں تدبیر استماع و انصات بجز اس کے اور کیا ہے کہ مقتدی خاموش رہیں مگر چونکہ اصل وجہ اُس قراءت اور اس استماع و انصات کی وہی

اصلیت امام و تبعیت مقتدی ہے تو صلوٰۃ سری بھی اس قصہ میں ہمسنگ صلوٰۃ جہری نظر آتی ہے اسی بناء پر یہ ارشاد ہوا امن کان له امام فقراء الام الخ او کما قال باقی ادعیه التحیات اول تو موضوع لہ صلوٰۃ نہیں فقط مقتضائے کرم ہوا ہے پر یہ بھی اجازت ہو گئی کہ جیسے ہماری مرضی کے موافق دعا کی ہے اپنی مرضی کے موافق سوال کرتے چلو۔ دوسرے حاجات مخصوصہ میں اختلاف ضروری ہے اس لئے سبھی کو اُن کی اجازت ہو گئی۔ علیٰ ہذا القیاس بہ نسبت حاجت میت اختلافات خیالات ممکن علاوہ بریں صلوٰۃ جنازہ اپنے لئے دعا نہیں اور کے لئے ہے یعنی از قسم شفاعت ہے اور ظاہر ہے کہ شفاعت میں تکثر اور تعدد زیادہ کارگر ہے اس لئے دُعا صلوٰۃ جنازہ میں بھی سب شریک رہے ہیں ربی حدیث عبادۃ جو وجوب قرأت فاتحہ علی المقتدی پر دلالت کرتی ہے اول تو اُس کے ثبوت میں کلام دوسرے اگر ہے بھی تو حسن ہے صحیح نہیں اور اگر بعض محدثین کی تقلید کیجئے اور صحیح ہی رکھئے تو آیت مذکورہ کے معارض نہیں ہو سکتی اُس کی وجہ سے مفہوم آیت میں تاویل کرنے یا تخصیص کرنے جس کا حاصل وہ نسخ ہے زیبا نہیں اُسی کو آیت سے منسوخ کہیں تو زیبا ہے ہاں نسخ بے وجہ سے نسخ موجب زیادہ دل نشین ہوتا ہے اس لئے یہ گزارش ہے کہ جیسے احکام مختلفہ الماہیات میں تدریج ملحوظ رہی ہے یعنی صلوٰۃ و زکوٰۃ اول فرض ہوئی پھر جہاد پھر صوم پھر حج ایسے ہی ایک ایک حکم کو دیکھئے تو اکثر احکام میں یہی تدریج نکلے گی خاص کر صلوٰۃ چنانچہ حدیث حضرت معاذ بھی جو ابو دلو میں دربارہ تحول احوال صلوٰۃ مروی ہے اس پر شاہد ہے اور اول اول سلام و کلام کا جائز ہونا پھر بیجہ نزول قومو اللہ فالعن اُن کا ممنوع ہونا بھی اسی طرف مشیر ہے سو بعد غوریوں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے تعمیر مکان سے پہلے مادہ تعمیر و سامان عمارت یعنی اینٹ چونا کٹڑی وغیرہ فراہم کیا جاتا ہے اور اُس وقت نہ وہ ترتیب ملحوظ ہوتی ہے جو وقت تعمیر پیش آتی ہے چنانچہ بسا اوقات کڑیاں اور ہتیر اینٹوں اور پتھروں سے پہلے خرید لیتے ہیں اور وہ پتھر اور اینٹیں جو سب سے اوپر لگائی جاتی ہیں

سب سے پہلے آجاتی ہیں اور نہ اُس وقت فصل بالا جنبی سے کچھ احتراز ہوتا ہے کوئی چیز کہیں پڑی ہے تو کوئی کہیں پر بیچ میں سینکڑوں وہ چیزیں ہوتی ہیں جو وقت تعمیر بدستور سابق اُن کا بیچ میں فاصل اور حائل رہنا گوارا نہیں ہوتا ایسے ہی قبل تکمیل کا صلوٰۃ اول مادہ صلوٰۃ یعنی ارکان صلوٰۃ کی تعلیم کے لئے جب ہیئت مجموعی کا زمانہ آیا تو امور لاحقہ کی ممانعت ہوگئی۔ مگر جیسے باعتبار طول ایک ہیئت مجموعی ہے ایسے ہی باعتبار عرض یعنی اتحاد صلوٰۃ امام و مقتدی ایک ہیئت مجموعی ہے سو قبل اہتمام ہیئت مجموعی غرض اول تو یہ حکم تھا لا صلوٰۃ الا بفاتحة الكتاب و سورة چنانچہ انشاء اللہ ترمذی وغیرہ۔ کتب حدیث میں یہ روایت ملے گی اور جب اہتمام ہیئت مشار الیہ شروع ہوا تو مقتدیوں کے ذمہ سے اول یہ وجوب سورت ساقط کیا گیا بلکہ امام کو نائب خداوندی قرار دے کر اُسی کے ذمہ یہ بار رکھا کیونکہ اصل غرض ضم سورت سے جواب سوال اهدنا الصراط المستقیم ہے اس لئے سورت منضمہ بمنزلہ حکم نامہ احکم الحاکمین ہے اور چونکہ وہ وحدۃ لا شریک لہ ہے تو ایک نائب اس باب میں کافی نظر آیا البتہ فاتحہ اصل میں عرضی بندگان سراپا اخلاص تھی اور اُن کی تعداد نہیں تو ایک کا نائب کثیر ہونا کسی قدر دشوار معلوم ہوتا تھا اس لئے حدیث عبادہ میں باستثناء فاتحہ قرأت سے ممانعت فرمائی گئی اُس کے بعد بتدریج امام کی نیابت کو ترقی ہوئی بندوں کی طرف سے اس کو نائب بنایا گیا اور کیوں نہ ہو جب خدا کا نائب ہو چکا تو بندوں کی نیابت میں کیا دشواری رہ گئی اختلاف مطالب ہوتا تو ایک وقت سب کی طرف سے گزارش اور سب کی نیابت دشوار تھی جب معروض واحد ہے اور مطلب سب کا ایک ہے تو پھر کیا دقت رہی یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ قبلہ اور مقتدیوں کے بیچ میں اُس کو جگہ ملی تاکہ یہ اُس کا بین بین ہونا اس کو اس بین بین ہونے پر دلالت کرے جس پر اُس کی نیابت طرفین دلالت کرتی ہے علاوہ بریں رکوع و سجود وغیرہ ارکان میں امام کا شریک مقتدی ہونا نیابت عباد کو زیادہ صحیح ہے اس وقت حدیث من کان له امام وغیرہ اور آیت و اذا

قری القرآن کا نمبر معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم مگر اس عروج کے بعد جس پر نیابت خداوندی دلالت کرتی ہے یہ نزول جو مقتضائے نیابت عباد ہے بعینہ ایسا ہے جیسا رسول اول نائب خدا ہو کر آتا ہے یہاں اگر حسب استدعا امت کچھ عرض کرتا ہے تو ادھر کی نیابت کا کام کرتا ہے اور یایوں کہتے کہ سورت منضمہ تو ایک خدائے واحد کا پروانہ ہے پر فاتحہ ہر ہر واحد کی عرضی ہے علاوہ بریں وجہ اشتمال مضامین حمد و ثناء سبحانک سے زیادہ تر مشابہ سوا اگر یہ خیال کیجئے کہ بطور معروضات رعیت ایک شخص سب کی طرف سے معروض معلوم عرض کر لے گا تو اشتمال مذکور اور تعداہل غرض کا بھی خیال چاہئے اور ظاہر ہے کہ بخیاں اشتمال مذکور و خیال تعداہل غرض ہر ایک کا فاتحہ پڑھنا مناسب نظر آتا ہے ادھر یہ حکم آچکا تھا کہ لا صلوة الا بفاتحة الكتاب اور دربارہ مقتدی تصریح کچھ ہوئی نہ تھی اس لئے مقتضائے احتیاط نبوی یہ ہوا کہ تا صدور حکم مصرح مقتدیوں کو فاتحہ کا ارشاد کیا جائے اس لئے بیان وجہ استثناء کے لئے بطور احتیاط حدیث عبادہ میں یہ فرمایا فانہ لا صلوة الخ او کما قال۔ ان دونوں توجیہوں میں سے جو کسی جس کسی کو پسند آئے اُس کو اختیار ہے پر توجیہ اخیر احکام دین کے حق میں زیادہ تر مناسب ہے کیونکہ اس صورت میں احکام اصلیہ میں تعارض نہ ہوگا اگر ہوگا تو احکام احتیاطیہ میں ہوگا اور اس لئے خدا کی طرف سے نسخ کی نوبت ہی نہ آئے گی جو یہ خدشہ ہو کہ نسخ گوجائز ہو پر خلاف اصل ہے تا مقدور اُس سے احتراز مناسب ہے مگر ہر چہ بادا باد اس طور سے رکھئے تو ہر ایک حکم بجائے خود موجب ہو جاتا ہے اور نسخ موزوں نظر آتا ہے ورنہ بہ مقابلہ آیت مذکورہ یہ حدیث تو کیا فقط جملہ لا صلوة الا بفاتحة الكتاب بھی لائق امتثال نہیں یہ مطلب نہیں کہ احادیث صحیحہ معارض قرآنی ہوتی ہیں بلکہ اختلاف زمان سے اگر قطع نظر کیجئے تو یہ ممکن مادی نہیں کہ زمانہ حکم واحد ہو اور پھر حدیث صحیح معارض قرآن ہو بلکہ غرض یہ ہے کہ اگر بالفرض یہ حدیث بھی معارض ہوتی تو یہ بھی بہ مقابلہ قرآن شریف واجب البرک تھی مگر اس کو کیا کیجئے کہ یہ حدیث اصلاً

معارض نہیں حاصل منطوق حدیث مذکور یہ ہے کہ ایک صلوٰۃ کے لئے ایک فاتحہ چاہئے سو باعتبار طول ایک رکعت ایک صلوٰۃ ہے ہر رکعت میں فاتحہ ضروری ہوئی اور باعتبار غرض صلوٰۃ امام و مقتدی صلوٰۃ واحد ہے یہاں بھی ایک ہی فاتحہ کافی ہوگی الغرض احادیث مذکورہ میں سے حدیث عبادۃ کو باعتبار منطوق قرآن سے متعارض ہو مگر بوجہ اختلاف زمان جس پر شہادت فطرت سلیمہ موجود ہے تعارض نہیں کیونکہ تعارض کے لئے وحدت زمان بھی ضرور ہے جو منجملہ ہشت وحدات تناقض ہے اور حدیث لا صلوٰۃ الا بفاتحة الكتاب میں باعتبار منطوق بھی تعارض نہیں گواہی ظاہر کو معلوم ہوتا ہو البتہ تعارض فاقروا کا کھٹکا ہنوز باقی ہے اُس کی مدافعت کے لئے یہ گزارش ہے کہ قرأت باعتبار صلوٰۃ مطلوب ہے اور بحکم بعض مقدمات معروضہ ضروریات صلوٰۃ کی ضرورت مصلیٰ بالذات اور اس وصف کے موصوف بالذات کے ہوگی اس لئے مخاطب فاقروا سوائے امام و منفرد اور کوئی نہیں ہو سکتا اور کیونکر ہوں بدالالت سیاق و سباق مخاطب فاقروا مصلیٰ ہیں اور اطلاق مصلیٰ موصوف بالذات بالصلوٰۃ پر تو حقیقی ہے اور موصوف بالعرض پر مجازی کیونکہ وہ واقع میں موصوف ہی نہیں ہوتا اس صورت میں فاقروا میں مقتدی داخل ہے نہ ہوں گے جو اخراج کی ضرورت پڑے بلکہ مدرک رکوع کا بالا جماع اس حکم سے سبکدوش ہونا اسی کی تفسیر ہے کہ مقتدی حقیقت میں مصلیٰ ہی نہیں اور اس لئے فاقروا کے مخاطب فقط امام و منفرد ہیں مقتدی نہیں اور یہی وجہ ہوئی کہ قیام اُس پر فرض نہ ہوا کیونکہ قیام بوجہ قراءت مطلوب تھا۔ جب قراءت ہی اُس کے ذمہ نہیں اور نہ وہ حکم قراءت کا مخاطب تو پھر مطالبہ قیام بے سود ہے اس کے بعد اس تاویل کی کچھ حاجت نہیں کہ لاکثر حکم الکمل تین فرضوں میں سے دو کا ادا ہو جانا بھی کافی ہے علاوہ بریں اگر یہ بذریعہ قابل استماع ہو تو قیام اور رکوع و سجدہ واحد بھی کافی ہوا کرے علیٰ ہذا القیاس قیام اور دو سجدوں سے نماز ہو جایا کرے اس وقت نہ دونوں آیتوں میں تعارض باقی رہتا ہے اور نہ اعتراض ظہیر حدیث بوجہ تخصیص دربارہ

فرضیت قراءت علی الامام والمفسر وقادح ہو سکتا ہے اگرچہ جواب اعتراض مذکور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آیت فاقروا در بارہ قرأت خاص ہے اور عموم و خصوص بعض اگر ہے تو باعتبار مخاطبین ہے اس لئے اگر قطعیت مبدل بظہیت ہوگی تو در بارہ تعین مخاطبین ہوگی نہ در باب قراءت پر جیسے بدالات حدیث صید جس میں احتیاط پر نظر کر کے اس صید کو حرام کر دیا ہے جس کے اصطیاد میں اور کتاب بھی شریک ہو جائے ایسے ہی بوجہ احتیاط اُن لوگوں پر قراءت فرض رہے گی جن کا حکم قراءت سے خارج ہونا کسی دلیل سے ثابت نہیں ہوا اگر حرمت مستحق احتیاط ہے تو فرضیت بھی یہ استحقاق رکھتی ہے جو بالجملہ نہ آیت فاقروا اور آیت اذا قرأ القرآن میں تعارض ہے اور نہ حدیث لا صلوة الا بفاتحة الكتاب وغیرہ احادیث دالہ علی وجوب قراءت الفاتحة اور آیت میں تعارض ہے ہاں البتہ حدیث عبادۃ اور آیت اذا قرأ القرآن میں باعتبار منطوق تعارض ہے پر بلحاظ اشارات مذکورہ حدیث مذکور کا تقدم اور آیت کا تاخر بہ نسبت تقدم آیت و تاخر حدیث زیادہ تر چسپاں ہے پھر اُس پر حدیث کی صحت میں کلام ادھر قائمان وجوب قراءت فاتحہ علی المقتدی کو دیکھا کہ فکر تعمیل آیت سے غافل نہیں صحابہ کرام میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور آئمہ فقہ میں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو ایجاب فاتحہ علی المقتدی میں زیادہ تشدد ہے۔ مگر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تو تتبع سکات امام کا ارشاد فرماتے ہیں اور حضرت امام شافعی کے مقلدوں کو دیکھا کہ امام بعد فاتحہ دیر تک ساکت کھڑا رہتا ہے اُس وقت مقتدی فاتحہ پڑھتے ہیں سو اس کے کہ تتبع سکات امام اور سکتہ طویلہ بین الفاتحہ والسورۃ کو ایک تجویز اضطراری کہئے اور کیا کہئے حدیثوں میں مرفوعا تو شاید کہیں یہ دلوں باتیں نہ ہوں اگر یہ تجویز بہ لحاظ آیت مذکور نہیں تو اور کیا ہے جس صورت میں آیت مذکورہ قائمان وجوب فاتحہ علی المقتدی کے نزدیک بھی واجب التعمیل ٹھہرے اور خود اُن کی تجویز غیر مروی تو اس صورت میں یہی بہتر نظر آتا ہے کہ حدیث من صلی صلوة الخ وغیرہ کی طرف رجوع کیا جائے

اوروں کی تجویز سے تو اُس کی بہتری ہی ہوگی اور کیوں نہ ہو اَوَّل تو اُس بارہ میں احادیث مرفوع الاسناد اور بھی موجود ہیں چنانچہ امام محمد کی مؤطا میں موجود ہے اور اگر اسی روایت پر قناعت کی جاوے اور اُس سے قطع نظر کی جاوے کہ قوت درایت قوت روایت سے مقدم ہے چنانچہ ان شاء اللہ تعالیٰ واضح ہو جائے گا موقوفاً تو اُس کی صحت میں کلام ہی نہیں پھر باوجود اشتہار نص لا صلوة الا بفاتحة الكتاب حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد ہے اس کے متصور ہی نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوا احتمال اجتہاد بے تاویلات رکیکہ چسپاں نہیں ایسے حدیث موقوف بھی مرفوع کے حکم میں ہے علاوہ بریں اُمرا اگر اجتہاد ہی تھا تو ایسا تھا کہ باب زر باید نوشت یعنی جب امام در بارہ صلوة موصوف بالذات ہو تو پھر مقتدی پر بار قراءت بے موقع نظر آیا اور اُس کے ساتھ آیت اذا قرئ القرآن کو مانع قرأت دیکھا اور آیت فاقروا کو اُس کے موافق پایا مخالف نہ پایا اور حدیث عبادہ کو بوجہ تدریج مشار الیہ منجملہ احکام سابقہ سمجھا ان سب باتوں کے لحاظ کے بعد اس اجتہاد کو غلط کہنا مناسب نہیں ہاں کسی نص کا تعارض ایسا ہوتا کہ اُس کی مدافعت کی کوئی صورت ہی نہ ہوتی تو البتہ محل تامل تھا اس وقت تو غور سے دیکھئے تو حدیث عبادہ اور آیت اذا قرئ القرآن کا تعارض ایسا ہے کہ بے تجویز تنبیح سکتا یا سکتے طویلہ مشار الیہا اُس کی مدافعت کی کوئی تدبیر نہیں اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں تجویزیں غیر مروی باقی روایت مرفوع اُس کے کسی طریقہ میں کلام ہے تو ایسے کلام تو حدیث عبادہ میں بھی موجود ہے محمد بن اسحاق کی تعدیل اگر کسی نے کی تو اُن کا کہا قول فیصل نہیں ہو سکتا روایت کا حال اَوَّل تو مشاہدہ افعال سے مبرع ہوتا ہے اُس میں اختلاف ہو تو وہ درحقیقت اختلاف انتزاع ہے۔ اور تعارض ظن و تخمین ہے اگر مراتب انتزاع میں سب برابر ہیں تو بشرط تساوی مشاہدہ اعتبار میں بھی سب برابر ہوں گے اُن کے بعد جو کوئی کہے گا انہیں کے حوالے سے کہے گا جس کسی کو متاخرین میں سے منجملہ آئمہ جرح و تعدیل کسی کا اعتقاد زیادہ ہوا اُس نے اُسی کا

اتباع کیا ایک کا اعتقاد دوسرے کے حق میں واجب الملحاظ نہیں جو اُس کا قول فیصل سمجھا جائے یہ بات درایت میں متصور ہے یعنی اگر کسی نے بنائے احکام کا پتہ لگا دیا جیسا بشرط انصاف اور اراق معروضہ میں ہوا ہے تو پھر ہر حکم ٹھکانے لگ جاتا ہے اور اس لئے اُس کا قول فیصل ہو جاتا ہے پھر اگر حدیث عبادہ اور طرق سے مروی ہے تو حدیث من صلی بھی باللفظ یا بالمعنی اور طرق سے مروی ہے امام محمد رحمہ اللہ کی موطا کو مطالعہ فرمائیے گا اُس میں بعض طرق ایسے بھی نکلیں گے ان شاء اللہ کہ علی شرط الشنخین ہوں اور یہ بات سراسر تعصب اور نا انصافی کی ہے کہ امام محمد اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہما کا روایت میں اعتبار ہی نہ کیا جائے اگر روایت میں فقہاء کا اعتبار نہیں تو اوروں کا بدرجہ اولیٰ نہ ہوگا۔ کیا کہئے اس ویرانہ میں مواد کتب حدیث کا بالکل پتہ نہیں اور دیوبند اور سہارن پور میں اگر بعض کتابیں ہوں بھی تو یہاں سے دور علاوہ بریں کچھ بوجہ تو اثر امراض ناتوانی کچھ قدیم کی تن آسانی کتاب دیکھنی ایک موت ہے ورنہ اس باب میں بھی کچھ لکھتا بنا چاری اپنے ہی خیالات پر اکتفا کرتا ہوں میرے احباب تو بوجہ حسن ظن و محبت تحقیقات دانشمندانہ سمجھیں گے پر اور لوگ شاید ان خیالات کو خیالات شاعرانہ سمجھیں اس لئے لکھنے کو بھی جی نہیں چاہتا مگر دنیا با اُمید قائم یوں سمجھ کر کہ شاید آپ کو یہ مشرب موافق مزاج نظر آئے کچھ تو لکھ چکا ہوں اور کچھ اور لکھتا ہوں۔ سنئے شاید تقریرات گذشتہ کو سن کر کسی کو یہ خیال ہو کہ اگر امام موصوف بالذات ہے اور اس وجہ سے امام اور مقتدیوں کی نماز واحد ہے تو مقتدی کے ذمے طہارت اور ستر عورت اور استقبال قبلہ اور رکوع و سجود بھی نہ ہونا چاہئے۔ یہ بار بھی امام ہی کے سر رہا ہوتا ادھر ہر سجا تک اور تسبیحات اور التحیات اور درود دعا اور تکبیر و تسلیم بھی جس درجہ میں مطلوب ہیں اُسی سے مطلوب ہوتیں اس لئے یہ گزارش ہے کہ عروض وصف کے لئے یہ ضرور ہے۔ کہ معروض یعنی موصوف بالعرض احاطہ موصوف بالذات سے خارج نہ ہو دریا میں بھی کہیں ہونا استفادہ حرکت سفینہ کے لئے کافی نہیں اُسی کے احاطہ

میں ہونا ضرور ہے شعاعوں کے نور سے مستفید ہونے کے لئے بعد مجرد میں سے کیف ما اتفق کہیں رہنا کافی نہیں انہیں کے احاطہ میں رہنا ضرور ہے ایسے ہی امام سے استفادہ صلوٰۃ کے لئے کہیں ہونا کافی نہیں اُسی کے احاطہ صلوٰۃ میں ہونا ضرور ہے مگر امام کے ہر قول و فعل سے نمایاں ہے کہ وہ بقدر وسعت حال ادھر سے غائب ہو گیا اور خدا کی درگاہ بے نہایت میں حاضر ہے۔ خطاب سبحانک اور سوال اھدنا الصراط المستقیم اور دست بستہ کھڑا ہونا پھر کبھی جھکنا اور کبھی سر رکھ دینا بدرجہ کمال اس حضور پر دال ہیں یہی وجہ ہے کہ اختتام صلوٰۃ پر سلام کو رکھا گیا۔ کیونکہ انقطاع غیبت فی الجملہ پر جب سلام مسنون ہوا تو اس غیبت کبریٰ کے انقطاع کے بعد سلام کیوں نہ مشروع ہوگا اس سے زیادہ اور کون سی غیبت ہوگی کہ عالم امکان سے غائب ہو کر عالم وجوب میں پہنچا بالجملہ امام وقت نماز دربار خداوندی میں حاضر ہوتا ہے اس صورت میں کسی حال میں کہیں ہونا تو کیا اُس درگاہ بے نہایت میں بھی امام سے علیحدہ ہو کر حاضر ہونا کافی نہیں ہے وہ درگاہ تو بے نہایت ہے دریا سب متناہی ہیں جب اُن میں خارج از احاطہ سفینہ ہونا کافی نہیں تو بارگاہ غیر محدود رب معبود میں کہیں ہونا کیا نافع ہوگا اُسی کے احاطہ میں اور اُسی کے ساتھ ہونا چاہئے یہی وجہ ہوئی کہ نیت اقتداء ضرور ہے یعنی بمقتضائے اتصاف بالعرض نیت اقتداء مقتدی کے ذمے ضروری ہے اس صورت میں مقتدی کو بھی حضور دربار خداوند عالم ضرور ہے مگر حضور دربار حکام مجازی اور شاہان دنیا کو یہ لازم ہے کہ حاضر ہونے والا نہادھو کے لباس درست کر کے وہاں پہنچے تو منہ اُدھر کو ہو آداب دربار بجالائے حاضران دربار خداوندی کے ذمے یہ کیوں نہ ہوگا کہ پہلے پاک صاف ہو لے لباس مناسب پہنے پہنچے تو روئے نیاز اُدھر کو رہے اپنے اپنے موقع پر آداب مناسب بجالائے الغرض یہ امور جو مقتدی کے ذمے واجب ہیں تو بمقتضائے وصف صلوٰۃ نہیں ورنہ لازم تھا کہ بمقتضائے حکم لا صلوٰۃ اَوَّل سے آخر تک سوائے فاتحہ کچھ نہ پڑھا جاتا۔ بلکہ وجوب علی المقتدی یا استحباب بہ مقتضائے وصف حضور ہے

اور میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ یہ دونوں اعتبار متغائر ہیں گو ایک ہی مصداق پر عارض ہوں اور اگر یہ خیال کیا جائے کہ اصل صلوٰۃ قراءت معبودہ ہے اور رکوع وسجود وغیرہ ملحق بالصلوٰۃ ہے تو اتحاد مصداق بھی نہیں رہتا الحاصل یہ دونوں اعتبار متغائر ہیں اور ہر ایک کے آثار اور مقتضیات جُدا جُدا ہیں کہ حضور میں دونوں برابر ہیں تو اُس کے آثار بھی مشترک رہیں گے اور صلوٰۃ میں امام منفرد ہے تو قراءت جو اُس کے مقتضیات میں سے ہے امام ہی کے ساتھ خاص رہے گی اور نیت اقتداء جو مقتضیات استفادہ اور اتصاف بالعرض میں سے ہے مقتدی کے ساتھ مخصوص رہے گی اور چونکہ موصوف بالذات کو معروضات سے استغناء لازم ہے تو اُس کے ذمے نیت امامت نہ ہوئی اور اُس وقت یہ استبعاد بھی مندفع ہو جائے گا کہ سبحانک اور تسبیحات اور التحیات تو مقتدی کے ذمہ رہیں حالانکہ فی حد ذاتہ چنداں ضروری نہیں اور قراءت جو بمقتضائے آیت فاقروا ضروری ہے بالخصوص فاتحہ جس کی ضرورت پر نص قاطع لا صلوٰۃ الا بفاتحة الكتاب موجود ہے اُس کے ذمے نہ رہے اور عام طور پر اس مضمون کو بیان کیجئے تو پھر اُس کی یہ صورت ہے کہ آداب دربار اور سلام تو سبھی حاضران دربار بجالایا کرتے ہیں پر عرض مطلب کے وقت اور استماع جواب کے لئے کوئی ایک ہی آگے بڑھا کرتا ہے اور کسی لائق ہی کو آگے بڑھایا کرتے ہیں۔ اسی طرح اگر سبحانک اور تسبیحات اور التحیات اور تکبیرات سب بجالائیں اور قراءت جو درحقیقت عرض مطلب ہے یا ادھر کا جواب فقط امام ہی کے ذمے رہے تو کیا بے جا ہے اس صورت میں بھی امام کی افضلیت کے محمود اور مطلوب ہونے کی وجہ معلوم ہو جاتی ہے اس سبب گزارش کے بعد یہ گزارش ہے کہ حسب ارشاد فان تنازعتم فی شئ فردوه الی اللہ والرسول ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الآخر ذلک خیر و احسن تاویلا ترک قراءت خلف امام قراءۃ فاتحہ سے خیر اور احسن معلوم ہوتا ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ہم سے کم فہموں کو جتنا ترک قراءت قواعد مقررہ شرع پر منطبق معلوم

ہوتا ہے اتنا قرآنہ خلف الامام کو منطبق نہیں پاتے البتہ حامیان قرآنہ خلف الامام اسباب میں اگر بول سکتے ہیں تو اتنا ہی بول سکتے ہیں کہ روایت قرآنہ فاتحہ روایات ترک قرأت فاتحہ سے اقویٰ ہے۔ اگر اول تو یہ دعویٰ غیر مسلم اہل انصاف تو عجب نہیں کہ اس بات کو تسلیم نہ کریں اور اگر بالفرض اس بات کو تسلیم ہی کیجئے تو اس کو عمل بالا حوط کہنا چاہئے از قسم ردو الی اللہ والرسول نہیں اور ظاہر ہے کہ عمل بالا احتیاط اسی وقت تک ہے جب تک حقیقت حال معلوم نہ ہو اگر حقیقت الامر منکشف ہو جائے تو پھر احتیاط کے لئے موقع ہی نہیں رہتا۔ اس جا سے یوں ہی سمجھ میں آتا ہے کہ قوت روایت باعتبار درایت قوت سند سے بڑھ کر ہے یہی وجہ معلوم ہوتی ہے فقہاء کا سند میں زیادہ اعتبار ہوا اور کیوں نہ ہو روایت بالمعنی اکثر ہوتی ہے اور اس میں فہم ہی کی زیادہ ضرورت ہے۔ بالجملہ باعتبار درایت تسخ قراءت مقتدی زیادہ موجب ہے پھر اس پر تعارض آیت و اذا قرئ القرآن انخ سے قوت باعتبار سند بھی تارکان قرأت ہی کی طرف رہی۔ اس پر بھی امام ابو حنیفہ پر طعن کئے جائیں اور تارکان قرأت پر عدم جواز صلوٰۃ کا الزام ہوا کرے تو کیا کیجئے زبان قلم کے آگے کوئی آڑ نہیں دیوار نہیں پہاڑ نہیں۔ ہم کو دیکھئے باوجود تو جہات مذکورہ اور استماع تشیعات معلومہ فاتحہ پڑھنے والوں سے دست و گریبان نہیں ہوتے بلکہ یوں سمجھ کر کہ ہم تو کس حساب میں ہیں امام اعظم بھی باوجود عظمت و شان امکان خطا سے منزہ نہیں کیا عجب ہے کہ امام شافعی علیہ الرحمۃ ہی صحیح فرماتے ہوں اور ہم ہنوز ان کے قول کی وجہ کو نہ سمجھے ہوں اس امر میں زیادہ تعصب کو پسند نہیں کرتے۔ پر جس وقت امام علیہ الرحمۃ کی توہین سنی جاتی ہے دل جل کر خاک ہو جاتا ہے اور یوں جی میں آتا ہے کہ ان زبان درازیوں کے مقابلہ میں ہم بھی لن ترانیوں پر آجائیں اور دو چار ہم بھی سنائیں پر آیت و اذا خاطبهم الجاهلون قالوا سلاما و اذا مروا باللغو مروا کراما اور احادیث منع نزاع مانع ہیں۔

تمام شد

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین.

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 قَالَ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ
 اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ

بُیُوتِ کَلَامِ

ف

الْأَرْضَاتِ خَلْفَ الْأَيْمَانِ

از حضرت عالم ربانی امام محمدانی تاج الاصفیاء والاذکیاء مولانا حاجی
 حافظ محمد قاسم صاحب ناٹو لوی

جس کو خودی، سید احمد انک کتب خانہ عزازہ دیوبند نے باہتمام خاص

کتابخانہ اعلیٰ ازبکستان
 کتابخانہ اعلیٰ ازبکستان
 کتابخانہ اعلیٰ ازبکستان

مؤلفہ کرم بیگم اقبال شمس، قیمت ۲۰

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله رب العالمین الرحمن الرحیم مالک يوم الدين، اياك نعبد و اياك نستعين اهلنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیهم غیر المغضوب علیهم ولا الضالین۔ امین۔ اللہم صل علی سیدنا محمد النبی الامی وارزقہ امہات المؤمنین وذریئہ و اهل بیتہ کما صلیت علی سیدنا ابراہیم انذہ حمید مجید۔ بعد حمد و صلوٰۃ اول چند باتیں عرض کرتا ہوں اُسکے بعد مطلب علی عرض کروں گا۔ اول تزیہ گزارش ہو کہ اوصاف دو طرح کے ہوتے ہیں ایک تو بالذات دوسرے بالعرض مگر اوصاف بالعرض حقیقت میں وہی اوصاف موصوف بالذات ہوتے ہیں جو بوجہ ارتباط باہمی موصوف بالعرض کی طرف مجازاً منسوب ہو جاتے ہیں چنانچہ مشاہدہ احوال کشتی و جالساں کشتی سے واضح ہے غرض یہ بات قابل لحاظ ہو کہ اس صورت میں وصف واحد ہوتا ہے پر موصوف متعدد کوئی موصوف بالذات کوئی موصوف بالعرض پھر موصوف بالعرض بھی ایک موصوف بالذات کیلئے متعدد ہو سکتے ہیں اور اسی تقریر سے یہ بھی واضح ہو گیا ہو گا کہ ضروریات و وصف کی ضرورت فقط موصوف بالذات کو ہو گی البتہ آثار و وصف موصوف بالعرض کی طرف وصف کیساتھ آجیگے یہی وجہ ہے کہ اسباب ہجرہ کی فقط کشتی کو ضرورت ہے البتہ تبدیل اوضاع جو آثار حرکت میں سے ہے کشتی کی حرکت کی بدولت مثل کشتی، کشتی نشین کو بھی ہستہ آ جاتا ہے۔ گزارش ثانی یہ ہے کہ لفظ دال علی الوصف سے حقائق شناسوں کے نزدیک موصوف بالذات ہی مراد ہو گا ہاں اگر کوئی قریبہ صارف ہو تو اسوقت موصوف بالعرض بھی مراد لے سکتے ہیں۔ عرض ثالث یہ ہو کہ جیسے ایک چیز کو باعتبار مختلف معنی اور مدلول اور موضوع اور منہوم وغیرہ کہہ سکتے ہیں یا ایک شخص کو باعتبار مختلف باپ بننا چچا بھتیجا وغیرہ کہہ سکتے ہیں ایسی ہی نماز کو باعتبار مختلف صلوٰۃ ذکر طاعت عبادت کہہ سکتے ہیں۔ مگر جیسے معنی و مدلول وغیرہ اسماء یا باپ بننا وغیرہ القاب کے لئے اعتبارات جُددے جُددے ہیں اور آثار جُددے جُددے مثلاً باپ کے لئے تعظیم ہے اور بیٹے کے ذمہ طاعت و خدمت ایسے ہی نماز کے اسماء و القاب میں خیال کرنا ضرور ہے۔ عرض رابع یہ ہے کہ جیسے سائلوں کے معجز و نیاز و آداب و تعظیم و دعا و ثنا کو بایں وجہ کہ بغرض سوال ہوتے ہیں یا انجلیح سوال کے بعد سوال پر متفرع ہوتے ہیں، سب از قسم سوال سمجھے جاتے ہیں یا پلہ لکڑی وغیرہ سامان پخت و پز کھانے پینے کی مدین لکھے جاتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ سب کے دام لگا کر یوں کہا کرتے ہیں کہ کھانا اس ہیسے میں اتنے میں پڑا کھانے میں اتنا صرف ہوا۔ ایسے ہی نماز کے اُن افعال کو جو باعتبار ذات افعال اعتبار صلوٰۃ کے لئے اُن کا دھنسل کرنا حقیقت شناس روا نہیں رکھ سکتا بایں نظر کہ مقصود اصلی اُن سے وہ اعتبار صلوٰۃ ہے یعنی اُسکے سامان

یا اسپر متفرع ہی یعنی اُنکے آثار میں داخل صلوٰۃ سمجھنا لازم ہے۔ مگر جیسے پہلے لکڑی کو باوجود لمبوت کو کرنا نہ وہاں رکھ سکے ہیں جہاں کھانے کو رکھتے ہیں اُن کے لئے اگر صحن یا کوٹھڑی ہے تو اُن کیلئے دیگ، رکابی وغیرہ اور ذیہ آثار اُن پر بذات خود متفرع ہوتے ہیں جو کھانے پر متفرع ہوتے نہ اُن میں وہ مزاج ہے نہ راحت روح افزا ہے ردی وغیرہ کو پانی تو لے گھرنے دھونے وغیرہ کی حاجت، اور لکڑی اُپلے وغیرہ کو آفتاب کی ضرورت توڑنے پھوڑنے وغیرہ کی حاجت ایسے ہی افعال صلوٰۃ وطمعنا صلوٰۃ کو باہم متعارف سمجھئے اور اگر اس سے بھی زیادہ روشن مثال کی ضرورت ہو تو جسے رعایا کو بغرض عرض مطلب استماع احکام شاہانہ دربار شاہی میں جانے کی ضرورت ہوتی ہے اور اسوجہ تمام آداب تعلیمات جو وقت حضوری دربار بجالاتے جاتے ہیں سوال ہی کے میں شمار کئے جاتے ہیں مگر جیسے عرض مطلب کے لئے زبان اور استماع حکم کے لئے کان چاہئے حضوری دربار کے لئے مشقت و ثلوی دست و پا دروئے اور درستی لباس کی ضرورت، اگر حضور نہ ہوتا تو اُس کی حاجت نہ تھی اور عرض مطلب اور استماع حکم نہ ہوتا تو زبان و کان کی حاجت نہ تھی۔ یعنی ہی اعتبار صلوٰۃ کے اور احکام میں اور اعتبار حضور کے اور احکام میں۔ البتہ جیسے عرض مطلب وغیرہ بے حضور مستغیر نہیں ایسے ہی تحقیق اعتبار صلوٰۃ بے حضور مستغیر نہیں البتہ جیسے دربار کا جانا آداب کا بجالانا سبب از قسم سوال ہی سمجھے جاتے ہیں اور کیونکر نہ سمجھے جائیں حضوری دربار اسی لئے ہے بذات خود مطلوب نہیں ایسے ہی اعتبار صلوٰۃ اور اعتبار حضور کو متعلق اور متلازم خیال فرمائیے۔ عرض شجم یہ ہے کہ احکام انبیاء کرام علیہم السلام دو قسم کے ہوتے ہیں ایک تو از قسم روایت اولیٰ از قسم روایت اول میں تو احتمال خطائیں نہیں انبیاء کرام علیہم السلام صادق و صدوق ہوتے ہیں وہ دئی خدا تعالیٰ مردی عنہ اخطائے تو کہہ مرے آئے۔ ان حکم قسم ثانی میں گاہ بیگاہ خطا کا بھی احتمال ہوتا اور اسلئے احتیاط کی بھی ضرورت ہوتی ہے البتہ اتنی بات مفہوم ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی خطا کی اصلاح ضروری ہے اس دعوے پر احادیث کثیرہ شاہد ہیں پھر اس پر مرتبہ بشریت سے دور نہیں اسلئے اس میں زیادہ کج و کاوی حاجت نہیں ان پانچ باتوں کے بعد یہ گزارش کی کہ صلوٰۃ کے لئے طول تو ایک رکعت سے زیادہ نہیں چنانچہ احادیث کثیرہ مثل من ادرك ركعة من الصلوة من ادرك ركعة من الجمعة من ادرك ركعة من الجمعة من ادرك ركعة من العصر اہر شاہد ہیں۔ ورنہ تفسیر رکعت لغوی ہے اور حدیث لا صلوة الا بقائه الكتاب بعد لما ظا اس امر کے ہر رکعت میں ضرورت فائز ہے وہ جس قسم کی ضرورت ہوا شکی نوید، ورنہ ایک سلام سے جتنی رکعتیں پڑھی جایا کریں ایک ہی فائز کافی ہو کر سے آدھربخشب معراج میں بوجہ تخفیف پچاس نمازوں کے بعد فقط پانچ کارہما نا اس طرح مشہور اسباب پچاس ہونے لگتی ہیں

اور کیوں نہ ہو مقتضائے تخفیف بشہادت عقل سلیم یہی ہے اور اگر کہیں اس کے مخالف نظر آئے تو وہاں تخفیف ہی باعث تفصیل نہیں ہوتی بلکہ لحاظ کسی حسن و قبح کا بھی شریک حال ہو اس صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت و ہمت سے یہ توقع ہے کہ آپ اس سبب محبوب کو بے وجہ ترک کرتے ہوں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صلوٰۃ شب و روز کو تنبیہ کیا تو پچاس ہی رکعتیں ہوتی ہیں ہاں اگر کبھی دن کو کچھ کمی ہوئی تو رات غالباً جب نقصان فرماتے تھے اور رات کو کچھ نقصان رہ گیا تو دن کو اس کو پورا فرماتے تھے اس مہول نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھئے تو اس سے بھی یہی سمجھ میں آتا ہے کہ طویل صلوٰۃ ایک رکعت تک ہو مگر چنانچہ ضروری پچاس بار کی حاضری میں بھی گواہ ایک رکعت ہی کے لئے کیوں ہو تو تخفیف میں تقیص اوقات زیادہ ملحوظ رہی۔

علامہ بریں فقہار کا یہ ارشاد بھی کہ صبح کی ایک رکعت منے کی بھی اُمید ہو تو بطور معلوم سنت صبح کو ادا ہی کر لے کچھ بھی کہے ہے کہ وہ بھی صلوٰۃ ایک ہی رکعت کو سمجھتے ہیں یعنی جب تک ادا صلوٰۃ بالجماعت ممکن ہو سنت مؤکدہ صبح کو ترک نہ کرے دونوں فضیلتوں کو جمع کرے۔ ہاں اجتماع ممکن نہ ہو تو پھر جماعت زیادہ ضروری بائیں ہر بعد اتمام رکعت عودا رکابا بقہ بھی حکم فطرت سلیم اسی پر دال ہے کہ صلوٰۃ واحد ایک رکعت ختم ہو جاتی ہے اس صورت میں دو رکعت اور تین مین رکعت اور چار چار رکعت کو ایک صلوٰۃ کہنا باس اعتبار ہے کہ فصل بالاجنبی کی اجازت نہیں مگر جیسے اس صورت میں صلوٰۃ متعددہ کو ایک صلوٰۃ بوجہ مذکور سمجھتے ہیں ایسے ہی صلوٰۃ امام و مقتدی کو جو بدالات وجوہ لاحقہ قاعدہ ہے بوجہ تعدد مصلین متعدد سمجھتے ہیں عجمہ اول تو یہ ہے کہ فضیلت امام علی الترتیب للعلوم اس بات پر شاہد ہے کہ جیسے حرکت کشتی نشین سرعت و بطور و استقامت و استدرک وغیرہ میں تابع حرکت کشتی ہے ایسے ہی فضیلت نقصان میں صلوٰۃ مقتدی تابع صلوٰۃ امام ہے یہی وجہ ہوئی کہ امام کا اعلم فاعل و اوسع وغیرہ جو نام و سبب ہو اگر دونوں کی نمازیں جدی جدی ہوتیں اور اس امر میں ایک دوسرے سے مستقل کشتی ہوتا تو آگے پیچھے کھڑا ہونا کچھ اس بات کو مقتضی نہ تھا کہ امام ایسا ہونا چاہیئے۔ درہم بہت سے منفرد بھی اس حکم کے مخاطب ہوتے الغرض مثل کشتی و جاسا کشتی اگر امام کی طرف سے افانہ اور مقتدیوں کی طرف سے استفادہ نہیں تو یہ فضیلت امام پھر کا ہے کیلئے ہے۔ دوسری حدیث اکھام ضامن اس بات پر شاہد ہے کہ امام کی نماز قاسم ہو تو مقتدیوں کی نماز کافی لازم ہے اور مقتدی کی نماز قاسم ہو تو کسی کی نماز قاسم ہوگی اور کسی کی نماز قاسم نہ ہوگی۔

تفصیل اس اجمال کی یہ کہ ضمانت وجوب حق پر دال ہے اور ظاہر ہے کہ ادائے حق ضمانت کے اصل مدین بری ہو جاتا ہے ورنہ بار دین اُس کی گردن پر رہیگا اور مدیون اگر عوض مال بخودی ضامن کو نہ دے تو مدیون ہی کے ذمہ مطالبہ رہیگا۔ ضامن کے ذمہ کسی کا مطالبہ رہیگا اسلئے یہ ضرور ہے کہ حق ضمانت امام سے ادا نہ ہو تو

مقتدیوں کی برائت بھی منظور نہیں اور مقتدیوں کا واجب ادا نہ ہو تو امام کی برائت میں کلام نہیں غرض
 فساد نماز امام سے مقتدیوں کی نماز کا فاسد ہو جانا بھی سپر شاہد ہے کہ مثل حرکت کشتی صلوة امام مقتدیوں کی
 طرف منسوب ہو جاتی ہے اور جیسے کہ سکون کشتی سے سکون۔ البس ضرور ہے اور سکون جابس سے اسی کا
 سکون لازم آتا ہے اور وہ ننگ مقتدی نہیں ہوتا ایسے ہی دربارہ فساد یہاں بھی یہی حال ہے۔ میسر
 وجہ یہ ہے کہ جیسے بوجہ تند ہوا وغیرہ موجبات اضطراب اگر کشتی مضطرب ہوتی ہے تو جابس ان کشتی کا
 اضطراب یعنی تہ دبالا ہونا ضرور ہے اور فقط کشتی لیٹن کو اگر ہوائے تندگی تو زوہ تہ دبالا ہونہ کوئی اور
 سوا اسکے اور وجہ اسکی وہی اتحاد حرکت بطور معلوم ہے۔ اور اسی وجہ اس اضطراب و عدم اضطراب کی
 یہ سمجھ جاتے ہیں کہ ادھر سے افاضہ اور ادھر سے استفاضہ ہو ایسے ہی سہو امام سے سب پر سجدہ ہونا لازم
 آنا اور مقتدی کی سہو سے کسی پر سجدہ کا لازم نہ آنا اتحاد صلوة پر بطور معلوم دال ہے اور اس کو دیکھ کر اہل
 فہم یہ سمجھ جاتے ہیں کہ امام کی طرف سے افادہ اور ادھر سے استفادہ ہو۔ چوتھے رکوع و سجود میں تقدیم و تاخیر کا
 مقتدیوں کے حق میں ممنوع ہونا بشہادت فطرت سلیمہ سپر شاہد ہے کہ امام ہی کی نماز مقتدیوں کی طرف منسوب
 اور اس صورت میں اس محبت کی ضرورت ایسی ہے کہ جیسے آئینہ کے مستنیر ہونیکے لئے تقابل کی حاجت
 بنا بذریعہ کشتی متحرکہ ہونے کے لئے کشتی کے ذیل میں ہونے کی ضرورت ورنہ در صورت استقلال یہ ممانعت
 لغو تھی۔ پانچویں امام کے سترہ کا مقتدیوں کے حق میں کافی ہو جانا چنانچہ حدیث ابن عباس سپر شاہد ہے
 اسہدائت کرتا ہے کہ اصل مسئلہ وہ امام ہے اور مقتدی اس سے مستفیض ہیں الغرض صلوة امام و مقتدی
 بوجہ مذکورہ واحد ہے امام اصل اور موصوف بالذات ہوا مقتدی تابع اور موصوف بالعرض اور یکوں انہو
 اگر اختلاف تشکلات فرد وغیرہ امور بطوریکہ قضیہ نور القمر مستفاد من نور الشمس کا یقین ہو جاتا ہے
 تو یہاں بھی استفادہ معلوم کا یقین ضرور ہے اسلئے ضروریات اعتبار صلوة یا یوں کہئے کہ ضروریات اعتبار اتحاد
 بالذات مثل قنارت سب امام کے ذمہ ہیں گے اور ضروریات اتباع یا یوں کہئے کہ ضروریات الصاف بالعرض
 مثل نیت اعتبار سب مقتدیوں کے ذمہ اور ضروریات اعتبار خصوصیت رکوع و سجود و غیرہ دونوں میں مشترک
 شرح اس سہو کی یہ ہے کہ صلوة کو باعتبار صلوة عرض موضوع معلوم واستعمال احکام مقربہ جو قنارت فاتحہ اور
 قنارت سورۃ میں ہوتا ہے کہتے ہیں وجہ اس اطلاق تو یہ ہے کہ لفظ صلوة بملات صیغۃ اللغۃ اس جانب مشیر ہے
 کہ دعائے لسانی مقصود ہے۔ در سب جیسے فوت بامرہ وغیرہ قوی کو دیکھنے مننے وغیرہ کے لئے بنایا اور
 اسلئے یہ ورنہ قوی کے حق میں طبعی ہی ایسے ہی بملات و مَا خَلَقْتُ الْجَنَّةَ وَالْإِنسَانَ إِلَّا لِلْعِبَادَةِ
 لغویں انسان کو عبادت کے لئے بنایا اور اس وجہ سے عبادت ان کے حق میں ایک خواہش طبعی ہوگی۔ مگر

چونکہ طاعت و عبادت اُسکو کہتے ہیں کہ سماع و سجدہ کے موافق یعنی کیا رکے مگر اُس کی مرضی کا جاننا اُس کے
 بتلانے پر موقوف ہے اسلئے بالفرد بکرم شوق عبادت خدا تعالیٰ سے استدعا ہے ہایت ضرور ہوئی۔ سوال
 میں اسی استدعا اور استدعا کے جواب کی استماع کے لئے یہ فضل العبادات یعنی نماز مقرر ہوئی۔ قیام کا اسلئے
 موضوع ہونا تو خود ہی ظاہر ہے را رکوع و سجود اگر نظر سرسری سے دیکھئے تو یہ بھی مثل شنبھا ذلک اللھم
 اُس کے طمحات میں سے ہیں اگر سبھا تک بمنزلہ سلام درباری تو رکوع و سجود مثل آداب نیاز وقت انعام ہے
 یعنی جب سوال اھدنا الصراط المستقیم کے بعد سورۃ پڑھی گئی تو بدلات ذلک الیکتاب کا ثبوت
 فیہ ما ھدی للمتقین یہ معلوم ہوا کہ سائل کا سوال پڑھا اور اُسکی امید برآئی۔ اسلئے اس انعام کے
 شکر میں آداب و نیاز بجالانا اُسکے ذمہ ضرور ہوا۔ البتہ اس تقریر کے موافق یہ مناسب تھا کہ سارا قرآن
 بعد فاتحہ ہر رکعت میں پڑھا جائے کیونکہ مجموعہ کتاب کی نسبت یہ ارشاد ہے ھدی للمتقین اور شاید یہی
 وجہ ہوئی کہ بعض صحابہ نے بعض اوقات ایک رکعت میں سارا قرآن پڑھ لیا تھا مگر پانی کے ہر قطرہ کو پانی
 اور خاک کے ہر ذرہ کو خاک کہتے ہیں ایسے ہی قرآن کے ہر کلمہ کو بشرطیکہ کتاب ہونا یعنی حامل خبر یا طلب ہونا کہیں
 پایا جائے تو کتاب کہہ سکتے ہیں اسلئے بغرض تخفیف تھوڑا سا پڑھ لینا جائز رکھا۔ چنانچہ عَلَیْکُمْ لَنْ تَخْشَوْا
 قِتَابَ عَلَیْکُمْ دَفَاقِرٌ وَ اَمَّا تَسْمُرُ مِنَ الْقُرْآنِ یہ بھی ہر شاہد ہے کہ اصل یہی تھا کہ سب پڑھا جائے یا کرنا
 پر تخفیف کے باعث کسی کی اجازت ہو گئی۔ منجملہ بامتناہی حقیقت نہ وہ از قسم اندما نا از قسم دما مگر چونکہ لجام
 عظمت و شان مسؤل منہ سوال کے لئے یہ دونوں ضروری ہیں تو جیسے سامان بخت و پرملحی بالطعام ہوجاتے
 ہیں چنانچہ اوپر عرض کر چکا ہوں ایسے ہی یہ بھی ملحق باسوال ہیں اور غور سے دیکھئے تو رکوع و سجود ان دونوں
 دلالت کرتے ہیں جو بندہ سراپا اطاعت کو وقت سوال استماع مزدہ اجتماع ہونی چاہئیں یعنی سائل کو اول
 تو مسؤل منہ کی طرف میلان ضرور ہے اُس میلان ہی پر سوال متفرع ہوتا ہے چنانچہ ظاہر ہے، اور بعد
 استماع مزدہ جان بخش خاص اُس صورت میں جس میں مطلوب بلی طالب رضائے محبوب ہوا انقیاد اور امتثال
 لازم ہے اول پر تو رکوع دال ہے چنانچہ اُدھر کو ٹھکانا اور پھر بعد رکوع سمع اللھ من حمدہ کہنا اس پر
 شاہد ہے۔ ٹھکانا تو خود اس عالم شہادت میں بغیر میلان ہے اور سمع اللھ من حمدہ کہنا بے اس کے موزوں
 نہیں ہو سکتا کہ رکوع کو سوال حالی کہئے اور انتظار تو وجہ محبوب کو جس کو استماع سے تعبیر کیا کرتے ہیں اس کے
 مقتضیات میں سے قرار دیجئے اور ثانی پر سجود دلالت کرتا ہے کیونکہ منقاد کا زیر حکم منقاد ہونا اُس کے
 تسفل اور اُسکے ترفع، اُسکے تذلل اُسکے تعزیر دلالت کرتا ہے مگر چونکہ میلان فی حدنا ایک لہر واد ہے
 اور امتثال کی متعدد صورتیں جیسا حکم ہو گا ویسا ہی اُس کا امتثال ہو گا اسلئے رکوع میں وحدت اور سجود میں

تعدد مطلوب ہو یا یوں کہنے کا اصل انبیاء شوق ہے یا خوف ہے اور باعث شوق اگر اسم تافع ہے تو بموجب خوف انہم خار۔ اسلئے دو سجدے مقرر ہوئے تاکہ اطمینانہ انواع امثال پر دلالت کرے۔ بہر حال سوال قالی کے ساتھ سوال حالی بھی جمع کیا گیا تاکہ ہم نفاق پاس نہ آئے پائے مگر چونکہ سوال حالی کو باعتبار تحقیق سوال قالی سے مقدم ہو لیکن ظہور میں اُس سے متاخر ملکہ اُس کا محتاج تھا اسلئے وہ افعال جو بالطبع منظر احوال مشاء الیہ ہوں وضع سوال قالی سے مؤخر ہے مگر اس صورت میں نماز کے تمام ارکان کا استعداد و استماع کے لئے موضوع ہونا زیادہ تر روشن ہو گیا اور یہ بھی روشن ہو گیا کہ افضلیت طول قنوت غلط نہیں اور یہ بھی روشن ہو گیا کہ جیسے ایمان یاس وجہ کہ وہ نیت ایک عام اور عزم انبیاء مطلق ہے تمام اعمال سے افضل ہے حالانکہ ہر عمل میں نیت خاص کا ہونا ضرور ہے ایسے ہی صلوة بایں جہ کہ اُس میں استعداد ہدایت مطلقہ اور اظہار امثال مطلق ہوتا ہے جملہ عبادات افضل ہو اور کیوں نہ ہو زکوٰۃ و صوم تو قطع نظر اس سے کہ ایک امثال خاص میں اصل میں عبادت ہی نہیں بوجہ الحاق امثال امر عبادت نباتے ہیں ورنہ لازم آئے کہ خدا تعالیٰ سب میں زیادہ عابد ہو کیونکہ زکوٰۃ میں اصل مقصود داد و دہش ہوتی ہے اور صوم میں اصل مقصود تنزہ۔ سو ظاہر ہے کہ ان دونوں باتوں میں خدا تعالیٰ سب سے زیادہ ہے۔ راجح اس کے لگنا اگر ہم مثل رکعت باعتبار اصل طبیعت توسط محبت انبیاء پر دلالت کرتے ہیں مگر چونکہ اُس کا فعال اصل میں مظہر شہیون محبت ہیں تو وہ عموم اور اطلاق عبودیت کہاں جس پر صلوة دلالت کرتی ہے محبت ہر چند سامان اطاعت ہے مگر اُس کے بعض آثار مثل تنگدلی و غیرت و غیرہ بسا اوقات بظاہر مہم عدم انبیاء ہوگا ہیں علاوہ بریں اصل انبیاء اور واسطہ انبیاء میں بہت فرق ہے حج میں واسطہ انبیاء ہے اور نماز میں اصل انبیاء۔ علیٰ ہذا القیاس جہاد و غیرہ طامات کو خیال فرمایا لیکن در صورتیکہ دربارہ اعتبار صلوة جو اصل مقصود میں الصلوٰۃ ہی نہایت اخصاص اشتہار بنام صلوة بھی ائمہ شاہد ہے امام مہل ٹھیرا اور مقتدی اُس کے آج اور اُس سے مستفید تو بحکم انصاف بالذات ضروریاً اعتبار صلوة یعنی فاتحہ جو ایک عرضی بندہ کا سر پا اظہار اور استعداد طبعان با وفا اور سورۃ و غیرہ جو ممکنہ حکم الحاکمین ہے امام ہی کی جانب رہا یہی وجہ ہے جو یہ ارشاد ہوا اذا قرئی القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا۔ ہاں الہ اصلیت و تعینت نہ ہوتی تو جیسے دو منفرد اگرچہ قریب ہی قریب کیوں نہ ہوں دربارہ قرأت ایک دوسرے کا کفیل نہیں ہوتا تو یہاں بھی ایک کو دوسرے کا ضامن نہ کہتے اور یہ بھی نہیں تو کہیں اُلٹا تو ہوتا مگر اس کو کیا کیجئے کہ امام کی قرأت تو سب کے نزدیک ضروری ٹھیری اس صورت میں تدبیر استماع و انصات بجز اس کے اور کیا ہے کہ مقتدی خاموش رہیں مگر چونکہ اصل وجہ اس قرأت اور استماع و انصات کی وہی اصلیت امام و تعینت مقتدی ہے

تو صلوٰۃ پوری بھی اس قیصر میں ہینگ صلوٰۃ چری نظر آتی ہے اسی بنا پر یہ ارشاد ہوا من کان لا یحکم
 امام فخریۃ اہل امام لہ او کما قال باقی ادمیہ النیات اولیٰ تو موضوع لہ صلوٰۃ نہیں فقط مقتضی
 کرم ہوا ہے پر یہ بھی اجازت ہوگئی کہ جس بیماری مرضی کے موافق دعا کی ہر اپنی مرضی کے موافق سوال کرتے چلو
 دوسرے حاجات مخصوصہ میں اختلاف ضروری ہر اسلئے سب ہی کو ان کی اجازت ہوگئی علیٰ ہذا القیاس
 بہ نسبت حاجت مست اختلافات خیالات ممکن علاوہ بریں صلوٰۃ جنازہ اپنے لئے دعا نہیں اذکر کیے
 ہے یعنی از قسم شفاعت ہے اور ظاہر ہے کہ شفاعت میں تکرار اور تعدد زیادہ کارگر ہے اسلئے دعا صلوٰۃ
 جنازہ میں بھی سب ہی شریک ہر وہی رہتی حدیث عبادہ جو وجوب قرارت کا فاتح علیٰ مقتدی پر ذنالت
 کرتی ہے اول تو اس کے ثبوت میں کلام دوسرے اگر ہے بھی تو حسن ہے صحیح نہیں اور اگر بعض محدثین کہ
 تقلید کیجئے اور صحیح ہی رکھئے تو آیہ مذکورہ کے معارض نہیں ہو سکتی اسلئے وجہ سے مفہوم آیہ جن تاویل کرنی
 یا تخصیص کرنی جس محل میں وہ نسخ ہے زیبا نہیں اسی کو آیہ سے منسوخ کہیں تو زیبا ہے۔ ہاں نسخ بے وجہ
 سے نسخ بوجہ زیادہ دشمن ہوتا ہے اسلئے یہ گزارش ہے کہ جیسے احکام مختلفہ الماسیات میں تدریج ملحوظ
 رہی ہے یعنی صلوٰۃ و زکوٰۃ اول فرض ہوئی پھر جہاد پھر عوم پھر حج۔ ایسے ہی ایک ایک حکم کو دیکھئے تو
 اکثر احکام میں یہی تدریج نکلے گی فاصک صلوٰۃ چنانچہ حدیث حضرت معاذ بھی جو اوداؤ میں دربارہ تہول
 احوال صلوٰۃ مروی ہے اس پر شاہد ہے اور اول اول سلام و کلام کا جائز ہونا پھر بوجہ نزول قوموا
 اللہ فانتہین ان کا منوع ہونا بھی اسی طرف مشیر ہے۔ سو بعد غوریوں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے تعمیر مکان
 سے پہلے مادہ تعمیر و سامان عمارت یعنی اینٹ چونہ لکڑی وغیرہ فراہم کیا جاتا ہے اور اس وقت نہ وہ
 ترتیب ملحوظ ہوتی ہے جو وقت تعمیر پیش آتی ہے چنانچہ بسا اوقات کڑیاں اور شہتیر اینٹوں اور
 پتھروں سے پہلے خرید لیتے ہیں اور وہ پتھر اور اینٹیں جو بے اوپر لگائی جاتی ہیں سب سے پہلے آجاتی ہیں
 اور نہ اس وقت فصل بالا جنبی سے کچھ احتراز ہوتا ہے کوئی چیز کہیں پڑی ہے تو کوئی کہیں پھرنج میں
 سیکڑوں وہ چیزیں ہوتی ہیں جو وقت تعمیر بدستور سابق ان کا بیچ میں فاصل اور حائل رہنا گوارا نہیں
 ہوتا ایسے ہی قبل تکمیل کار صلوٰۃ اول مادہ صلوٰۃ یعنی ارکان صلوٰۃ کی تعلیم کے لئے جب ہیئت مجموعی
 کا زمانہ آیا تو امور یا جنبہ کی ممانعت ہوگئی مگر جیسے باعتبار طول ایک ہیئت مجموعی ہے ایسے ہی باعتبار
 عرض یعنی اتحاد صلوٰۃ امام و مقتدی ایہ ہیئت مجموعی ہے سو قبل اہتمام ہیئت مجموعی۔ غرض دل
 نو یہ حکم تھا لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب و سورۃ چنانچہ انشاء اللہ ترمذی وغیرہ کتب حدیث
 میں یہ روایت ملے گی۔ اور جب اہتمام ہیئت مشاء ایہ شروع ہوا تو مقتدیوں کے ذمہ سے اول

یہ وجوب سورۃ ساقط کیا گیا بلکہ امام کو نائب خداوندی قرار دیکر اسی کے ذمہ یہ بار رکھا کیونکہ اسلئے عرض
 غیر سورۃ سے جواب سوال: احمد نا الصراط المستقیم ہے اسلئے سورۃ منعمہ منسزلہ
 حکم نامہ احکم الحاکمین ہے۔ اور چونکہ وہ وعدہ لا شریک لہ ہے تو ایک نائب اس باب میں کافی نظر آیا
 البتہ فاتحہ اصل میں عرضی بندگان سرایا اخلاص تھی اور ان کی کوئی تعداد نہیں تو ایک کا نائب
 کثیر ہونا کسی قدر دشوار معلوم ہوتا تھا اسلئے حدیث عبادہ میں باستثنائے فاتحہ قرأت سے مانعت
 قرآنی لئی اُسکے بعد بتدریج امام کی نیابت کو ترقی ہوئی بندوں کی طرف سے اس کو نائب بنایا گیا اور
 کہوں نہوجب خدا کا نائب ہو چکا تو بندوں کی نیابت میں کیا دشواری رہی اختلاف مطالب ہوتا تو
 ایک وقت سب کی طرف سے گزارش اور سب کی نیابت دشوار تھی جب معروض واحد ہے اور مطلب
 سب کا ایک ہے تو پھر کیا بدقت رہی یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ قبلہ اور مقتدیوں کے بیچ میں اُس کو
 جگہ ملی تاکہ یہ اسکا تین تین ہونا اُس کے اُس تین تین ہونے پر دلالت کرے جسپر اس کی نیابت طرفین
 دلالت کرتی ہے ملاء بریں رکوع و سجود وغیرہ ارکان میں امام کا شریک مقتدی ہونا نیابت عباد کو
 زیادہ صحیح ہے اسوقت حدیث میں کان للہ امام وغیرہ اور آئیہ واذا اقترحت العتران کان معبروم
 ہوتا ہے واذا اعلیٰ۔ مگر اس عروج کے بعد جسپر نیابت خداوندی دلالت کرتی ہے یہ نزول جو مقتضائے
 نیابت عباد ہے لہذا یہاں جیسا رسول اول نائب خدا ہو کر آیا ہے یہاں اگر سب استدعاے اُمت
 کچھ عرض کر لے تو اُدھر کی نیابت کا کام کرتا ہے اور یا یوں کہے کہ سورۃ منعمہ تو ایک خدا کے واحد کا
 پروانہ ہے پر فاتحہ ہر سہرہ احد کی عرضی ہے ملاء بریں و جہ شمال مضامین حد و ثنا سبھا ذک سے
 زیادہ تر مشابہ سو اگر یہ خیال کیجئے کہ بطور معروضات ویت ایک شخص سب کی طرف سے حاکم سے عرض کرتا
 ہے یہاں بھی ایک شخص سب کی طرف سے معروض معلوم عرض کر لے گا تو اشتغال مذکور اور تعدد اہل عرض
 کہ بھی خیال چاہئے اور ظاہر ہے کہ خیال اشتغال کو خیال تعدد اہل عرض ہر ایک کا فاتحہ پڑھنا مناسب نظر
 آتا ہے اور یہ حکم آپ کا تھا کہ اصل الا فتاحۃ الکتب اور دربارہ مقتدی لہذا کچھ ہوئی نہ تھی اس لئے
 مستغنیے احتیاط نبوی یہ ہوا کہ تادمہ و حکم مصرع مقتدیوں کو فاتحہ کا ارشاد کیا جائے اسلئے بیان مجہ
 مستغنیے کے لئے بطور احتیاط حدیث عبادہ میں یمنسر یا فانہ لا صلوة الخ۔ او کہا قال۔ ان
 دونوں توجہوں میں سے جون سی جس کسی کو پسند آئے اس کو اختیار ہے پر توجہ اخیر احکام میں
 کے حق میں زیادہ ترنا ہے کیونکہ اس صورت میں احکام اصل میں تعارض نہ ہو گا اگر ہو گا تو
 احکام امتیاطیہ میں ہو گا اور اس لئے خدا کی طرف سے نسخ کی نوبت ہی نہ آئے گی جو یہ خدشہ ہو

کہ نسخ گو جائز ہو پر غلاب اصل ہے تا مقدرائس سے احتراز مناسب ہے مگر ہرچہ بآداب اس طور سے رکھے تو ہر ایک حکم بجائے خود موجب ہو جاتا ہے اور نسخ مزدوں نظر آتا ہے ورنہ بمقابلہ آیہ مذکورہ یہ حدیث تو کیا فقط جملہ کلام صلوٰۃ الا بفاطمۃ الکتاب بھی لائق امتثال نہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ احادیث صحیحہ معارض قرآن ہوتی ہیں بلکہ اختلاف زمان سے اگر قطع نظر کیجئے تو یہ ممکن عارضی نہیں کہ زمانہ حکم واحد ہو اور پھر حدیث صحیح معارض قرآن ہو بلکہ غرض یہ ہے کہ اگر بالفرض یہ حدیث بھی معارض ہوئی تو یہ بھی بمقابلہ شریعت آن شریف واجب الترتیب تھی مگر اس کو کیا کیجئے کہ یہ حدیث اسلام معارض نہیں حاصل منطوق حدیث مذکور یہ ہے کہ ایک صلوٰۃ کے لئے ایک فاتحہ چاہیئے سو باعتبار طول ایک رکعت ایک صلوٰۃ ہے ہر رکعت میں فاتحہ ضروری ہوئی اور باعتبار غرض صلوٰۃ امام و مقتدی صلوٰۃ واحد ہے۔ یہاں بھی ایک ہی فاتحہ کافی ہوگی۔ الغرض احادیث مذکورہ میں سے حدیث عبادہ گو باعتبار منطوق شریعت آن شریف سے متعارض ہو مگر بوجہ اختلاف زمان جس پر شہادت قطریٰ سلیمہ موجود ہے تعارض نہیں کیونکہ تعارض کے لئے وحدت زمان بھی ضرور ہے جو منجملہ ہشت و صدات تناقض ہے اور حدیث لا صلوٰۃ الا بفاطمۃ الکتاب میں باعتبار منطوق بھی تعارض نہیں گواہی ظاہر کو معلوم ہوتا ہو البتہ تعارض فاقرؤا کا کھٹکا ہنوز باقی ہے اس کی مداخلت کے لئے یہ گزارش ہے کہ قرات باعتبار صلوٰۃ مطلوب ہے اور بحکم بعض مقدمات معروفہ ضروریات صلوٰۃ کی ضرورت مصلیٰ بالذات اور اس وصف کے موصوف بالذات کو ہوگی اس لئے مخاطب فاقرؤا اسوائے امام و منفرد اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اور کیونکر ہوں بدلائب سیاق و سباق مخاطب فاقرؤا مصلیٰ ہیں اور اطلاق مصلیٰ موصوف بالذات بالصلوٰۃ پر تو حقیقی ہے اور موصوف بالعرض پر مجازی کیونکہ وہ واقع میں موصوف ہی نہیں ہوتا اس صورت میں فاقرؤا میں مقتدی داخل ہی نہ ہوں گے جو اخراج کی ضرورت پڑے۔ بلکہ مدرک رکوع کا بالاجماع اس حکم سے سہکدوش ہونا اسی کی تفسیر ہے کہ مقتدی حقیقت میں مصلیٰ ہی نہیں اور اسلئے فاقرؤا کے مخاطب فقط امام و منفرد ہیں مقتدی نہیں اور یہی وجہ ہوئی کہ قیام اس پر فرض نہ ہوا کیونکہ قیام بوجہ قرات مطلوب تھا جب قرات ہی اس کے ذمہ نہیں اور نہ وہ حکم قرات کا مخاطب تو پھر مطالبہ قیام بے سود ہے اس کے بعد اس تاویل کی کچھ حاجت نہیں کہ لاکثر حکم الكل من فضول میں سے دو کا ادا ہو جانا بھی کافی ہے۔ علاوہ ہر اس کے عذر قابل استماع ہو تو قیام در رکوع

وسجدہ واحد بھی کافی ہو کرے۔ علیٰ ہذا القیاس قیام اور دو سجدوں سے نماز ہو جایا کرے۔ اس وقت نہ دونوں آیتوں میں تعارض باقی رہتا ہے اور نہ اعتراض ظہنیت حدیث بوجہ تخصیص دربارہ فرضیت قرارت علی الامام والنفسد قادح ہو سکتا ہے اگرچہ جواباً اعتراض مذکور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آیہ فاقروا اور بارہ قرارت خاص ہے اور عموم و خصوص بعض اُتر ہے تو باعتبار مخالفتیں ہے اسلئے اگر قطعیت بمثل ظہنیت ہوگی تو دربارہ تعین مخاطبین ہوگی نہ در باب قرارت۔ پر جیسے بدالت حدیث صید جس میں احتیاط پر نظر کر کے اُس عید کو حرام کر دیا جس کے اصطلاح میں کتاب بھی شریک ہو جائے ایسے ہی بوجہ احتیاط اُن لوگوں پر قرارت فرض رہی جن کا حکم قرارت سے خارج ہونا کسی دلیل سے ثابت نہیں ہوا اگر حرمت مستحق احتیاط ہے تو فرضیت بھی یہ استحقاق رکھتی ہے۔ بالجملہ نہ آیہ فاقروا اور آیہ اذا قرأ القرآن میں تعارض ہے اور نہ حدیث (تسلوٰۃ الا بفاتحہ الکتاب وغیرہ) احادیث دالہ علی الوجوب قرارة الفاتحہ اور آیہ میں تعارض ہے ہاں البتہ حدیث عبادہ اور آیہ اذا قرأ القرآن میں باعتبار منطوق تعارض ہی پر لمحاظ اشارات مذکورہ حدیث مذکور کا تقدم اور آیہ کا تاخر بہ نسبت تقدم آیہ و تاخر حدیث زیادہ ترجیحاں ہیں۔ پھر اس پر حدیث کی صحت میں کلام ادھر قائلان وجوب قرارت فاتحہ علی المقتدی کو دیکھا کہ فکر تعمیل آیہ سے غافل نہیں صحابہ کرام میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور علامہ فقہ میں حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایجاب فاتحہ علی المقتدی میں زیادہ تشدد ہے مگر حضرت ابو ہریرہؓ تو متبع سکنات امام کا ارشاد فرماتے ہیں اور حضرت امام شافعیؒ کے مقلد و نکو دیکھا کہ امام بعنفاتہ دیر تک سالت کھڑا رہتا ہے اس وقت مقتدی فاتحہ پڑھتے ہیں سو اس کے کہ متبع سکنات امام اور سکتہ طویلہ میں الفاتحہ والسورۃ کو ایک تجویز اضطراری کہئے اور کیا کہئے۔ حدیثوں میں مرفوعا شاید کہیں یہ دونوں باتیں نہ ہوں اگر یہ تجویز بمحاظ آیہ مذکورہ نہیں تو اور کیا ہے جس صورت میں آیہ مذکورہ قائلان وجوب فاتحہ علی المقتدی کے نزدیک بھی واجب التعمیل ٹھہرے اور خود اُن کی تجویز غیر مروی تو اس صورت میں یہی بہتر نظر آتا ہے کہ حدیث من صلی مصلیٰ الخ وغیرہ کی طرف رجوع کیا جائے اور ان کی تجویز سے تو اسکی تعمیل بہتر ہی ہوگی اور کیوں نہ ہو اول تو اُس بارہ میں احادیث مرفوع الاسناد اور بھی موجود ہیں چنانچہ امام محمد کی موطایں موجود ہیں اور اگر اسی روایت پر قناعت کیجاوے اور اُس سے قطع نظر کیجاوے کہ قوت درایت قوت روایت سے مقدم ہے چنانچہ انشاء اللہ تعالیٰ واضح ہو جاوے گا موافقا تو اسکی صحت میں کلام

نہیں پھر باوجود اشتہار نص لا صلاۃ الا بفتح الکتاب حضرت جابر کا یہ ارشاد ہے کہ
متصور ہی نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوا احتمال جہاد ہے تاویلات کیلئے چسپاں
نہیں ایسی حدیث موقوف بھی مرفوع کے حکم میں ہے علاوہ بریں امر اگر اجتہاد ہی تھا تو ایسا تھا
کہ باپ زہر باید نوشت یعنی جب امام دربارہ صلوٰۃ موصوف بالذات ہو تو پھر مقتدی پر بار قرار
ہے موقع نظر آیا اور اس کے ساتھ آیہ اذا قرئ القرآن فاستمعوا لکلامہ واطعوا امرایہ فاقربوا
کو اسکے موافق پایا مخالف نہ پایا اور حدیث عبادہ کو بوجہ تدبیر مشارلہ منجلا احکام سابقہ بمعان سب
باتوں کے لحاظ کے بعد اس اجتہاد کو غلط کہنا مناسب نہیں۔ ہاں کس نص کا تعارض ایسا ہوتا کہ اسکی
مدافعت کی کوئی صورت ہی نہ ہوتی تو البتہ عمل قائل تھا۔ اس وقت غور سے دیکھئے تو حدیث
عبادہ اور یہ آیہ اذا قرئ القرآن کا تعارض ایسا ہے کہ بے تجویز تنجیحات بہرکتہ طویل
مشار ایسا اسکی مدافعت کی کوئی تدبیر نہیں اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں تجویزی غیر مروی باقی
روایت مرفوع اسکے کسی طریقہ میں کلام ہے تو ایسا کلام تو حدیث عبادہ میں بھی موجود ہے۔
محدث اسی کی تبدیلی اگر کسی نے کی تو ان کا کہا قول فیصل نہیں ہو سکتا۔ روایت کا حال اول تو
مشاہدہ افعال سے مستنبط ہوتا ہے اس میں اختلاف ہو تو وہ درحقیقت اختلاف انتزاع ہے
اور تعارض ظن و تخمین ہے اگر مراتب انتزاع میں سب برابر ہیں تو بشرط تساوی مشاہدہ اعتبار میں
بھی سب برابر ہوں گے۔ ان کے بعد جو کوئی کہے گا انہیں کے حوالہ سے کہیگا جس کسی کو متاخرین میں
سے منجملہ امہ برع و تعدیل کسی کا اعتقاد زیادہ ہو اس نے اسی کا اتباع کیا ایک کا اعتقاد دوسرے
کے حق میں واجب اللحاظ نہیں جو اس کا قول قول فیصل سمجھا جائے۔ یہ بات درایت میں تصور ہے
یعنی اگر کسی نے بنائے احکام کا پتہ لگا دیا جیسا بشرط انصاف و ارباق مردفہ میں ہوا ہے تو پھر
ہر حکم ٹھکانے لگ جاتا ہے۔ اور اسلئے اس کا قول قول فیصل ہو جاتا ہے۔ پھر اگر حدیث عبادہ
اور طرق سے مروی ہے تو حدیث میں صلی بھی باللفظ یا بالمعنی اور طرق سے مروی ہے امام محمد
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موطا کو مطالعہ فرمایگا اس میں بعض طرق ایسے بھی نکلیں گے انشاء اللہ تعالیٰ
کہ علی شرط الشیخین ہوں اور یہ بات سرسرقہ اور نا انصافی کی ہے کہ امام محمد اور امام ابو حنیفہ
کا روایت میں اعتبار ہی نہ کیا جائے۔ اگر روایت میں فقہا کا اعتبار نہیں تو اوروں کا بدرجہ اولیٰ
ہوگا۔ کیا کہئے اس دیرانہ میں مواد کتب حدیث کا بالکل ہتہ نہیں اور دیوبند اور سہارنپور میں
اگر بعض کتابیں ہوں بھی تو یہاں سے دور علاوہ ازیں کہ بوجہ توازن امراض ناتوانی کچھ قدیم کی نقلی

اس باب میں اگر بول سکتے ہیں تو اتنا ہی بول سکتے ہیں کہ روایت قرار دے فاتحہ روایات ترک قبولہ فاتحہ سے اقویٰ ہے مگر اول تو یہ دعویٰ غیر مسلم اہل انصاف تو مجب نہیں کہ اس بات کو تسلیم نہ کریں اور اگر بالفرض اس بات کو تسلیم ہی کیجئے تو اس کو عمل بالاحوط کہنا چاہیئے۔ از قسم رد والی اللہ و الرسول نہیں اور ظاہر ہے کہ عمل بالاعتیاضی وقت تک ہے جب تک حقیقت حال معلوم نہ ہو اگر حقیقت الامر مشکفت ہو جائے تو پھر احتیاط کے لئے موقع ہی نہیں رہتا۔ اس جا سے یوں ہی سمجھ میں آتا ہے کہ قوت روایت باعتبار درایت قوت سند سے بڑھ کر ہے۔ یہی معلوم ہوتا ہے کہ فقہاء کا سند میں زیادہ اعتبار ہوا اور کیوں نہ ہو روایت بالمعنی اکثر ہوتی ہے اور اس میں فہم ہی کی زیادہ ضرورت ہے۔ بالجملہ باعتبار درایت نسخ قرار مقتدی زیادہ موزج پھر اس پر تعارض آیہ و اذ اقرئی القرآن ان سے قوت باعتبار سند بھی تارکان قرار ہے کی طرف رہی۔ اس پر بھی امام ابو حنیفہؒ پر طعن کئے جائیں اور تارکان قرار پر عدم جواز صلوات کا الزام ہو کرے تو کیا کیجئے زبان قلم کے آگے کوئی آڑ نہیں دیوار نہیں پہاڑ نہیں۔ ہم کو دیکھئے باوجود توجہات مذکورہ اور استماع کشنیت معلومہ فاتحہ پڑھنے والوں سے دست در میان نہیں ہوتے بلکہ یوں سمجھ کر کہ ہم تو کس حساب میں ہیں امام اعظمؒ بھی باوجود عظمت شان مکان خطا سے منزہ نہیں کیا عجیب ہے کہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ ہی صحیح فرماتے ہوں اور ہم ہنوز ان کے قول کی وجہ کو نہ سمجھتے ہوں اس امر میں زیادہ تعصب کو پسند نہیں کرتے یہ جہت امام علیہ الرحمۃ کی تو ہیں سنی جاتی ہے دل جل کر خاک ہو جاتا ہے ادنیوں جمہ میں آتا ہے کہ ان زبان درازیوں کے مقابلہ میں ہم بھی نن ٹرائیوں پر آجائیں اور دو چار ہم بھی سنائیں۔ پر حدیث و اذ حاطبہما الجاہلون قالوا سلاما و اذ مروا بالاعوج مروا اکراما اور حدیث شیخ نزاع ملے ہیں۔ و اذ دعونا ان الحمد للہ رب العالمین

الحمد للہ! مقالات حجة الاسلام کی جلد 4 اختتام کو پہنچی۔

تمت بالخير

مقالات حجۃ الاسلام 17 جلدوں پر ایک نظر

(جلد 15) ماتوب شہر ماتوب نختہ ماتوب نشتہ	(جلد 11) قبلہ نما تنویر النہر الحظ المقسوم من قاسم العلوم	(جلد 5) الدلیل المحکم مع شرح اسرار الطہارۃ افادات قاسمہ اجوبۃ الکاملۃ لطائف قاسمہ	(جلد 1) مضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ کی سوانح پر مشتمل اہم مضامین و مقالات
(جلد 16) مکتوب نجم مکتوب دہم مکتوب یازدہم مباحثہ سفر رزکی	(جلد 12) فرائد قاسمہ فتویٰ متعلق دینی تعلیم پر اجرت	(جلد 6) اجوبہ اربعین	(جلد 2) اسرار قرآنی انتباہ المؤمنین تحذیر الناس مناظرہ عجیبہ تصفیۃ العقائد انتصار الاسلام
(جلد 17) جمال قاسمی مکتوبات قاسمی (متعلق اسرار الطہارۃ) حضرت نانوتوی رحمۃ کے علم و فضل اور حالات و واقعات پر متفرق مضامین حکمت قاسمہ سند حدیث (عربی) علمی خدمات	(جلد 13) مکتوب کرامی مضامین و مکتوب الیہ ”انوار النجوم“ اردو ترجمہ قاسم العلوم مکتوب اول تخلیق کائنات سے پہلے اللہ کہاں تھا؟ یعنی مکتوب دوم	(جلد 8) تقریر دلپذیر	(جلد 3) آب حیات
	(جلد 14) مکتوب سوم مکتوب چہارم مکتوب پنجم	(جلد 9) قصائد قاسمی فیوض قاسمہ روداد چندہ بلقان حجۃ الاسلام	(جلد 4) تحفہ الحمیہ مصانح التراويح الحق الصریح فی اثبات التراويح توثیق الکلام فی الانصاف خلف الامام
		(جلد 10) گفتگوئے مذہبی (میلذہ اشاعی) مباحثہ شاہ جہاں پور جواب ترکی بترکی برائین قاسمہ	

Our online Islamic Bookstore:
Email Address: talefat@gmail.com
www.taleefat.com
http://www.taleefat.com/taleefat

ادارۃ تالیفات اشرفیہ
پبلک فوارہ نستان پاکستان
0122-6180739, 061-4519246